

خوفناک ڈائجسٹ

اپریل 2015

اپریل 2015

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ بانی شہزادہ علی انیسویں
پہلا خوفناک ڈائجسٹ جس میں خوفناک کہانیاں اور
کہنے والی جہت انگیز اور ہنساکھانیاں شائع کی گئی ہیں

بازی گرنمبر

RS:70

CPI-NO-219

— حیرت انگیز میٹک خوفناک کہانوں کا ماہنامہ —

خوفناک ڈائجسٹ

لاہور

بازی گر نمبر

ماہ اپریل 2015

جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 11

قیمت 70 روپے

بانی۔ شہزادہ عالمگیر
نمران اعلیٰ۔ شہلا عالمگیر
چیرمین۔ شہزادہ انتمش
مینیجنگ ایگزیکٹو۔ شہزادہ فیصل

آفس منیجر۔ ریاض احمد

سرپرست۔ جمال الدین

مارکیٹنگ

کرن۔ ماہا۔ نور۔ فاطمہ۔

رابعہ۔ سارا۔ زارا۔



پتہ: خط و کتابت کیلئے: بہا خوفناک ڈائجسٹ پی۔ او۔ بکس 3202۔ گلبرگ۔ لاہور

خوفناک ڈائجسٹ اپریل 2015 کے شمارے بازی گر نمبر کی جھلکیاں

خوبصورت چڑیل
معاویہ غبر وٹو

50

پراسرار مورتی
قیصر جمیل پروانہ

16

بلکھرے موتے
کاشف عابد

62

بے قرار

خرم شہزاد آزاد کشمیر

6

طلسمی جادوگر
از میر اعوان

72

محرم مجرم

انتہا ز احمد کراچی

162

پراسرار قیدی
ایس امتیاز کراچی

82

کون چاند رکھ میری شام پر
خوبہ عالم گودھا

104

اسلامی صفحہ

بازی گر نمبر

اپریل 2015

بازی گر - قسط نمبر 4

وارث آصف خان

30

کہانیوں کی صداقت پر غور و فکر سے بااثر ہوتی ہیں ایسی تمام کہانیوں سے تمام نامہ اہل افغان قلمی طور تبدیل کر کے جاتے ہیں جن سے حالات میں تلخی پیدا ہونے کا امکان نہ ہو اس کا ایک طریقہ رائے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو وہ عالمگیر پر نظر زواید بشیر۔ ریختی گمن رو ڈالا ہو (

کوئی چاند رکھ میری شام پر
خوابہ عاصم سرگودھا

پاگل سوہنو
محمد شفیق سوہاوہ

158

جلد نمبر ۱۸
شمارہ نمبر ۱۱

جادوی محل
آئندہ ماہ

مجھے یہ شعر پسند ہے

تلاش
اگلے ماہ سے

اسلامی صفحہ

طلسمی پتلا
آئندہ ماہ

قیمت 70 روپے

آپ کے خطوط

اسلامی صفحہ

آپ کا نام حسن کنیت ابو محمد لقب ریحانۃ البیٰں رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہؑ کے بیٹے ہیں مشہور روایت کے مطابق رمضان میں ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے حضرت حسنؑ کی ولادت کی خبر جب حضور کو ہوئی تو آپ سیدہ فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت حسنؑ کے کان میں اذان کہی حضور ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے حضرت حسنؑ کو گھنی دی حضرت علیؑ نے آپ کا نام حرب رکھا اس کو بدل کر حضور ﷺ نے حسن رکھا صدیقہ کائنات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضرت حسنؑ کی ولادت پر دو کمریاں ذبح کی گئیں ویسے تو نبی کریم ﷺ اپنے نواسوں سے محبت فرماتے تھے لیکن سیدنا حسنؑ سے خاص محبت کرتے تھے اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی کہ حضرت حسنؑ کی جسمانی مشابہت حضور ﷺ سے تھی حضور ﷺ کی شفقت کا یہ نتیجہ تھا روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی کبھی محبت سے سیدنا حسنؑ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھالیا کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے۔ اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر جب حضور ﷺ ان سے اتنی محبت فرماتے تھے صحابہ کرامؓ ان سے کیوں نہ محبت کرتے ایک روایت میں عبید بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدنا حسنؑ کے ساتھ تھا کہ اتفاق سے ہماری ملاقات سیدنا ابو ہریرہؓ سے ہو گئی میں آپ کے جسم کے اس مقام پر بوسہ دینا چاہا جہاں نبی کریم ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے حضرت سیدنا حسنؑ نے اپنے پیٹ مبارک سے قبض اٹھایا سیدنا ابو ہریرہؓ نے ناف کو بوسہ دیا سیدنا حسنؑ بہت عبادت گزار تھے پچیس حج پیدل کیے مین مرتبہ گھر کا سارا سامان اللہ کے ستے میں خرچ کیا حضرت حسنؑ کو حضرت علیؑ کی شہادت کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور بنی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو پورا فرمایا جو نبی کریمؐ نے فرمایا تھا حسن میرا بیٹا سردار ہے مسلمانوں کی دوسری جماعتوں میں صلح کروائے گا (بخاری) حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؑ کے صلح والے سال کا نام عام الجمال ہے حضرت معاویہؓ سے حضرت حسنؑ کی صلح کرنے پر اہل کوفہ حضرت حسنؑ کے مخالف ہو گئے اور آپ پر قاتلانہ حمل کیا آپ کا سارا سامان لوٹ لیا اور آپ کی ران مبارک پر برچھا مار کر زخمی کر دیا۔ چارہا ہجری حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے کے بعد حضرت حسنؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کی مدینہ منورہ میں رہائش پزیر ہو گئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اچھے تعلقات رہے پانچ ۵ ربیع الاول ۴۱ھ یا ۴۲ھ یا ۴۳ھ ہجری میں وفات ہوئی اور اپنی داوی سیدنا فاطمہ بنت اسدؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت عبدالقدوس بن مسعود سے ایک روایت ہے کہ پیارے نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی جو اس مربع سے باہر نکل گئی اور ایک طرف سے چھوٹی چھوٹی لکیریں درمیانی لائن کی جانب جھپکیں پھر فرمایا یہ انسان ہے جیسے موت ٹھہرے ہوئے ہے اور درمیان لمبی لکیر اس کی امید ہے جو اس کی زندگی سے بھی زیادہ ہے اور چھوٹی لکیریں اس سے پیش آنے والے حالات ہیں۔۔۔۔۔ ابراہارامیں شگومند کی

شہزادہ عالمگیر ہسپتال

شہزادہ عالمگیر صاحب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل پوری ہونے جا رہی ہے

قارئین کرام آپ حضرات کے تعاون سے ہم عالمگیر ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شہزادہ عالمگیر صاحب کے خوابوں کو پورا کیا جائے۔ یہ فیصلہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے امید ہے کہ آپ قارئین ہمارے اس فیصلہ کو ویلکم کہیں گے اور اپنے تعاون سے نوازیں گے اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمیں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپوں کی ضرورت ہے آپ کے تعاون سے ہم اس ہسپتال کی بنیاد میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ سے جو بھی ہو سکتا ہے اس ہسپتال کی تعمیر میں ہماری مالی مدد کریں آپ کی مدد سے ہی ہم اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک روپیہ اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمارے لیے بہت اہم ہوگا۔ بہت جلد ہم اس کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں آپ حضرات سے مالی تعاون کی پرزور اپیل کرتے ہیں امید ہے کہ آپ اس نیک مقصد کو پورا کر لے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں گے۔ چاہے سو روپے ہی بھی آپ ہمارے اس اکاؤنٹ میں ڈال سکتے ہیں آپ کے ایک ایک روپے کی حفاظت کی جائے گی اس ہسپتال میں نہ صرف غریبوں کا فری علاج کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے کھانے کا بھی بندوبست کیا جائیگا۔ یہ ہسپتال آپ کا ہسپتال ہوگا۔ آپ کے تعاون سے بننے والے اس ہسپتال کا کام جلد شروع کر دیا جائے گا۔ تمام قارئین کرام اپنی رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کروا کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں اور دعا کریں کہ ہم اس نیک کام میں جلد کامیاب ہو جائیں۔

شہزادہ عالمگیر

اکاؤنٹ 01957900347001 حبیب بینک کمرشل ایریا کیولری گراؤنڈ لاہور

بے قرار

-- تحریر: خرم شہزاد مغل۔ بھمبر آزاد کشمیر۔

آپ نے مجھے دنیا جہاں کی تمام خوشیاں دے دی ہیں جس کے لیے میں آپ کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے آپ کا یہ احسان بھی نہیں بھول سکتی ہوں میں آپ کی دنیا میں اس لیے آئی تھی کہ دیکھ سکوں کہ انسانوں کی دنیا میں واقعی انسانیت موجود ہے یا نہیں لیکن اسلام آج انسانوں کی دنیا میں تم کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں اسکی با میں اسلام کے دل میں اترتی جا رہی تھیں۔ میں آپ کو بھی بھول نہیں پاؤں لی میں آپ کو اس احسان کے بدلے میں اتنا کچھ دے جاؤں گی کہ آپ زندگی بھر کبھی بھی پریشان نہ ہوں گے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ آج میں پوری رات آپ کی ہوں صبح میں واپس چلی جاؤں گی کیونکہ جس مقصد کے لیے میں آئی تھی وہ آج پورا ہو گیا تھا میں کسی انسان سے شادی کی خواہش نہ کرتی تھی اور وہ خواہش میری پوری ہو گئی ہے۔ میں نے تمہیں بہت قریب سے آزمایا ہے کہ تمکو میرے جسم کی خواہش نہیں تھی اگر تمکو میرے جسم کی خواہش ہوتی تو اس روز جب تم میرے گھر میں آئے تھے تو اس روز میرے حسن میں کھو کر کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن تم نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا بلکہ میرے کہنے کے باوجود بھی تم کو اب بھاگ کھڑے ہوئے تھے مجھے تمہاری وہ ادا دل کو بجاتی تھی میں تم اس حرکت سے دور نہ ہوئی تھی بلکہ تمہارے اور قریب ہو گئی تھی انسانوں سے میری صحبت چھوٹی تھی تم لا جواب انسان ہو۔ واقعی سچی محبت کے حامل ہو۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

کرتے تھے شفیق سامنے لگے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور اسلام کے آنے کے بعد تیزی سے ہاتھ چلا کر جلدی جلدی سامان سینے لگا تا کہ ہر ممکن تک اب گھر کی راہ اختیار کی جائے۔ اسلام یار تمہیں پتہ ہے میری وائف اتنا لپٹ جانے سے ہمیشہ برا مناتی ہے لیکن میں پھر بھی ہر روز تمہاری وجہ سے لپٹ ہو جاتا ہوں۔ شفیق نے شک آ کر اپنے دل کی بات اسلام کو بتا دی۔ چلو یار نکلتے ہیں۔ اسلام کی آواز سنتے ہی شفیق صوفے پر سے کھڑا ہوا اور دونوں تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ شفیق اور اسلام دونوں بہت گہرے دوست تھے اور شروع سے ہی اکٹھے کام پر جایا

اسلم جلدی نہایت دیر ہو گئی ہے تم ہر روز دیر کر دیتے ہو آج رات کے دس بج چکے ہیں اور تم ابھی تک دکان پر براجمان ہو۔ اسلام کی موبائل شاپ کے اندر داخل ہوتے ہی شفیق کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ آؤ شفیق یار آؤ بس تھوڑا سا کام باقی ہے دن کو لائٹ نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے سارے کاروبار کا ستیاناس ہو گیا ہے۔ رات کو دیر تک کام کر کے تمام کاروبار اپنی جگہ پر قائم رکھتا ہوں۔

شفیق اپنے آفس میں کام کرتا تھا اور اسلام کی اپنی موبائل شاپ تھی دونوں عرصہ تین سال سے روزانہ پیدل گھر تک اکٹھے سفر کیا



سے انہیں سنائی دے رہی تھی۔ دونوں آج ایک بار پھر حیرانی اور کوف سے بھری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں کہ یار آخر یہ ہے کیا چیز آج اس بات کا پتہ چلا کر رہی رہیں گے کہ کیا ماجرہ ہے۔

اسلم گھر چلو پار بہت لیٹ ہو گئے ہیں۔ شفیق کے بات سن کر اسلم خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آیا اسلم اس طرف قدم بڑھاتے بڑھاتے رک گیا اور دونوں اسی سوچ میں گھر چلے گئے۔ اور یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ کل ضرور اس بات کا پتہ چلا کر رہیں گے۔ کہ یہ کیا بات ہے اسلم کے ذہنی مین یہ بت رچ بس گئی تھی اور اسلم بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ آواز کس کی تھی اور کون ہر روز ہمارے وقت ہی ہمیں آواز دیتا ہے۔ جیسے وہ ہمارا ہی منتظر ہو پھر یہ سوچ کر اس بت کو جھٹک دیتا کہ کل اس حقیقت کا پردہ فاش کر کے ہی رہوں گا یوں یہ بات سوچ کر وہ اپنے خوابوں کی دنیا میں گھو گیا۔

دوسرے دن معمول کے مطابق صبح سویرے اٹھ کر اسلم اور شفیق اپنے اپنے کام پر چلے گئے دن بھر کام میں مصروف رہنے کے بعد شام کو دونوں جلدی فادرغ ہو گئے لیکن وہ رات کا انتظار کرنے لگے کیونکہ وہ آج اس بات پر سے پردہ اٹھانا چاہتے تھے جو ان کو ہر روز رات گوسنائی دیتی تھی۔ آج ایک بار پھر رات ہو گئی دونوں دوست رات کے دس بجنے کے منتظر تھے کہ اس نائم پر جا کر دیکھا جائے کہ پردے کے پیچھے کون ہے۔ آج مجھے سارا دن مسکون نہیں آیا میرے خیال میں بس یہی داستان رچی بسی ہوئی تھی جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میرے دل میں جیس جیس بڑھتا

کرتے تھے شفیق کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے لیکن ابھی تک اس کے گھر میں کوئی اولاد نہیں تھی اسلم اور شفیق کے درمیان اکثر یہی بات زیر بحث رہتی آج بھی اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے جب دونوں ہستی کے قریب موجود ویران جگہ پر پہنچے تو پیاس کی شدت نے انہیں ستانا شروع کر دیا۔

شفیق یہاں تو بہت گرمی ہے میرے ہونٹ پیاس کی شدت کی وجہ سے خشک ہو رہے ہیں اسلم دھیمے لیپے میں شفیق سے مخاطب ہوا۔ ہاں یار واقعی یہاں تو مجھے بھی بہت گرمی محسوس ہو رہی ہے چلو وہ سامنے نلکے پر چلتے ہیں شفیق کے کہنے پر اسلم نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور وہ دونوں سامنے لگے نلکے کی طرف روانہ ہو گئے اتنے میں اسلم کے موبائل کی گھنٹی بجی اسلم نے موبائل نکالا اور دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

ابو کی کال سے یار تم ٹھیک کہتے ہو یہ بات جا کے کی وجہ سے تو مجھے بھی روزانہ ڈانٹ پڑتی ہے اور اب مجھے کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں کہ حالات بہت خراب ہیں جلدی گھر آ جایا کرو کام کی وجہ سے۔ آج پھر لیٹ ہو گیا ہوں ان دونوں تو میری شادی کی بات بھی چل رہی ہے۔ ابو سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ آج جلدی آؤں گا لیکن آج بھی لیٹ ہو گیا ہوں۔ پانی کو رہنے دو گھر چلتے ہیں۔

اسلم کی بات سن کر شفیق بھی تھوڑا پریشان ہو گیا خیر پھر دونوں رات کی تاریکی سے بے خبر گھر کی طرف چل دیے ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ اچانک ایک سوانی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ یہ وہ آواز تھی جو وہ کافی دنوں سے محلے کی باہر والی طرف موجود مکان کے اندر

جار ہاتھا۔ شفیق اسلم کی دکان پر بیٹھے بیٹھے اچانک بول اٹھا۔ شفیق تم نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے اسلم نے پریشانی کے لہجے میں شفیق کی بات کا جواب دیا اسلم جلدی کر دس بج چکے ہیں اپنا کام ادھورا ہی چھوڑو باقی صبح کر لینا۔ شفیق کی گھڑی پر نظر پڑتے ہی فوراً چلا اٹھا۔

افوہ یار واقعی بہت دیر ہو گئی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی اس نے اپنی شاب کو بند کر دیا اور دونوں اپنی منزلیں طرف رواں دواں ہو گئے۔ چلتے چلتے کبھی شفیق آگے ہو جاتا اور کبھی اسلم۔ راستے میں چلتے چلتے اچانک اسلم نے شفیق کی کان پیٹی پر پتھل رکھ دیا۔ اور کہا۔ سیدھے ہو جاؤ تم مجھ سے آج نہیں بچو گے۔ شفیق اسلم کی اس حرکت پر نہ صرف حیران ہوا بلکہ اس کے سپیٹے چھوٹ گئے اور اسلم سے اپنی کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ک۔ ک۔ ک۔ ک۔ کیا کر رہے ہو تم اسلم۔

ہا ہا۔ اسلم نے زور سے قہقہہ لگایا اور شفیق کی بے بسی پر مذاق اڑانے لگا۔ یار سوری میں مذاق کر رہا تھا اصل میں احتیاطاً ساتھ پھسل بھی لے رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو مگر تو ہمارے کام آ سکے۔ اسلم کی بات سکر شفیق کی جان میں جان آئی اور وہ اسلم کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگنے لگا یوں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے جہاں وہ ویران جگہ پر پہنچے تو اور معمول کے مطابق ان کے خلق خشک ہونے لگے پیاس کی شدت ان کو بے بس کرنے لگے آج وہ پھر پانی کے نل کے پاس چلے گئے۔ اور یہاں ہی ان کو ہر روز آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ان کی سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں ویران جگہ پر پہنچ کر ہی ان کو پیاس کی شدت کیوں محسوس ہوتی ہے اس میں کیا راز ہے حالانکہ انہوں نے کئی بار شاب سے نکلتے ہوئے پانی بھی پیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی جب بھی وہ اس ویرانے میں پہنچتے ان کو پیاس لگ جاتی تھی۔

شفیق یار آج کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے نجانے کیا وجہ ہے کیا معاملہ ہے۔ کافی دیر وہاں کھڑا رہنے کے بعد اسلم نے تنگ آ کر اپنے لب ہلانے اور دونوں ہی آپس میں گفتگو شنید کر لگے۔

آ جاؤ۔ آ جاؤ۔ آ جاؤ دونوں یہ آوازیں کر چوتھ گئے اور خوف سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ ابھی انہوں نے آواز کی بات کی ہی تھی کہ ان کو آواز سنائی دی پھر دونوں اس آواز کی طرف چلنے لگے۔ جس طرف سے آواز سنائی دی تھی۔ چلتے چلتے آخر ایک مکان کے سامنے جا کر ان کی تلاش ختم ہو گئی آواز اسی مکان سے آرہی تھی ڈرتے ڈرتے اسلم نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھٹکنے کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر میں دروازہ کھل گیا دروازے کا کھلنا تھا کہ اسلم اور شفیق کا منہ حیرت سے کھلے کا نظارہ دیکھا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسی دنیا میں ہیں کیونکہ سامنے کا منظر ہی کچھ عجیب اور پرستش تھا ایک نہایت ہی خوبصورت دوشیزہ جس کے بال کھلے ہوئے تھے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ اندر تشریف لائے میں ہی وہ یہ نصیب ہوں جو ہر روز آپ لوگوں کو تنگ کرتی تھی۔ ساتھ ہی وہ اپنے سر پر دوپٹہ سیٹ کرنے لگی اسلم اور شفیق ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں یا

ت ت ت۔ ت تم کون ہو۔ شفیق نے
ڈرتے ڈرتے کہا۔

میں ایک پری ہوں آپ مجھے پری کہہ
سکتے ہیں یہ سب کہنے کے بعد آپ لڑکی نے
ایک لمبی آہ بھری اور خاموش ہوئی پھر وہ
دھیرے دھیرے سے اسلم کی طرف بڑھنے لگی
اسلم اس کی آنکھوں میں شیطانیست کو دیکھ چکا تھا
کہ اس کے دل میں کیا ہے وہ اپنے ہونٹوں پر
زبان پھیر رہی تھی جیسے ان دونوں کو کچا
کھا جائے گی۔ وہ دونوں ہی بھاگنے لگا لیکن
اس کے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اسلم
کی زبان منہ سے کاٹنے لگی۔
یہ یہ تم چاہتے ہو تمہیں شرم آتی چاہیے

شرم۔ اس نے ایک قہقہہ لگایا اور بولی
میں تم لوگوں کو جب تک میں جانے دوں گی
تب تک میں اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتی۔ اب
تو اسلم اور شفیق کا خوف کے مارے برا حال
ہو رہا تھا دونوں کی سانسیں رک گئی تھیں وہ دونوں
چلا رہے تھے لیکن کچھ بھی نہ کہہ پارے تھے پھر
نجانے شفیق کو کیا ہوا کہ اس نے پھٹل نکالا
اور اس لڑکی کو فائر کر دیا لیکن اسے فائر کا کوئی
بھی اثر نہ ہوا۔ وہ قہقہے لگانے لگی اچانک اسلم
کے ذہن میں خیال آیا کہ اس نے زور زور سے
آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ اور پھر
دونوں ہی تیزی سے باہر کی طرف بھاگنے لگے
لیکن اس مرتبہ اس لڑکی نے دوبارہ ان
دونوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور وہ دونوں
بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ بھاگتے
بھاگتے دونوں گاؤں کے قریب جا پہنچے ان
کے سانس پھولے ہوئے تھے تھکاوے سے ان
دونوں کا برا حال تھا حقیقت میں وہ لڑکی جاری

حقیقت کا سامنا ہے ان کے سامنے۔ نجانے کیا
بات تھی کہ اس کے کہنے پر وہ دونوں مکان کے
اندرواغل ہو گئے۔ وہ بولی۔

تم لوگ بیٹھو میں تم لوگوں کے لیے کچھ
پینے کو لاتی ہوں اتنا کہہ کر وہ ایک طرف کوچلی
گئی جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بحث
کرنے لگے۔ کہ اتنی خوبصورت لڑکی آج تک
ہم نے اس محلے میں نہیں دیکھی تو پھر یہ کہاں
سے آگئی تکرار کرتے کرتے وہ دونوں یکدم
خاموش ہو گئے کیونکہ ان کو لگا جیسے وہ آگئی ہو۔
پورے کمرے میں ان کے چپ ہوئے۔
سناتا سا چھا گیا تھا پھر وہ دھیرے سے ان کے
پاس آئی۔ اسلم سے بولی۔

اسلم میں تم سے کچھ نہ رہا میں کرنا
چاہتی ہوں اس لیے آپ کو یہاں بلانے کی
تعلیم دی ہے۔ اس لڑکی نے خاموشی
توڑتے ہوئے اسلم کو مخاطب کر کے ہوئے
کہا۔
بیج بی جی کیا بات کرنی ہے آپ نے۔
اسلم نے بہت کچھ جواب دیا۔

آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں
اور رواز نہ آئے یہاں سے جاتے ہوئے
دیکھتی ہوں لیکن بہت بار آواز دینے کے
بجائے اپنے آپ کو کون کون رکھا لیکن کچھ دنوں
سے اتنی بے قرار ہوں کہ بتائیں سکتی مجھے آپ
دل و جان سے اچھے لگتے ہو بہت بار آواز
دینے کے بعد اپنے آپ کو آپ کے سامنے نہیں
لا سکتی کل رات جب آپ دونوں نے فیصلہ کیا
کہ آج یہ جان کر ہی رہنا ہے کہ میں کون ہوں
پھر مجھے بھی حوصلہ ہوا کہ آپ کے سامنے جا کر
بات کر دوں ہوں میرا تعلق انسانوں کی دنیا سے
نہیں ہے۔

دنیا کی نہیں لگتی ہے۔ اسلم نے کچھ سنبھلتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگا ہے۔ شفیق نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر دونوں ہی نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور ثناء زیادہ ہونے کی وجہ سے دونوں صبح ملنے کا وعدہ کر کے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر شفیق اور اسلم کا خوف کے مارے حال ناقابلِ بیاہن تھا شفیق کی بیوی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو شفیق نے ٹال مٹول سے کام لیا اور کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے لگا لیکن اس کے ذہن میں وہ بات ڈیرے ڈالے ہوئے تھی کہ جیسے ایک خواب مولدھر اسلم کے گھر والے اس کے لیٹ آنے کی وجہ سے پہلے ہی اس کے انتظار میں تھے اور اوپر سے اس کی خوفزدہ حالت اور چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر گھر والوں کے ذہین بھی پریشانی نے جگہ بنالی اور وہ سب بھی ڈر سے گئے اور اسلم سے اس کے بارے میں پوچھنے لگے کہ اس کو کیا ہوا ہے وہ ڈرا ہوا کیوں ہے لیکن اسلم نے تھکاوٹ کا بہانہ بنایا اور کافی ادھر ادھر کی باتیں کی تاکہ کسی طریقے سے ان کو ٹال دیا جائے لیکن اس کی ایک نہ چلی اور آخر کار گھر والوں کو تمام داستان سنائی پڑھ گئی جس کو سن کر اس کے گھر والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ اسلم کو کوسنے لگے کہ آخر تم لیٹ کیوں آتے ہو اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو یوں اسلم کے گھر والوں نے ہزاروں باتیں کی لیکن اس کا ذہن مسلسل اسی لڑکی کی طرف اٹکا ہوا تھا اچانک کو ایک خیال آیا تو بولا۔

ابو اس سے چھٹکارے کا کوئی توصل ہوگا ناں۔

بیٹا میں اس کے بارے میں کچھ خاص نہیں کہہ سکتا ہوں اور نہ ہی اتنا جانتا ہوں مجھے کچھ سوچنے دو۔ پھر ان کو کچھ خیال آیا تو وہ بولے بیٹا یاد آیا تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اسلم کے ابو کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے تھے اور اسلم کو بتانے لگے۔ ایک بزرگ ہیں جو دوسرے محلے میں رہتے ہیں وہی ہمیں اس کے سد باب کے بارے میں آگاہ کر سکتے ہیں ابو کی بات سن کر اسلم کا چہرہ بھی خوشی سے کھل اٹھا اور دل میں بے چینی سے پیدا ہونے لگی کہ جتنی جلدی ہو سکے اندر سے ملا جائے۔

ابو آئیں ابھی چلیں ان کے پاس۔ نہیں بیٹا اب تو رات بہت ہو چکی ہے صبح چلیں گے اب تم سکون سے سو جاؤ اور پھر سب اپنے اپنے کمروں میں سوئے کے لیے چلے گئے۔ اسلم کی رات بے چینی سے گزری نہ جوتے ہی شفیق کو کال آئی اور اس کو ساری بات تفصیل سے بتائی اور کہا کہ تم بھی آ جاؤ ابو کے ساتھ جتنے ہیں وہ بھی آ گیا اور یوں وہ تینوں بزرگ کے پاس چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر اسلم نے ساری بات بزرگ کو بتائی بزرگ بہت ہی توجہ سے اس کی کہانی سنتے جا رہے تھے پھر وہ بولے۔

بیٹا میں جانتا ہوں اور میں ابھی اس کا حل آپ کو بتاتا ہوں غور سے میری بات سنو۔ دیکھو یہاں اس کو مردوں کے خون کا ایک نشہ پڑ چکا ہے اور وہ اگر اپنا سب کچھ وہ کسی بھی جوان لڑکے کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہے اس کو اپنا حسین جسم دکھا کر اس کو اپنی طرف مائل کرتی ہے تاکہ انسان اس کے حسن میں کھو کر مدہوش ہو جائے اور پھر وہ اپنی رگوں میں پیاس اس

کرو دے۔ باباجی کی باتیں سن کر ان کے چہروں پر حیرانگی بڑھتی جا رہی تھی کہ باباجی کیا کہہ رہے ہیں لیکن وہ جو بھی کہہ رہے ہیں وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کیونکہ جب وہ دونوں اس کے پاس گئے تھے تو انہوں نے اس کی آنکھوں میں ہوس کے ساتھ شیطانی طلب بھی محسوس کی تھی کہ جیسے وہ ان کو استہمال کرنے کے بعد انکا خون پینا چاہتی ہو۔ وہ بچے نہ تھے سب کچھ سمجھ رہے تھے لیکن پھر وہ بھاگ نکلے۔ باباجی کی تمام باتیں ان کی سمجھ میں آگئی تھیں وہ بابا کی سے اجازت لے کر وہاں سے چلے آئے۔

ابو اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ اسلم نے ابو سے پوچھا۔

یہی میں سوچ رہا ہوں۔ باپ نے جواب دیا۔ ابھی میں جا رہے محفلے والوں سے بات کرتا ہوں اور ان سے اس پر اس کے بارے میں بتاتا ہوں ہو سکتا ہے کہ تمہاری طرح کئی لڑکوں کو وہ دکھائی دی ہو اور ان کے ساتھ اس کے ایسا ہی حال کیا ہو جو وہ تمہارے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ باپ نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا اور پھر اسے ہی گھر پہنچ گئے۔ اور پھر تمام محفلے کے لوگوں کو تمام بات بتادی جس کو سکر وہ سب بھی حیران رہ گئے اور ان میں سے ایک بزرگ بو لے اسلم مینا تم اس لڑکی سے شادی کرلو۔

کیا کیا۔ اسلم نے چونکتے ہوئے کہا۔
ہاں مینا۔ میں سب کو جان گیا ہوں اور اصل آج کل وہ تمہارے خواب دیکھ رہی ہے تمہارا ہی چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا ہے اس کو تمہارے علاوہ کوئی اور دکھائی نہیں دے رہا ہے اور یہ کام تم ہی

کے خون سے بچھائے۔ تمہارے ساتھ بھی وہ ایسا ہی کرنا چاہتی تھی وہ تم کو بھی اپنی طرف مائل کر کے تمہارا خون پینا چاہتی تھی۔ لیکن اب کسی کو اپنی قربانی دینا ہوگی۔ جھوٹی محبت کو ڈھونگ رچانا ہوگا اور اس کو اس بات پر قائل کرنا ہوگا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اسکے ایسا کرنے سے وہ یہاں سے اپنی دنیا میں چلی جائے گی۔ بابا کی باتیں سکر وہ سب بہت حیران ہوئے کہ باباجی نے کیا جواب دیا ہے باباجی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آپ کو پتہ ہے کہ ہم اس پریشانی کی وجہ سے آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ ہمیں کسی طرح کا حل بتا رہے ہیں یہ بات ناممکن ہے بابا کو ان کی باتیں ناگوار گزریں تو وہ ان کو غصہ بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ لیکن پھر بعد میں وہ مسکرا دیے اور بولے۔

مینا میں جو کہہ رہا ہوں وہ بات آپ کی سمجھ سے باہر ہے اور آپ اسے سمجھ نہیں رہے ہیں۔

بابا جی ہمیں ٹھیک طرح سے سمجھا دیں تاکہ ہم اس پریشانی سے نجات حاصل کر سکیں۔ اسلم بھی درمیان میں بول اٹھا۔

مینا تم میری باتوں کو غور سے سنو وہ ایک یگ لڑکی ہے اور اس کے اندر پیار کی بہت تڑپ ہے بلکہ وہ انسان کو اپنے بہم کی پیاس بجھانے کے لیے بلائی ہے اور بعد میں اس کو مددہوشی کے عالم میں مار ڈالتی ہے اس کے جسم کا سارا خون پی جاتی ہے۔ لیکن میں تم کو ایک تعویذ دیتا ہوں تم اس کے پاس جاسکتے ہو لیکن وہ تم کو مار نہ سکے گی بلکہ تم اس پر حاوی ہو جاؤ گے اور اس کو یہاں سے جانے پر مجبور

رہتے ہو۔ ام کو ان کی بائیں سرحدیں ہوئیں
کہ اب اس کی شامت آنے والی ہے وہ
شادی کے چکر میں اسکے خون کی پیاسی بن
جائے گی اور پھر ایک دن دھیرے دھیرے وہ
اس دنیا سے چلا جائے گا۔ لیکن وہ یہ بھی
چاہتا تھا کہ اگر اس نے ہاں نہ کی تو وہ لڑکی تب
بھی اسکو چھوڑے گی نہیں کسی نہ کسی طرح وہ
اس کو اٹھا کر لے جائے گی۔ تب اس نے
ہاں کر دی اور سب لوگ ہی اس کی ہاں سنکر
بہت خوش ہوئے۔

آؤ بیٹا ہم سب تمہارے ساتھ اس مکان
میں جاتے ہیں جہاں وہ رہتی ہے تاکہ اس سے
بات کر سکیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اتنا کہہ کر وہ
سب اسلم کے ساتھ اس مکان کی طرف روانہ
ہو گئے وہ مکان زیادہ دور نہ تھا۔ کچھ ہی دیر میں
وہ اس مکان میں جا پہنچے دروازہ کھلے ہی سے
کھلا ہوا تھا۔ وہ سب اس مکان میں داخل
ہو گئے۔ اندر کا منظر دیکھ کر سب کی آنکھیں کھلیں
کی کھلی رہ گئیں کیونکہ وہ مکان جو باہر سے عام
مکان کی طرح دیکھا جاتا تھا اندر سے وہ
کسی محل سے کم نہ لگ رہا تھا اسلم بھی اور شفیق
بھی یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ جو کل
شام کو انہوں نے دیکھا تھا وہ کچھ بھی نہ تھا اب
سب کچھ بدل گیا تھا وہ بھی ایک ایک چیز کو غور
سے دیکھ رہے تھے گھر کی حالت ہی بدلتی ہوئی
تھی لگتا تھا کہ وہ کسی دوسری دنیا میں آ گئے
ہوں۔ وہ سب لوگ اندر جا کر ایک خوبصورت
کمرے میں جا پہنچے جہاں ہر طرف صوفے
لگے ہوئے تھے وہ سب ان صوفوں پر بیٹھ
گئے۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگے وہ دیکھنا چاہتے
تھے کہ کیا اسلم لوگوں نے جو جو باتیں کی تھیں کیا
وہ سچ تھیں یا پھر دل کا خوف تھا کہ یہاں وہ

لڑی رہتی تھی ہے کہ یا نہیں۔ تبین جلد ہی ان
کی تمام سوچوں پر پانی پھر کر رہ گیا کیونکہ کچھ
ہی دیر میں انکو وہ لڑکی ایک طرف سے چلتی
ہوئی انکی طرف آتی ہوئی دکھائی دی سب ہی
اس کو کو دیکھ کر حیران رہ گئے وہ غضب کی
خوبصورت تھی یوں جیسے وہ انسانوں میں نہ ہو
بلکہ پرستان سے آئی ہوئی ہو۔ کوئی بھی زبان
اس کے حسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکی۔

ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے دنیا بھر کی تمام
خوبصورتی اس لڑکی کے اندر سموئی ہوئی۔ اسکا
رنگ دودھ کی طرح سفید تھا گلابی گال و رخسار
سرخ خوبصورت ہونٹ۔ ایک لمحے کو اسلم کو بھی
جھٹکا سا لگا کہ وہ کل کیا تھا آج کیا بن گئی ہے
لیکن وہ خاموش رہا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی
میں اس لڑکی کی نظریں اسلم پر ٹکی ہوئی تھیں۔
وہ اسے ہی دیکھے جارہی تھی اور لوگ سمجھ گئے
تھے کہ اس لڑکی کو صرف اور صرف اسلم کی
ضرورت ہے اس کے علاوہ وہ کسی کی بھی
خواہش مند نہیں ہے۔ اسلم اس کو دیکھ کر
سہمے جائے جا رہا تھا۔

آگئے ہو میری جان تم۔ وہ مسکراتے
ہوئے بولی اس کے لبوں کی مسکراہٹ بہت ہی
دیدہ زیب تھی۔ اور آواز ایسی تھی جیسے پھول
جڑ رہے ہو۔

ہاں آ گیا ہوں۔ اسلم نے اسے انداز
میں کہا

میں جانتی تھی کہ تم ضرور آؤ گے اور خوش
ہے کہ تم وہ خواہش لے کر آئے ہو جو
میں چاہتی تھی اتنے لوگوں کی موجودگی میں تم
مجھ سے جو کچھ کہنے آئے ہو وہ کہو میں تمہاری
زبانی سننا چاہتی ہوں۔

میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسلم

اور یہ بات لحوں میں ہی عام ہو گئی کہ اسلم کا نکاح ایک ایسی لڑکی سے ہوا ہے جو انسانوں میں نہیں ہے بلکہ پرستان کی دنیا سے ہے۔ انسان کی عقل اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر تھی کہ واقعی آج کے جدید دور میں بھی ایسے واقعات رونما ہو سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہونے والی اس اہل حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا اس سے انکار کرنا اس بات کی توہین تھی جو اسلم کے ساتھ ہوا تھا۔ شادی کی پہلی رات اسلم جیسے ہی روم میں گیا تو روم کے اندر سے آنے والی مہک نے اسلم کا دل موہ لیا۔ اسلم پر ایک عجیب سا نشہ اور سرور چھانٹ لگا۔ لیکن پھر جیسے ہی اس لڑکی پر ان کی نظر پڑی تو وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بھا کیونکہ وہ جس حسن کا شکار ہو کر اسکی طرف مائل ہوا تھا وہ حسن بہت بھکا دکھائی دیا تھا آج تو وہ ایسے دکھائی دے رہی تھی جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ اس کے جسم سے اچھے والی مہک دنیا کے تمام خوشبوؤں سے بہتر الم معطر کر دینے والی تھی وہ اپنی قسمت پر رشک کرتے لگا تھا اور وہ رشک کرتا بھی کیسے نہ چاند اس کے لیے زمین پر اتر آیا تھا۔ وہ اس کے پاس جا بیٹھا۔

آپ نے مجھے دنیا جہاں کی تمام خوشیاں دے دی ہیں جس کے لیے میں آپ کا کھجنا شکر یہ ادا کروں کم ہے آپ کا یہ احسان بھی نہیں بھول سکتی ہوں میں آپ کی دنیا میں اس لیے آئی تھی کہ دیکھ سکوں کہ انسانوں کی دنیا میں واقعی انسانیت موجود ہے یا نہیں لیکن اسلم آج انسانوں کی دنیا میں تم کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں اسکی باتیں اسلم کے دل میں اترتی جا رہی

نے ایدم سے کہہ دیا۔ وہ لڑکی مسکرا دی۔ اور مسکراتی رہی جیسے اس کی خوشی کی انتہا نہ ہو۔ واقعی اسلم نے اسے بے یقینی سے کہا۔

ہاں واقعی۔ اور اس بات کے گواہ یہ سب لوگ ہیں اسلم نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔ لڑکی نے اپنا خوبصورت ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا جسے اسلم نے تھام لیا۔ اسکا مطلب ہے کہ تم مجھ سے شادی کرنے پر رضامند ہو۔ ہاں۔ میں یہی تو چاہتی ہوں کہ تم سے میری شادی ہو بس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہتی ہوں جو تمہارے دل میں اس کے آگے کا خوف ہے اس کو ختم کر دو میں جانتی ہوں کہ تمہارے اندر بہت خوف ہے کہ میں تم سے شادی کے بعد تمہارا خون پیوں گی ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تم مجھے دل سے پسند آئے ہو اور جو چیز مجھے دل سے پسند ہو میں کا خون نہیں پیتی ہوں بلکہ اس سے چارہ کرتی ہوں اور انتہائی حد تک کرتی ہوں۔ لوگ اس کا ہاتھیں غلہ حیران ہو رہے تھے کہ وہ کسی سے بھی کچھ نہیں رہی تھی اور نہ ہی کسی بات کرنے سے وہ شرمایا کرتی تھی بلکہ وہ ایسے اسلم سے باتیں کر رہی تھی کہ جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتی ہو۔ اسے پہچانتی ہو۔

اسلم کو بھی آج سے اس سے پیار ہو گیا تھا اس کے دل میں اس کے لیے جگہ بن گئی تھی کیونکہ جو اس نے اسکے بارے میں سوچا تھا آج اس لڑکی نے اس کی باتوں کی نفی کر دی تھی کہ وہ اس کا خون نہیں کرنا چاہتی ہے بلکہ وہ اس سے پیار کرتی ہے اور پیار میں سب کچھ کر سکتی ہے۔ تمام لوگوں نے ان دونوں کا نکاح کر دیا

جسم سے اٹھ رہی تھیں۔
 قارئین کرام اگر اسلم اس سے شادی نہ
 کرتا بلکہ کچھ غلط کام کر دیتا تو شاید وہ اس دنیا
 میں نہ ہوتا دوسرے لوگوں کی طرح اس کی
 لاش بھی کسی جگہ خون میں لت پت پڑی ہوئی
 دکھائی دیتی لیکن اس نے غلط نہ کر کے اس لڑکی
 کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ
 جاتے جاتے وہ سب کچھ اس کو دے گئی تھی کہ
 پوری زندگی وہ عیش سے زندگی گزار سکتا تھا۔
 اور اسلم کو یہ سب ایک خواب دکھائی دیتا ہے وہ
 آج بھی سوچتا ہے کہ کیا واقعی کوئی پری اس کی
 زندگی میں آئی تھی لیکن اس کی دی ہوئی دولت
 دیکھ کر اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہاں وہ اس کی
 زندگی میں آئی تھی اور اس کو یہ سب کچھ دے کر
 گئی ہے۔
 قارئین کرام کیسی گلی میری کہانی اپنی
 رائے سے مجھے ضرور نوازے گا مجھے آپ کی
 رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

غزل

زندگی میں تو میں پیار کیا کرتے ہیں
 میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا
 تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے مجھ کو
 یہ میری عمر محبت کے لئے تھوڑی ہے
 اک ذرا سا غم دوراں کا بھی حق ہے جس پر
 میں نے وہ سانس بھی تیرے لئے رکھ پھوڑی ہے
 تجھ پہ ہو جاؤں گا قربان تجھے چاہوں گا۔
 میں تو مر کر بھی میری جان
 نامعلوم

تھیں۔ میں آپ کو بھی بھول نہیں پاؤں گی
 میں آپ کو اس احسان کے بدلے میں اتنا کچھ
 دے جاؤں گی کہ آپ زندگی بھر بھی
 پریشان نہ ہوں گے ایک لمحے کے لیے بھی
 نہیں۔ آج میں پوری رات آپ کی ہوں صبح
 میں واپس چلی جاؤں گی کیونکہ جس مقصد کے
 لیے میں آئی تھی وہ آج پورا ہو گیا تھا میں کسی
 انسان سے شادی کی خواہش لے کر آئی تھی
 اور وہ خواہش میری پوری ہو گئی ہے۔ میں نے
 تمہیں بہت قریب سے آزمایا ہے کہ تمکو میرے
 جسم کی خواہش نہیں تھی اگر تمکو میرے جسم کی
 خواہش ہوتی تو اس روز جب تم میرے گھر
 میں آئے تھے تو اس روز میرے حسن میں کھو کر
 کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن تم نے ایسا کچھ بھی
 نہیں کیا بلکہ میرے کہنے کے باوجود بھی تم لوگ
 بھاگ گھر پے ہوئے تھے مجھے تمہاری وہ ادا
 دل کو بھاگتی تھی میں تم اس حرکت سے دوپٹہ
 ہوئی تھی بلکہ تمہارے اور قریب ہو گئی تھی
 انسانوں سے میری محبت بڑھ گئی تھی تم لا جواب
 انسان ہو۔ واقعی سچی محبت کے قابل ہو۔ اسلم
 اس کی باتیں غموں سے سنتا رہا اس کو یقین
 نہیں آ رہا تھا کہ ایک حسینہ اس کے پیار میں
 پاگل ہو گئی تھی لیکن اس کو دکھ بھی ہو رہا تھا کہ صبح
 وہ اس کو نہیں بھی دکھائی نہیں دے گی وہ چلی
 جائے گی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کو چھوڑ کر
 اس کو تو اس سے محبت ہو گئی تھی اور وہ چاہتا تھا
 کہ وہ اب ہمیشہ اس کے پاس ہی رہے لیکن
 شاید اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی کیونکہ صبح
 جب ہوئی تو سب کچھ وہاں موجود تھا لیکن وہ نہ
 تھی وہ جا چکی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کو
 چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اس نے ایک سرد آہ بھری
 اور ان خوشبوؤں کو محسوس کرنے لگا جو اس کے

پراسرار مورتی

--- تحریر: قیصر جمیل پروانہ۔ ماموں کا بچن

پروفیسر سعید نے مجھے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور وہ کسی بھی طرح اپنے ہونٹ میری ہونٹوں پر رکھ کر کچھ میرے جسم میں داخل کرنا چاہتے تھے اور میں کسی بھی طرح ان کو ایسے کرنا نہیں دے رہی تھی میری تمام ہمتیں جواب دے چکی تھیں پھر میں ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہو گئی اور اپنی ہی جھونک میں پیچھے کی طرف رکھے میز پر پشت کے بل جا گری میرے جسم سے ٹکرا کر میز پر رکھی ہوئی مورتی نیچے زمین پر جا گری پروفیسر سعید جونہایت خونخوار انداز میں میری جانب بڑھ رہے تھے یکدم رک گئے ان کے چہرے پر شدید کرب کے آثار موجود تھے میری نظر ان کے پاؤں پر جا پڑی جسے وہ ہلکے ہلکے جھٹکے سے ریت تھے اور اگلے ہی لمحے میں نے ایک غیر یقینی منظر دیکھا ان کے پاؤں ایک جسم سے الگ ہو کر نیچے جا گرا تھا بالکل ایسے جیسے وہ انکے وجود کا حصہ ہی ہو پھر موسم کی طرح پھسل کر ایک ملفوے کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ گیا تھا کہ میں نے بہت برا کیا بہت ہی برا کیا پروفیسر لڑا کھڑا گئے ہوئے میری طرف بڑھے لیکن اب ان کا دوسرا پاؤں بھی ان کے جسم سے الگ ہو چکا تھا اور وہ بھی کھڑکے کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ بن پاؤں کے پروفیسر کے لیے اپنے وجود کو توازن میں رکھنا ناممکن ہو گیا تھا انتہائی بلند آواز کے ساتھ وہ زمین بوس ہو گئے ان کے حلق سے کرب چھین بلند ہو رہی تھیں یوں جیسے کئی بدروحیں بین کر رہی ہوں ان کا وجود چٹ رہا تھا یوں جیسے کالج کا بنا ہوا ان کا بے حد قریب وہ منحوس مورتی پر تھی عجیب اسرار تھا مورتی کے وجود سے ایک پاؤں غائب تھا ان کی جگہ زمین پر کالے رنگ کا سیال پڑا تھا اپنی کال ایک جوتا لگے ہو چکا تھا اور پورے وجود پر دریا میں پڑ رہی تھیں میں اپنی دگرگوں حالت بھول کر ابھی مورتی کو اور کبھی پروفیسر سعید کو دیکھے جا رہی تھی مورتی کا سارا وجود یوں جنبش کر رہا تھا جیسے نواز انیدوئے ہائے ہائے چلا تے ہیں لیکن اس کے حلق سے بھی وہی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں جیسی پروفیسر کے حلق سے آہستہ آہستہ پروفیسر کا جسم اگلے سڑے گوست اور خون کے ملفوے کی شکل اختیار کر رہا تھا اور مورتی کا وجود گاڑے سیاہ سیال کی صورت اختیار کر گیا تھا وہی دیر بعد وہاں چھ نہیں تھا محض ایک گاڑھا ملفوے تھا جو قاتل پر بکھرا ہوا تھا میں نے ایک نظر بے ہوش پڑی مارتہ پر ڈان اور تیزی سے اسٹڈی روم سے نکل کر کوریدرو سے ہوتی ہوئی مین روڈ پر آگئی زمین کسی طور پر یہ سب تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ جو کچھ آنکھیں دیکھ چکی تھیں مہبل کی بدروح نے پروفیسر صاحب کے وجود پر قبضہ جما کر اپنے ناپائاد ادوں کی تکمیل چاہی تھی وہ اپنی اس کوشش کو ناکام رہی لیکن اس نے پروفیسر سے اپنی آزادی کا خراج ضرور وصول کر لیا تھا بے چارے پروفیسر سعید ایک بدروح کا نشانہ بن گئے تھے۔ ایک سنسنی خیز اور دلچسپ کہانی۔

ہوئے اور جب وہ کاجل لگاتی تھی تو یوں لگتا تھا
اس نیلاؤں سمندر جیسی بے پایاں گہرائی لیے
سمندر پر گہرے بادل سایہ فلن ہو گئے ہوں پری



اور اس کی ملاقات بھی بڑے عجیب حالات میں ہوئی تھی کانچ کی سیرھیوں سے اترتے ہوئے میرا اس سے ٹکراؤ ہوا تھا اور ہم دونوں کے ہاتھوں سے کتابیں نکل کر دور جا گری تھیں چند لمحے ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر نجانے کس حال کے تحت اسکے لبوں پر غنیمت چمکی اٹھنے ہی پہل میں وہ مسکرا دی۔

مجھے سارہ کہتے ہیں اور آپکو۔ اس کی آواز بھی اس کی طرح خوبصورت تھی

انعم۔ میں نے صرف نام بتانے پر اکتفا کیا۔

آپ کس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔

میں بیاسے فائنل کی سٹوڈنٹ ہوں۔

اور آپ

میں یہاں پڑھتی نہیں بلکہ کسی کام سے آئی ہوں آئی ایم میریڈ۔

واؤ۔ مجھے حقیقتاً اس جیسی نازک کم عمر کی

کے پیرئیڈ ہونے پر حیرت ہوئی تھی۔

مجھے بے بسیڈنواب سعید آکر کیا لوجسٹ ہیں

اور یہاں لکڑیا لوسٹ کی ایک کلاس لیتے ہیں۔

آپ پروفیسر سعید کی مسز ہیں۔ تعجب سے

زیادہ میرے لہجے میں انہوں کی آمیزش نے اسے

مسکرائے پر مجبور کر دیا۔ حقیقت تھی پروفیسر سعید

بچپن کے پہلے ہوں گے سر کے بال کچھڑی نما

آنکھوں پر مونے عدسوں کی عینک انتہائی گہرا

سانوالا رنگ بڑی بڑی آنکھیں جن میں ہمہ وقت

ایک پراسرار سی چمک رہتی تھی ان کا اور سارہ کا

کوئی جوڑ نہیں تھا بہر حال دنیا میں بہت سے بے

جوڑ جوڑے دیکھنے میں آتے ہیں اس جوڑے کا

شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔ لیکن حیرت انگیز بات جو

میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ سارہ کے لہجے میں کسی

قسم کا تاسف مایوسی یاد گیر خفگی نہیں تھی یوں لگتا تھا

کہ جیسے وہ اپنی موجودہ زندگی سے اور شریک سفر

سے مکمل طور پر مطمئن اور آسودہ اور خوش ہے۔

او کے انعم۔ ابھی تو میں کچھ جلدی میں ہوں

نیکسٹ ٹائم جب بھی آئی انشاء اللہ تمہارے ساتھ

طویل گفتگو ہوگی۔ سارہ نے الوداعی مصافحہ کے

لیے میری طرف اپنا خوبصورت ہاتھ بڑھایا۔

او کے۔ میں نے کہا تو وہ تیزی سے

سیرھیاں اتری اور نیچے پڑی ہوئی کتابیں اٹھا کر

آکر کیا لوجی ڈیپارٹمنٹ کی سمت چل پڑیا اور میں اس

کی پشت پر دراز زلفوں کی بل کھائی ہوئی ناگن کو

دیکھتی رہی چند ثانیے وہیں کھڑے رہنے کے بعد

میں نے بھی اپنی کتابیں اٹھا کر اپنی کلاس کا رخ

کیا۔ لیکن سارہ جیسے صبر سے زہن پر نقش ہو کر رہ گئی

تھی وہ سرتاپا حسن و زینت کا ایک ایسا شاہکار تھی کہ

جو ایک بار اسے دیکھ لیتا وہ جیسا اسے بآسانی بھلا

نہیں سکتا ہوگا۔

اگلی بار سارہ مجھے لاہری میں ٹی چند مونٹی

مونٹی کتابیں اپنے ارد گرد ڈھیر کئے وہ ہوئے وہ

جینزی سے جانے کیا لکھ رہی تھی ایک لمحے کو لو

میں نے سوچا کہ اسے ڈسٹرب نہ کروں لیکن

دوسرے ہی لمحے غیر ارادی طور پر میرے قدم اسکی

سمت بڑھنے لگے اس کے قریب جا کر میں نے ہکا

سے ٹھیل پر ناک کیا تو اس نے اپنی مصروفیت کے

عالم پر سر اٹھا کر میری جانب دیکھا اس کی آنکھوں

میں شناسائی کی چمک لہرائی۔

او ہو بیلو۔

بیلو۔ کیا حال ہے۔ میں نے تکلفی سے کہتے

ہوئے اس کی قریبی نشست سنبھال لی۔

ٹھیک ہوں اور انتہائی مصروف بھی۔ وہ

دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

تم کہاں گم تھی میں مسلسل تین روز سے آرہی

ہوں اور آج تم سے ملاقات ہو رہی ہے

میں پچھلے دو دن سے کانٹا نہیں آئی ہوں لیکن

تم کیا کر رہی ہو۔ میں نے اس کے گرد کتابوں کے ڈھیر اور کاغذوں کے پلندوں کی طرف اشارہ کیا۔

سعید آجکل ایک اسائنمنٹ پر کام کر رہے ہیں میں بالکل فارغ تھی سو اپنی خدمات پیش کر دیں انہیں بالکل فارغ بھی انہیں وادی کی تلاش کی پرانی تہذیب سے وابستہ ایک انتہائی خوبصورت مورثی ملی ہے وہ کہتے ہیں ایک طویل عرصہ کی تلاش بیسار کے بعد انہیں ایک نادر نمونہ ملا ہے سو اب وہ اس مورثی کے دور کی ہسٹری جاننے کی ٹیگ دو رہے ہیں مجھے سائرہ کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی

کیا تم مجھے اس مورثی کی تفصیلات بتاؤ گی۔ میں نے سوال کر دیا۔

ہاں کیوں نہیں۔ اس نے ٹیبل پر دھرا ہوا اپنا جینڈ بگ اٹھایا اور اس میں سے ایک لفافہ نکال کر میری سمت بچھلایا اس میں اس مورثی کی ریسنٹ تصاویر ہیں انہیں دیکھ کر تم خود فیصلہ کرو کہ یہ کس قدر دلچسپ اور توجہ طلب کام ہے۔ میں نے لفافے میں سے تصاویر نکالیں ایک تصویر کے پیچھے اس مورثی کی بابت تفصیل کی نشاندہی کرتی تھی۔

یہ آج مجھے تقریباً دو سال پرانی تہذیب کی نشاندہی کرتی تھی جب وادی کی تلاش ایک سنسان وادی تھی جہاں بسنے والے انسان وادی سے بالکل کٹے ہوئے تھے زمانہ جاہلیت کی طرف جہاں بہت سی طاقتور چیزوں کو دیوتا مکران کی پوجا کرنے کا رواج تھا یہ مورثی ایک عورت کی تھی ایک انتہائی خوبصورت عورت اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا لیکن آنکھیں انتہائی جاندار تھیں اس کی تصویر دیکھ کر ذہن میں بہت عجیب قسم کے خیالات جاگتے تھے میں نے تصویریں سائرہ کے حوالے کر دیں۔

بہت خوبصورت مورثی ہے لیکن سائرہ کیا تمہیں اس میں کچھ عجیب نہیں لگا کچھ ایسا جو غیر معمولی ہو سوچ سے ہٹ کر اس کی آنکھیں تصویر میں تو زیادہ نمایاں نہیں لگ رہی تھیں۔ اگر تم اور جیکل مورثی دیکھ لو تو اس کی آنکھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاؤ اس قدر جاندار اور بولتی ہوئی آنکھیں ہیں۔

میں بھی بس کبھی کہنا چاہتی تھی آج کل یہ مورثی کس کی تحویل میں ہے۔

سعد کے اسڈی روم میں ہے وہ اس پر تحقیقات کر رہے ہیں مجھے بتا رہے تھے کہ اس مورثی سے متعلق بہت سے انکشافات انتہائی سنسنی خیز ہوں گے ان کے خیال میں یہ مورثی محض تصوراتی نہیں ہے بلکہ یہ حقیقی عورت کو پتھر پر نقش کیا گیا ہے خیر ابھی تو تحقیق جاری ہے۔

سائرہ تمہاری باتیں سن کر مجھے اس سارے معاملے میں بہت دلچسپی ہو رہی ہے امید ہے کہ تم مجھے بھی اپنی اس تحقیق کے بارے میں بتاؤ گی۔

میری بات کے جواب میں سائرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور کتابیں اور کاغذات کا پلندہ مسمنے لگی یہ میری سائرہ سے دوسری ملاقات تھی لیکن ہم دونوں ہی طبعاً بے تکلف واقعی ہوئی تھی مجھے نہیں لگتا تھا کہ ہم محض دو دو ملیں ہیں۔

اگلا دن سائرہ مستقل میری آتی رہی لیکن میری محض اس سے یہی ملاقات رہی کیونکہ وہ بھی انتہائی مصروف تھی اور ہمارے بھی سینڈ ٹرم ایگزامز ہو رہے تھے کسی ہی مصروفیت تھی لیکن ذہن کے کسی گوشے میں مجس کا مادہ متحرک تھا اس مورثی کے متعلق مزید جاننے کا مجس کچھ سائرہ کے بتانے کا انداز ایسا تھا کہ خواہ خواہ ہی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

مے آئی کم ان سر میں آ کر لوجی ڈیپارٹمنٹ

کے آفس کے دروازے پر کھڑی تھی۔

لیس کم ان پروفیسر سعید رنا کی بھاری آواز سنائی دیتے ہی میں آفس کے اندر داخل ہوئی اور آفس کیا تھا غائبات کی دنیا آباد تھی وہ تمام تہذیبیں جو ہم سے کئی کئی سال پہلے دم توڑ چکی تھیں پروفیسر سعید کے آفس میں موجود تھیں۔ سر کیا آپ مجھے کچھ وقت دیں گے۔

آپ۔۔۔۔۔

سر میرا نام انعم ہے بی اے فائنل کی اسٹوڈنٹ ہوں چند دن قبل آپ کی منزل سے ملاقات ہوئی تھی انہوں نے مجھے ایک انتہائی دلچسپ اسائنمنٹ کے بارے میں بتایا گو کہ یہ میری فیلڈ سے متعلق نہیں تھی لیکن اس میں کچھ ایسی وضاحت طلب باتیں تھیں جن سے میری توجہ اور دلچسپی بڑھ گئی ایک بجس نے بے چین کر رکھا ہے۔

آپ کون سی اسائنمنٹ کی بات کر رہی ہیں۔ بے حد مومنہ عدسوں کی بینک کے پیچھے سے ان کی پر اسرار چھپکلی حامل آنکھیں مجھ پر ٹیک ہوئی تھیں۔ سر وادی کی تلاش سے ملنے والی اس مورتنی کی اسائنمنٹ جس پر آپ تحقیقات کر رہے ہیں۔

اوہ تو سائرہ نے آپ کو اس کے بارے میں بتا دیا ہے دراصل ابھی میں اس تحقیق کو خفیہ راز میں رکھنا چاہتا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحقیقات کے سلسلے میں سائرہ میری بہت راست بہت ہوئی ہیں کیا آپ ان کی دوست ہیں۔

نہیں سر کچھ عرصہ تک تو ہم دونوں ایک دوسرے سے بالکل ناواقف تھیں اتفاقاً ملاقات ہوئی تو وہ اس اسائنمنٹ پر کام کر رہی تھیں میرے پوچھنے پر انہوں نے سرسری سا بتایا اور جب میں نے دلچسپی ظاہر کی تو انہوں نے بتایا کہ جب ہی تحقیقات مکمل ہوئی وہ مجھے اس کی تفصیل سے ضرور

آگاہ کریں گے میں نے تفصیلی بات بتائی۔

یہ اسائنمنٹ میرے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے بہت سا کام تو مکمل ہو چکا ہے چند نقطے ایسے ہیں جو قابل تجزیہ ہیں بہت جلدی یہ عقد سے بھی کھل جائیں گے میں سائرہ سے کہہ دوں گا کہ وہ آپ سے رابطہ کرے آپ نمبر نوٹ کروادیں۔

پروفیسر سعید اپنی ظاہر شخصیت کے بالکل متضاد ثابت ہوئے تھے ظاہری طور پر دیکھنے والا بڑا اہم نہیں مغرور بہ دماغ اور خطی قسم کا انسان سمجھ سکتا تھا لیکن درحقیقت وہ انتہائی ملنسار اور عظیم الطبع انسان تھے میں اپنا فون نمبر نوٹ کروا کے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آفس سے نکل آئی۔

درحقیقت میری طبیعت میں بجس کا مادہ کچھ زیادہ ہے پھر ہسٹری سے میرے لگاؤ کو میرے حلقے کے تمام لوگو بہت اچھی طرح جانتے ہیں سو اس مورتنی کے متعلق اصل حقیقت قسم کے انسان تھے اس لیے بھی مجھے توقع تھی کہ میں بہت کمائی کے ساتھ وہ معلومات حاصل کر لوں گی جو باقی ہوں اگلے چند دن تک میں سائرہ کی کالج آمد کی شدت سے منتظر رہی لیکن نہ وہ کالج آئی اور نہ ہی اس نے کسی قسم کا رابطہ کیا میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شاید وہ بھول بی گئی ہو ہماری کلاس شروع ہو چکی تھیں جب ایڈمٹ اچانک گھر پر سائرہ کا فون آ گیا۔

اس نے مجھے بتایا۔ پروفیسر سعید اس مورتنی کی اصل حقیقت جاننے میں کامیاب ہو گئے ہیں میں نہ صرف یہ بلکہ وہ اس کے بارے میں چند ایسے نکات سے بھی روشناس ہوئے ہیں حقیقتاً ایسے انکشافات تجب انکیز ثابت ہوئے ہیں پروفیسر صاحب نے کہا ہے کہ اتوار یا پیر کی شام کو وہ اس مورتنی سے متعلق تمام شواہد بے نقاب کریں گے لیکن فی الحال یہ تمام معلومات ہم تینوں کے

درمیان رہیں گی میں نے اتوار کی شام ساڑھ کے گھر جانے کا پروگرام بنالیا۔ ایک مجلس اور سنی کی سی کیفیت طاری ہوئی تھی میں یہ تو نہیں جانتی تھی کہ وہ انکشافات اس نوعیت کے ہوں گے لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ بنائی دلچسپی کے حامل ہوں گے۔

آج صبح ہی سے موسم کچھ ابر آلود تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی شام کے دھند لگے پھیلنے لگے اور سورج کی تمازت دم توڑ رہی تھی جس وقت میں پروفیسر سعید رانا کے بنگلے کے گیت پر کھڑی تھی انٹرکام سے کسی عورت کے بولنے کی آواز آئی جو یقیناً ملازمہ ہوگی میں نے اپنا تعارف کروایا چند لمحوں کے توقف کے بعد گیٹ میکانیکی انداز میں کھل گیا ٹیسٹ کے چاروں اطراف کوئی موجود نہیں تھا میں حیرت زدہ رہ گئی اس قدر جدید سسٹم یقیناً پوری کوٹھی میں ہی الیکٹریک سسٹم رکھا گیا ہوگا گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے میں نے چاروں طرف نظر ڈورائی لیکن کوئی ذی روح نظر نہیں آیا پورچ سے ملحقہ تین چار میٹھیوں چڑھتے ہوئے میں نے سامنے دیکھا پوری کوٹھی کا سامنے کا حصہ نظر آرہا تھا لیکن سوائے ایک دروازے کے اندر اور باہر جانے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا میں اسی دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی میرے قریب پہنچنے پر وہ دروازہ بھی خود بخود واہ ہو گیا پر ایک غیر فطری سناٹا تسلط جمائے ہوئے تھا پوری کوٹھی ہی اسرار میں ڈوبی ہوئی محسوس ہو رہی تھی میں نے دروازے کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ دائیں طرف سے آواز آئی ویکلم تو آور ہوم میں نے آواز کے تعاقب میں نظریں دورائیں دائیں طرف ایک کھلے دروازے کے بیچ بیچ ساڑھ اور پروفیسر سعید رانا کھڑے تھے میں خود ایک وسیع وعریض لاؤنج میں کھڑی تھی۔

آئیے مس انعم۔ اندر تشریف لائیے۔ پروفیسر صاحب کے اندر کمرے کے جاتے ہوئے بولے جبکہ ساتھ اس تمام درمیانی عرصہ میں خاموش کھڑی رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں حلقوں کے بھنور میں ڈوبی ہوئی تھیں شاداب چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں اور چال ڈھال میں ایک عجیب طرح کی سستی اور مردنی تھی میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ وہ پروفیسر صاحب کی قربت اور موجودگی سے خوفزدہ نظر آ رہی تھی اور اس وقت جو وہ یہاں ہمارا ساتھ دے رہی تھی تو بحالت مجبوری۔

ساڑھ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں میں نے اتنی سی انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ آں۔۔۔ ہاں ہاں میں ٹھیک ہوں۔

وہ جیسے گڑبڑ کر رہی تھی ساتھ ہی اس کی خوفزدہ نظریں پروفیسر کی سمت اٹھ گئیں جو اپنی مونے مونے عدسوں کی عینک کے عقب میں سے اسے عجیب انداز میں گھور رہے تھے یا شاید مجھے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا خیر میں نے اپنی توجہ ان دونوں کی طرف سے ہٹا کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا وہ بالکل ہالی کمرہ جیسے سنڈی روم کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ دیوار گیر الماریاں کتھانوں سے بھری پڑی تھیں کمرے کے ایک جانب خوبصورت صوفہ سینٹ رکھا ہوا تھا جبکہ ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل تھی ایک دیوار کے ساتھ اندر بہت بڑی الماری بنائی گئی تھی جو دنیا بھر کے خوبصورت نوادرت اور قدیم تہذیبوں کے نمائندوں سے بھری ہوئی تھی اس قدر خوبصورت اور ڈیکوریٹ سنڈی روم اس سے پہلے میری نظروں سے نہیں گزرا تھا اسنڈی روم کے وسط میں ٹیبل پر وہی مورتی موجود تھی ہم دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود ٹیبل کے عقبی جانب

دھرے کا دج کی طرف بڑھ گئے میں اور سارہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

مس انعم اس مورتی کے بارے میں کسی بھی قسم کی تفصیل بنانے سے پہلے میں چند باتیں ذہن نشین کروادوں پہلی بات یہ کہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کمرے سے باہر نہیں جائے گی دوسری بات یہ کہ کسی بھی قسم کا سوال پوچھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیا۔ کیوں۔ اور کیسے۔

سب دھیرے دھیرے خود بخود واضح ہوتے چلے جائیں گے سو قبل از وقت کسی تفصیل کو جاننے کی کوشش فضول ہے مجھے یقین ہے کہ آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں عینک کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی پرستارہ نظروں نے مجھے اپنے احاطہ بصارت میں لے رکھا تھا مجھے اپنے سارے وجود میں جھرجھری سی محسوس ہوئی۔

یس سر میں سمجھ چکی ہوں۔
او کے اب ہم اپنا اسائنمنٹ کی طرف آتے ہیں پروفیسر نے آگے بڑھ کر مورتی ہاتھ میں اٹھالی اس مورتی کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھیں اور بتائیں کہ اسی میں ایسی کیا خاص بات ہے جو عام جسموں میں نہیں ہوتی پروفیسر سعید نے مورتی میرے ہاتھ میں لے دی برف کی طرح سرف مورتی کو چھوتے ہی میرے ہاتھ کچھ نم سے ہو گئے دل کو پتہ نہیں کیا ہوا عجیب بے ہنگم انداز میں دھڑکنے لگا بغیر جائزہ لے کر تقابلیں میں نے مورتی کو بہت غور سے دیکھا اور پھر سرور کی ایک تیز لہر ریزہ کی ہڈی کو سنسناتی ہوئی دماغ کو گھمن جھانکتی مورتی کے جسم پر جا بجا جوڑ تھے جیسے انسانی جسم میں جوڑ ہوتے ہیں اور ہر جوڑ کو کسی سرخ چیز کی مدد سے جوڑا گیا تھا۔ میلا ہٹ آمیز سفید رنگ کی مورتی میں جا بجا سرخ لکیریں بہت عجیب لگ رہی تھیں

سر اس مورتی کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انسان کے وجود کو جادوئی طریقے سے چھوٹا کر کے حنوط کر دیا گیا ہو اسکے باوجود میں تمام جوڑ موجود ہیں لیکن یہ دیکھنے عام سے نظر آنے کے باوجود اس قدم عام نہیں ہیں۔

بالکل مس انعم یہ عام مورتی نہیں ہے اور جو بات آپ نے نوٹ کی ہے وہی میں آپکو بتانا چاہتا ہوں اگر غور سے دیکھیں تو آپکو پتہ چلے گا کہ اس مورتی کے تمام جوڑوں کو ایک دوسرے سے متصل کرنے کے لیے انسانی خون کا استعمال کیا گیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ تمام جسم محسوس اور متاح ہے سے کندھا ہوا ہے جبکہ مورتی کے سر پر انسانی شکل سے لگائی جائے تو واضح طور پر محسوس ہوگا کہ سر کا کاسکندر سے بالکل خالی ہے تو واضح طور پر محسوس ہوگا ہے بال ٹیپ نوعیت کا ظاہر کر رہی تھیں یہ ممکن تھا کہ اس مورتی کو کسی قسم کے کالے علم کے لیے استعمال کیا گیا ہے پہلے وقتوں میں جادو کو بہت مستند سمجھا جاتا تھا۔

سر کیا اسے کسی قسم کے عمل میں استعمال کیا گیا ہوگا پروفیسر سعید کی آنکھوں میں میرے اس سوال کے جواب میں جو چمک ابھری تھی وہ تائیدی تھی۔ جی ہاں بالکل وادی کیلشاپ اپنے علوم کے باعث بہت نمایاں حیثیت رکھتی تھی یہاں زمانہ جاہلیت کے طرز زندگی کے دوران بھی چند بھگت ایسے موجود رہتے تھے جو وادی کے بے علم لوگوں کی مشکلات و تکالیف دور کرنے کے علوم سے بہرہ ور ہوئے تھے بعض اوقات اس وادی کے سکون اور ماحول میں باہر کا کوئی شخص بھی پلچل پیدا دیتا ہے لیکن ان لوگوں کے طرز زندگی سے ایک بات تو ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنی وادی میں بھی اجنبی وجود کو کم ہی برداشت کرتے ہوں گے پروفیسر سعید نہایت جامع انداز میں کیلاش کی قدیم تہذیب کے

بارے میں بتا رہے تھے

سر اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگ آرٹ سے بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے جس قدر خوبصورتی سے یہ مورتی بنائی گئی ہے اور جس قدر تاثر انگیز اور جاندار اس کی آنکھیں بنائی گئی ہیں وہ قابل تعریف ہے میں پروفیسر سعید سے بظاہر گفتگو میں مصروف تھی لیکن سائرہ کی مستقل خاموشی مجھے بری طرح کھٹک رہی تھی وہ معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا مسئلہ تھا لیکن یہ بھی تھا کہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو اسے بری طرح بری طرح پریشان کئے جا رہی تھی چند باتوں کے بعد میں نے رخصت بچائی تو واضح طور پر محسوس کیا کہ جیسے سائرہ نے اطمینان کا گہرا سانس لیا ہو اس کے چہرے پر عجیب طرح کا سکون پھیلتا دیکھ کر میں قدرے الجھن کا شکار ہو گئی تھی کیا اس پریشانی کی وجہ میری آمد تھی میری اپنے گھر موجودگی سے وہ نروس اور پریشان تھی مجھے قدرے الجھوس ہوا کہ میں بلا وجہ اس کے لیے پریشانی کا باعث بنی میں نے دل میں سوچا کہ کل نہیں آؤں گی۔

مس انعم۔ آپ کل ضرور تشریف لائیں گے۔ پروفیسر کی گہری پراسرار نظریں شاید میرے چہرے کے تاثرات بھانپ گئی تھیں۔

نہیک سے میرا اجازت چاہوں گی میں رانا ہاؤس سے نکلی تھی ایک عجیب شش و پنج میں مبتلا تھی پروفیسر کی پراسرار نگاہوں میں لپٹی ہوئی شخصیت اور سائرہ کا نہ مجھ میں آنے والا اور یہ دونوں ہی میرے لیے معمہ بنے ہوئے تھے بظاہر ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی لیکن کچھ تھا جو پس پردہ تھا اور جب بھی سامنے آتا تھا تہلکہ خیز ثابت ہونا بتا رہی تھی ادھیڑ بن میں میں گھر آگئی شام کے سائے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے آخری تاریخوں کا اداسی زرد چاند ماحول کو ایک عجیب سی

سوگواریت عطا کر رہا تھا میں کمرے سے باہر نیرس پر کھڑی ارد گرد کے ماحول سے اور ٹھنڈی نم آلود ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی کمرے میں موجود ٹیلی فون کی بیل بجی اس وقت میں نے کلائی پر بندھی گھری پر نظر دوڑائی رات کے گیارہ بج رہے تھے اس وقت کون ہو سکتا ہے میں خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی جانب لپکی اتنی دیر میں فون کی بیل چار بار بج کر خاموش ہو چکی تھی میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید دوبارہ رنگ کیا جائے لیکن ایسا نہیں ہوا میں بھی سر جھٹک کر اپنے بستر کی جانب بڑھ گئی رات کے شاید دو بجے ہوں گے جب ایک بار پھر بیل بج اٹھی میں نے نیم غنودگی کے عالم میں ریور اٹھا کر کان سے لگایا۔

ہیلو۔ دوسری طرف سکوت تھا۔ ہی۔ ہیلو۔ عجیب گڑگڑاہٹ آمیز آواز کانوں سے ٹکرائی۔

کون۔ میں۔۔ سائرہ ہلکی سی سرکشی سنائی دی مجھے اس کی آواز میں ایک غیر معمولی کمین کا احساس ہوا تھا۔

سائرہ۔ بولو کیا بات ہے۔ انعم تم کل کالج آ سکتی ہو۔

ہاں میری کل ناول کی کلاس ہے کالج تو جانا ہے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو۔

مجھے رات کے اس پہر فون کر کے اس کا یہ سوال پوچھنا حیران کر گیا تھا۔ لیکن میرے سوال کے جواب میں رابطہ منقطع ہونے کی ٹرن آنے لگی کمال ہے عجیب گورکھ دھندہ ہے میں بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ سے سونے کی کوشش کرنے لگی صبح جب میری آنکھ کھلی تو رات کا سائرہ کا فون میں میسر فراموش کر چکی تھی حسب معمول کالج کی تیاری کرنے لگ گئی کالج پہنچتے ہی لان میں سب سے

ایک سفید رنگ کا ہولہ باہر آتا ہے جو چند لمحوں میں اس مورتی کی بمشکل عورت کا روپ دھار لیتا ہے پھر وہ عورت آگے بڑھ کر میرا گلا بانے کی کوشش کرتی ہے ساڑھ کچھ مردنی اور بے ربط انداز میں تفصیل بتا رہی تھی میں نے پہلے تو بغور اس کی بات سنی پھر اسے سلی آمیز انداز میں اسکی منہ بھرتے ہاتھوں کو ہتھکپایا۔

دیکھو ساڑھ محض ایک خوب کو یوں خود پر طاری مت کرو بعض اوقات انسانی شعور میں چھپے ہوئے والے اور خوف ڈراؤنے خوابوں کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

اوہ انم۔۔۔ لا شعور میں چھپے ہوئے کسی خوف یا واقعے کا شائبہ نہیں ہے یہ محض خواب ہوتا تو شاید اس کا اثر اتنا زیادہ نہ ہوتا لیکن جانتی ہو چار دن پہلے میں کسی کام کے سیدھے اسٹڈی روم میں گئی تو میں نے اس مورتی کو چپکلیں جھپکتے ہوئے دیکھا پہلے تو میں نے اپنا وہم اور اس کے بے حد قریب جا کر بغور اس کی آنکھیں دیکھیں مگر یقین نہیں کرو گی لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور مجھ پر مرکوز تھیں اس کے دیکھے انداز میں بالکل حقیقی تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی بول رہی ہے مگر اس کی ساڑھ خوف کی انتہائی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

ساڑھ خود کو بریل دست کرو میں آج شام کو تمہارے گھر آؤں گی پھر تفصیلی بات چیت کریں گے میری کلاس لیٹ ہو رہی تھی سو میں ساڑھ کو خدا حافظ کہتی ہوئی اپنے دیپارٹمنٹ کی جانب چل دی لیکن درحقیقت یہ تمام معاملہ اب کافی حد تک پر اسرار ہوتا جا رہا تھا مجھے شدت سے شام کا انتظار تھا میرا خیال تو یہی تھا کہ ساڑھ کسی خوف کا شکار ہے جو کچھ اس نے مجھے بتایا وہ بھی اسی خوف کا پیدا کردہ ہے لیکن اگر اس کے کہیے ہوئے الفاظ میں

پہلے میرا فکر ساڑھ سے ہوا اس کے ساتھ ہی مجھے رات کا اس کا فون یاد آگیا ساڑھ کل سے بھی کہیں زیادہ مردہ مایوس اور دلگرفتہ نظر آ رہی تھی بلکہ اس کے ایک ایک انداز سے عجیب طرح کا خوف جھلک رہا تھا آنکھوں میں وحشت ہلکورے لے رہی تھی۔ میرے لیے اس کی بیفیات سمجھنا بے حد مشکل تھا کیونکہ اب تک ہر ملاقات میں میں نے اسے ہمیشہ چست خوش ہاش اور مطمئن دیکھا تھا ساڑھ مجھے دیکھتے ہی تیزی سے میری جانب بڑھی۔ انم۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا ایک کانپتے ہوئے ہاتھ تھے۔

کیا بات ہے ساڑھ رات کو بھی تمہارے فون سے میں نے کافی دیر تک کنفیوز رہی تھی اور اب تمہاری یہ کیفیت میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

بات بہت سہمیر ہے انم۔ وہ وہ مورتی نہیں ہے۔ اس کی باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

کیا مطلب۔ میں نے اسکی طرف متوجہ انداز میں دیکھا۔

مطلب یہ کہ وہ مورتی بے جان نہیں جاندار ہے جانتی ہوں پکندہ فون سے میں کس قدر اذیت کا شکار ہوں مستقل رنجہ فون سے میں ایک ہی خواب دیکھ رہی ہوں میں سیدھے اسٹڈی روم میں کھڑی ہوں وہ مورتی اچانک آنکھیں جھپکنے لگتی ہے میں آگے بڑھ کر مورتی کو میز پر سے اٹھا لیتی ہوں جیسے ہی میں مورتی کو ہاتھ میں اٹھاتی ہوں وہ کسی بچے کی طرح قہقہے مارنے لگتی ہے ہاتھ پاؤں چلانے لگتی ہے خوف اور دہشت کی زیادتی سے وہ مرے ہاتھوں سے چھوٹی ہے اور نیچے گر جاتی ہے کرتے ہی اس کا سارہ وجود تو سلامت رہتا ہے لیکن سر ٹوٹ جاتا ہے کھوپڑی کا پچھلا حصہ شکاف کی صورت میں کھلتا ہے اور اس میں سے

صد اقت ہوئی تو۔ یہ وہ سوال تھا جس کا فی الحال کسی کے پاس جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ میرے پاس اور نہ ہی ساہو کے پاس اور نہ ہی پروفیسر سعید کے پاس کل کی طرح آج بھی موسمِ ابر آلود تھا لیکن فضا میں کچھ ٹھن کا احساس غالب تھا شاید بارش ہونے والی تھی میں نے آسمان کی طرف نگاہ ڈورائی سیاہ سفید بادلوں نے پورے آسمان کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا فضا پر عجیب طرح کا سکوت طاری تھا ہوا کا کہیں گزر نہیں ہو رہا تھا۔ میں مقررہ وقت پر رانا ہاؤس پہنچ گئی کال کی طرح آج بھی پوری کوٹھی پر خاموشی کے بادل چھائے ہوئے تھے آج بھی مسٹر اینڈ مسز سعید رانا نے میرا استقبال اسٹڈی روم میں کیا کیا کل اور آج میں فرق صرف یہ تھا کہ پروفیسر سعید کے چہرے پر مونے سفید مدسوں والی عینک غائب تھی اور اس کی جگہ کالے عینکوں کی عینک موجود تھی اور ساڑھ کل کے مقابلے میں آج اس کی زیادتی پریشان نظر آ رہی تھی اس کی ایک ایک جھلک سے اس کی انعطاری کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

آئیے آئیے مس انعم تشریف لائیے۔ پروفیسر سعید مسکراتے ہوئے مجھے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ لیکن ان کے حلقے سے برآمد ہونے والی آواز قطعی ان کی نہیں تھی یوں لگ رہا تھا جیسے تین پروفیسر سعید رانا اکٹھے ہو کر بول رہے ہوں چہرے پر موجود مسکراہٹ کسی بھی طرح کے تنازعات کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی لیکن میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی اس لیے کہ میں کسی بھی غیر متوقع پریشان کن صورت حال کا تصور بھی لے کر نہیں آئی تھی۔ میں تو محض ایک اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے ایک اسائنمنٹ میں انٹرنسٹ لے رہی تھی اور بس یوں ہی یہ میری فیلڈ نہیں تھی صرف دلچسپی تھی اور جس تھا جو مجھے بے چین کئے دے رہا تھا کل کی

طرح آج بھی مورتی سامنے میز پر دھری ہوئی تھی میں اور ساڑھ صوفے پر جا بیٹھے جبکہ پروفیسر سعید میز کے عقبی جانب رکھے کاؤچ کیمسٹ برہے تھے۔

کل کی طرح آج بھی ہم اس مورتی کے بارے میں ڈسکس کریں گے لیکن ذاتی طور پر میں سمجھتی ہوں کہ دو سو سال پہلے پیش آنے والے حالات سے واقعات جو بھی ہوں کسی ایسی تہذیب سے تعلق جو کالعدم قرار پا چکی ہوں انکے بارے میں ہم قیافہ سے تو کام لے سکتے ہیں لیکن اصل حقیقت نہیں جان سکتے ہیں نے پروفیسر سعید کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ہے اچھا تھا کہ وہ میری تائید کریں گے لیکن ایسا ہو سکتا تھا۔

نہیں نہیں مس انعم سناؤ کسی حد تک آپ درست کہہ رہی ہوں لیکن اس مورتی سے متعلق جو معلومات میں آپ کو دوں گا وہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہوں گی سرسراتے ہوئے انداز میں پروفیسر سعید کو کہا ہوئے وادی کی تلاش آج بھی اس قدر اسرار میں ڈوبی ہوئی ہے جیسی آج سے کئی سو سال پہلے تھے اس کی تہذیب زیادہ پرانی نہیں ہے آج سے تقریباً دو سو سال یہ وادی ایک مختصر انسانی بستی پر مشتمل تھی لوگ دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے باہر کی دنیا سے ان کا کوئی رابطہ نہیں تھا سو وہ ایک دوسرے سے ہی اچھا براؤ رکھتے تھے ان کے درمیان جھگڑے پیدا کرنے والا اور ان کے دلوں میں نفرت کے بیج بونے والا اور انہیں ایک دوسرے سے دور کرنے والا ایک سادھو تھا بدھ مت کا پیروکار اروند ایک ایسا سادھو تھا جو نہ جانے کتنے ہی مخفی علوم پر مکمل دسترس رکھتا تھا ایسے سادھو رشی بدھ ہمیشہ جنگوں اور سنسان علاقوں کا رخ کرتے ہیں اروند کو بھی اپنے علم کی تکمیل کے لیے کسی پرسکون جگہ کی تلاش تھی اور اس کی تکمیل

وقت وہ مورتی کا مسئلہ سر بنا رہا تھا اس وقت اس کے عمل میں غلطی ہو گئی وہ مورتی کا سر تو بنا چکا تھا لیکن ابھی وہ خالی ہی تھا عمل الٹا ہونے کے باعث مہبل پر شیطانی طاقتوں نے قبضہ کر لیا ان طاقتوں کا پہلا نشانہ اروند ہی تھا اسے اپنی جان خطرے میں نظر آرہی تھی یہ خوبصورت بلا جو اب شیطانی قوتوں کے زیر تسلط تھی کسی بھی وقت اسے راہ عدم کر سکتی تھی سو اس نے مہبل کے خالی کا سر میں قید کر دیا لیکن مہبل کی قید صرف تب تک ہی برقرار رہ سکتی تھی جب تک یہ مورتی سلامت رہتی جوں ہی اس مورتی کے سر میں ہلکا سا بھی شگاف پڑا مہبل کی روح آزاد ہو جائے گی اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اچھا نہیں ہوگا

پروفیسر سعید رانا یہ ہو کر خاموش ہو گئے سیاہ شیشوں کا چشمہ بدستور انکی آنکھوں پر موجود تھا کمرے کے اندرون کا سیاہ چشمہ لگا کر بیٹھنا مجھے بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا وہ کارخانے سے اٹھ کر رائٹنگ میبل کی طرف گئے میز پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ اعم غور سے دیکھو مورتی کا کا سر نونا ہوا ہے سبزہ نے سر روشنی کے سے انداز میں کہا اس کی آواز میں ایک محسوس کی جانے والی کپکپاہٹ تھی میں نے چونک کر پہلے اس کی طرف دیکھا اور پھر مورتی کی طرف پہلے میں نے وجہ نہیں دی تھی اب غور کیا تو پتہ چلا کہ مورتی کا چہرہ تو سلامت ہے لیکن پیشانی سے ٹھوڑا جھجھے اس کے سر میں ایک شگاف تھا۔ مورتی کی آنکھیں بالکل مردہ اور بے جان تھیں میرے ہاتھوں پیردوں میں عجیب طرح کی سنسناہٹ دوڑنے لگی رگوں میں خون کی جگہ برف کا گمان ہو رہا تھا میں اور سائرہ دونوں سیکت بیٹھی ہوئی مورتی کی طرف دیکھے جارہی تھی دونوں کے احساسات پر خوف کی لہر جمی ہوئی تھی ہر گزرنے والا

کے لیے کسی پرسکون جگہ کی تلاش تھی اور اس کی نظر انتخاب وادی کیلاش پر پڑی تھی کبھی کبھی جٹاؤں والا یہ میلا پھیلا بدھ سادھو پہلے پہل وہاں کے لوگوں کی سخت نظر کا نشانہ بنا لوگوں نے اس کی بے جا مداخلت کا سخت برا منایا لیکن وہ مستقل مزاجی سے ان کے سخت رویے کو بہتار ہا اور وہاں کے لوگوں کی مشکلات کو سمجھ کر ان کا توڑ کرنا شروع کر دیا تو لوگ دھیرے دھیرے اس کے مقصد ہوتے گئے پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے اپنے علوم کا منفی روپ لوگوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کیلاش کی ایک حسین ترین عورت مہبل پر اس کا دل آ گیا مہبل ایک کسان کی بیوی تھی بے اولاد تھی فطرتاً قدرے ہرجائی طبیعت رکھتی تھی جب اس نے سادھو کی دوم سٹی تو ایسا حدی سے کہ سادھو کے پاس گئی اور یہی وہ دن تھا جب سادھو اروند نے اپنے گندے علم کا حال پھیلا کر اسے اپنے قبضے میں کر لیا۔ اسے اپنے علم کی تکمیل کے لیے ایک جوان خوبصورت عورت کی ضرورت تھی اور مہبل کی صورت میں اس کی یہ ضرورت پوری ہو گئی اس نے مہبل سے اس کے وجود کا اختیار مانگا وہ اولاد کی طلب گار تھی اس لیے سادھو کے ہر جائز ناجائز مطالبے پر سر تسلیم خم کر لی گئی سادھو اس کے جسم و روح کو میلا تو کبھی چکا تھا کچھ ہی عرصہ میں اس نے مہبل کو اپنا شریک راز بنالیا اس نے مہبل کو بتایا کہ وہ ایک ایسا عمل کر رہا ہے جس کے علم کو مرنے کے بعد وہ ابدی زندگی پالے گا لیکن اس عمل میں اسے انسانی خون درکار ہوگا۔ مہبل نے اسے مایوس نہیں کیا بلکہ وہ کچھ کیا جو اس نے چاہا۔ سادھو نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی مورتی بنائی اس کے وجود میں تمام جوڑ موجود تھے جس طرح زندہ انسانی وجود میں ہوتے ہیں اس نے ہر جوڑ کو مہبل سے حاصل کر دیا خون سے جوڑا لیکن ایک غلطی وہ کر گیا جس

لحد دہشت کا پرت در پرت کھولے جا رہا تھا۔

آج یہ مورتی سارہ کے ہاتھ سے گری اور سر میں پڑنے والے شگاف نے دو سو سال کے بعد مہبل کو آزادی دے دی شیطانی طاقتیں ہر لمحہ اس کی ہمو اور محافظ تھیں مہبل کی روح طاقت میں کئی گناہ زیادہ ہو چکی ہے۔ اور اب وہ نئی زندگی پانے کی خاطر کچھ بھی کر گزرے گی پروفیسر سود نے کاوج پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سر یہ جو مجھ آپ نے بتایا ہے آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سب حقیقت پر مبنی ہیں مجھے تو یہ سب محض ایک کہانی لگ رہی ہے خوف اپنی جگہ لیکن آج سے دو سو سال پہلے پیش آنے والے واقعات کو کوئی اتنے حتمی انداز میں کیسے بیان کر سکتا ہے جبکہ اس کے پاس ایسا کوئی ثبوت موجود نہ ہو۔

مس انعم میں ثابت کر سکتا ہوں کہ سب سچ ہے پروفیسر سعید اب بھی اپنی بات پر قائم تھے۔ سر آریا لوجسٹ کسی قدیم تہذیب کے خلیفہ چیز کے بارے میں یہ تو بتا سکتے ہیں کہ وہ کئی پرانی ہے کسی قسم کے طرز زندگی کے حامل لوگوں سے تعلق رکھتی ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس دور میں کسی قسم کے حالات و واقعات درپیش رہے پھر آپ آج سے دو سو سال پہلے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کس طرح حتمی طور پر کچھ کہہ سکتے ہیں میرے سوال کے جواب میں پروفیسر سعید نے خاموشی اختیار کر لی انہوں نے آنکھوں سے چشمہ اتار کر سامنے میبل پر رکھا کچھ دیر بعد ہی سر جھکائے بیٹھنے لگے نہانے کس سوچ میں کم رہے میں اور سارہ پوری طرح پروفیسر سعید کی جانب متوجہ تھیں دونوں ہی کے ذہن ایک نقطے پر مرکوز تھے اوپر جب پروفیسر سعید رانا نے سر اٹھا کر ہماری جانب دیکھا تو وہ دونوں کے حلق سے ایک ساتھ ہنسی ہنسی جھینپیں بلند ہوتی گئیں قدرے فاصلے پر

ہونے کے باوجود ہم دونوں نے ہی دیکھ لیا تھا پروفیسر سعید رانا کی آنکھیں انکی آنکھیں نہیں تھیں۔ مورتی کی آنکھوں کی ساری چمک پروفیسر کی آنکھوں میں در آئی تھی ان کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ ہلورے لے رہی تھی آنکھیں غیر معمولی حد تک پھیلی ہوئی تھیں اور پتلی پر ہلکی نیلے رنگ کی ایک جھلی سی نمودار ہو چکی تھی وہ کاوج پر سے اٹھ کر ہماری جانب بڑھے جب سورج بارہ بج رہا تھا اور سورج کا دور طے کرنے کے بعد برج حمل کے نقطہ اول میں داخل ہوتا ہے اس وقت دن اور رات برابر ہوتے ہیں اس برج میں آفتاب کو انیس درجہ کا شرف ہوتا ہے اس ساعت میں ایک صدی میں صرف ایک بچہ جنم لیتی ہے آج سے دو سو سال پہلے اس ساعت میں مہبل نے جنم لیا تھا اور اس صدی میں جانتی ہو کون اس ساعت میں عدم سے وجود میں آئی تم انعم تم پروفیسر سعید لے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے عجیب غیر انسانی آواز میں کہا انہیں اپنی جانب بڑھتا ہوا دیکھ کر میں اور سارہ دونوں ہی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں سارہ کی کیفیت سے تو میں بے خبر تھی لیکن خود میرا ذہن مجھے بار بار وہاں سے بھاگ جانے کو کہہ رہا تھا لیکن یہ شخص میرے دماغ کی سوچ بھی میں خود پر اختیار نہیں رکھتی تھی میرے باقی ذہن سے اٹھنے میں ناکام رہے تھے پورا وجود ہی حرکت کرنے سے انکاری تھا میں چیخا چاہتی تھی لیکن حلق کی جگہ گلے میں کسی چٹختی ہوئی خشک لکڑی کا گمان ہو رہا تھا اتنی دیر میں پروفیسر سعید میرے بالکل قریب آ چکے تھے گلے ہی لمحے میرے بال ان کی مضبوط مٹھی کی گرفت میں تھے شدت کرب سے میری آنکھوں میں آنسو تھے۔

سر۔ سر۔ پلیز یہ آپ کیا کر رہے ہیں میں تکلیف کی زیادتی سے کراہتے ہوئے کہا۔ شاید

سائرہ کو بھی ہوش آ گیا تھا یکدم تیزی سے ہماری طرف بڑھی اور اس نے آگے بڑھ کر پروفیسر کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔

سعید۔ سعید۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔
چھوڑیں اسے۔ وہ مجھے پروفیسر کی گرفت سے چھڑانے کی ناکام سعی کر رہی تھی پروفیسر سعید اس وقت ایک انسان نہیں عفریت لگ رہے تھے اور بیک وقت دس افراد کے لیے تنہا کافی تھے پھر ان کے سامنے ہم کیا جوڑ رکھتی تھیں لیکن سائرہ نے کوشش ترک نہیں کی کچھ دیر تک تو پروفیسر کے اسے درخور اعتنا نہیں جانا لیکن جب سائرہ مسلسل مجھے ان کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں لگی رہی تو انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیلا وہ کسی گر پانی مانند کی فٹے دور جاگری اور شاید ہوش و خور سے بیگانہ ہو چکی تھی پروفیسر نے ایک جھٹکے سے میرا چہرہ اوپر اٹھایا اف خدایا ان کی آنکھیں ہزاروں دولت کے بلب کی طرح چمک رہی تھیں انتہائی قریب سے ان کا چہرہ دیکھ کر میں جھرمھری لے کر رہ گئی انہوں نے ایک ہاتھ سے میرے چہرے کو سختی سے دبا کر میرا چہرہ اٹھایا اور جھٹک کر میرے ہونٹوں کو چھونے کی کوشش کرنے لگے میں نے ہاتھ سے ان کا چہرہ پیچھے کرنے کی کوشش کی میں نے ہاتھ پافیاں مارے لیکن بے سود رہی پوری طاقت سے صرف کر دیجے کے باوجود میں ان کو ایک انچ بھی پیچھے نہ بنا سکی پروفیسر سعید کسی مہینے کی طرح ڈکرانے لگے ان کی ایک ایک جنبش سے ایک عجیب طرح کا اظہار جھٹک رہا تھا یوں جیسے کوئی انتہائی مشکل لیکن ضروری کام نمٹانا چاہتے ہو لیکن اس میں تاخیر ہو رہی ہو۔ جس قدر خود کو چھڑانے کی کوشش کرتی وہ اسی قدر غصہ میں آ جاتے ان کے منہ سے کت بہنے لگا تھا پورے وجود پر بخنی کیفیت طاری تھی انہوں نے ایک بار پھر سختی سے

میرا منہ کھول کر اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھنے کی کوشش کی یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے منہ سے کوئی چیز میرے حلق کے ذریعے میرے وجود میں داخل کرنا چاہتے تھے میں مستقل اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اب میری مزاحمت بھی دم توڑتی جا رہی تھی میں ان کی جسمانی طاقت سے مغلوب ہوتی جا رہی تھی۔

میں ابدی زندگی پانا چاہتی تھی اس لیے مجھے تمہاری وجود کی ضرورت ہے پورے دو سو سال کے بعد آج آزادی ملی ہے۔ ایک پھٹی ہوئی حرکت آواز پروفیسر سعید کے حلق سے برآمد ہوئی میں نے انہیں اپنی پوری طاقت صرف کر کے خود سے الگ کرنا چاہا لیکن ناکام رہی میری کوششیں پروفیسر سعید کو سخت ناگوار گزر رہی تھیں مجھے بے بس کرنے کے لیے انہوں نے میرا سر دائیں جانب دیوار سے ٹکرا دیا میرا دماغ جھنجھکا کر رہ گیا آنکھوں کے آگے کوندے سے لپک کر معدوم ہو گئے لیکن میں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت ان چند لمحات کی تھی جن میں میری سانسیں آمد و رفت کا فیض ادا کر رہی تھیں انہیں چند لمحات میں کچھ کر سکتی تھی سو میں نے اپنے ذہن کو صرف ایک نقطے پر مرکوز کر لیا مجھے ہر حالت میں پروفیسر سعید سے خود کو چھڑانا ہے اپنی جان بچانی ہے میں نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سینے پر رکھ کر اپنی پوری طاقت سے انہیں پیچھے کی طرف دھکیلا اور اس بار شاید انکی گرفت قدرے ڈھیلی تھی کہ میں ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہو گئی اور اپنی ہی جھونک میں پیچھے کی طرف رکھے میز پر پشت کے بل جاگری میرے جسم سے ٹکرا کر میز پر گر پڑی ہوئی مورنی نیچے زمین پر جاگری پروفیسر سعید جو نہایت خونخوار انداز میں میری جانب بڑھ رہے تھے یکدم رک گئے ان کے چہرے پر شدید ترسب کے آثار

تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ جو کچھ آنکھیں دیکھ چلی تھیں مہبل کی بدروح نے پروفیسر صاحب کے وجود پر قبضہ جما کر اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل چاہی تھی وہ اپنی اس کوشش کو ناکام رہی لیکن اس نے پروفیسر سے اپنی آزادی کا خراج ضرور وصول کر لیا تھا بے چارے پروفیسر سعید ایک بدروح کا نشانہ بن گئے تھے۔

قارئین کرام کیسی گلی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازے گا۔ مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

دل سوچ کا مجرم ہے اک بار ہی کھلتا ہے
دل پیار کا بدرا ہے اک بار ہی ملتا ہے
دل یاد کا بادل ہے انت برستا ہے
دل پیار کا بھوکا ہے اداس کو ترستا ہے
دل سوچ کا دریا ہے سینے سے نکلتا ہے
دل برف کا تورا ہے بہتا نہ ٹپکتا ہے
دل سیپ کا موتی ہے نظروں میں چمکتا ہے
دل پیار کا دریا ہے بے تاب سا بہتا ہے
دل درد کا غزا ہے بے چین سا رہتا ہے
سید تصور شاہ۔ ثوبہ ٹیک سنگھ

اداس شاموں میں است کر وہ آتا بھول جاتا ہے
کر کے خفا مجھ کو وہ مٹانا بھول جاتا ہے
انہی اداسوں نے اس کی مجھے بدنام کر ڈالا ہے
وہ لکھ کر نام دیواروں پر پھر مٹانا بھول جاتا ہے
مست پوچھ محبت میں لاپرواہی کے لیے کرتا ہوں
بے زخم وہ سرہم لگانا بھول جاتا ہے
بے لپس منظر ہے اس کی یادوں کا
وہ جب بھی یاد آتا ہے زمانہ بھول جاتا ہے
(ملک محمد وسیم طاہر ڈھکو، ساہیوال)

موجود تھے میری نظر ان کے پاؤں پر جا پڑی جسے وہ
بلکے بلکے جھٹک رہے تھے اور اگلے ہی لمحے میں نے
ایک غیر یقینی منظر دیکھا ان کا پاؤں ایک جسم سے
الگ ہو کر نیچے جا گرا تھا بالکل ایسے جیسے وہ انکے
وجود کا حصہ ہی ہو پھر موم کی طرح پھسل کر ایک
ملغوعے کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ گیا گیا تم نے بہت
برا کیا بہت ہی برا کیا پروفیسر لڑا کھڑاتے ہوئے
میری طرف بڑھے لیکن اب ان کا دوسرا پاؤں بھی
ان کے جسم سے الگ ہو چکا تھا اور وہ بھی گل سرگرد
عجیب سی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بن پاؤں کے
پروفیسر کے لیے اپنے وجود کو توازن میں رکھنا
ناممکن ہو گیا تھا انتہائی بلند آواز کے ساتھ وہ زمین
پوس ہو گئے ان کے حلق سے کربہ جھنیں بلند ہو رہی
تھیں پوس جیسے کئی بدرویں زمین کر رہی ہوں ان کا
وجود رہا تھا یوں جیسے کچھ کا جنازہ ان کا بے حد
قریب وہ منگوس مورٹی پری تھی مجھے اسرار تھا
مورٹی کے وجود سے ایک پاؤں غائب تھا ان کی
جلد زمین پر کالے رنگ کا سیال پڑا تھا اس کا ایک
جوزہ الگ ہو چکا تھا اور پورے وجود پر دراڑیں
پڑ رہی تھیں میں اپنی دگرگوں حالت بھول کر بھی
مورٹی کو اوتھیں پروفیسر سعید کو دیکھے جاری تھی
مورٹی کا سارا جسم پوس جھنیںش کر رہا تھا جیسے
نواز انیدہ سے بچے ہاتھ پاؤں چلاتے ہیں لیکن اس
کے حلق سے بھی وہی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں
جیسی پروفیسر کے حلق سے آہستہ آہستہ پروفیسر کا
جسم گلے رہے گوشت اور خون کے ملغوعے کی شکل
اختیار کرتا گیا اور مورٹی کا وجود گاڑے سیاہ سیال
کی صورت اختیار کر گیا کچھ ہی دیر بعد وہاں پھر
نہیں تھا محض ایک گاڑا ملغویہ تھا جو قالین پر پھرا
ہوا تھا میں نے ایک نظر بے ہوش پری سارہ پر ڈالی
اور تیزی سے اسنڈی روم سے نکل کر کوریڈرو سے
ہوئی ہوئی مین روڈ پر آگئی زمین کسی طور پر یہ سب

بازی گر

-- تحریر: وارث آصف خان نیازی۔ وال پگھراں۔ قسط نمبر ۱

مجھے ایک چیخ سنائی دی اور تیزی سے کوئی وجود میرے اوپر گرا وہ وجود اتنا زور سے میرے اوپر گرا کہ میں اس میں دب کر رہ گیا۔ وہ وجود تیزی سے اٹھا تو میں نے گھوم کر دیکھا وہ جلالی بابا ہی تھے اور اس وقت ان کا چہرہ مارے خوف کے تندور بن چکا تھا میں نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے مسنناتے ہوئے مجھے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوئے میں نے حیرانگی سے انکو بھاگتا ہوا دیکھا تو میں تیزی سے اٹھا اور بیند روم کی طرف آ کر اندر کا درہشت ناک منظر دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میرے سامنے کمرے کا انتہائی خونخوار اور لرزتا آمیز منظر تھا کمرے میں ہر طرف خون ہی خون تھا ایک طرف کئے پھٹے جانور کا مرکب پڑا ہوا تھا ان میں سے کچھ اجزا کتے کے تھے کیونکہ اس کی تھوٹھنی برابر پڑی تھی کمرے میں پانچ چھ چکا ڈریں بھی سکڑی ہوئی مردہ حالت میں پڑی تھیں ان کے جسم کی نوکدار چیزیں سے چیرے ہوئے تھے اور اتنے بھیا تک انداز میں کہ انکی آنتیں تک کٹی ہوئی تھیں یہ منظر اس قدر درہشت ناک اور خوفناک تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا اچانک کمرے میں دھواں سا بھرنے لگا اتنے میں میری نگاہیں کئے ہوئے سر کی جانب پڑی تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے بلی کی اکلوٹی آنکھ جھپکی ہوا اکلوٹی اس لیے کہ دوسری آنکھ کی جگہ خالی گڑھا سا موجود تھا۔ پھر اچانک جواگلا منظر ابھرا اسے دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا بوجھ دلی کی دھڑکن مدہم اور دل سینے کا دھڑکاؤ زور سے ابھرا اختیار کرتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ میرے سامنے جو مردہ جانوروں کے اعضا بکھرے پڑے تھے وہ ایک دم جیسے زندہ ہو گئے اور حرکت کرنے لگے مردہ چمکاؤ میں جن کا سر ایک طرف بدھیمی کی داستان رقم کر رہا تھا اور آنتیں دوسری طرف بے بسی کا رونا رو رہی تھیں ایک دم سے اڑیں اور کمرے کے چکر کاٹنے لگیں بلی کی باہر نکلی ہوئی زبان جیسے کسی نے نہایت مہارت سے درمیان میں سے کاٹ کر دو شاخہ بنادیا بالکل خانپ کی زبان کی طرح وہ تیزی سے اندر باہر ہونے لگی یہ دیکھ کر میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ میں جلالی بابا کی طرح اپنے مخصوص جلال میں آ کر یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤں۔ تب مجھے یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ قدموں نے دماغ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے اچانک میرے پاس موجود کالے رنگ کے کتے کی کھوپڑی جانے کیسے زندہ ہوئی اور میرے قدموں سے چمٹ گئی جیسے یہ التجا کر رہی ہو کہ خان صاحب ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چل دے کھوپڑی کو چمٹتا ہوا دیکھ کر خوف و اذیت کے احساس نے گویا میرے اوسان پر بجلی گرا دی میں نے تیزی سے اس کھوپڑی کو جھٹکا اور اتنی تیزی سے بھاگا کہ جلالی بابا کے آستانہ جلال پر جا کر ہی دم لیا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

آج آج اتیریاں آدیاں لایاں میں۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے نہایت اونچی آواز میں اپنا فیورٹ گانا سنتے ہوئے غصہ سے دروازے کی طرف دیکھا اپنا فیورٹ گانا



سننے ہوئے مجھے اس وقت کسی کی آمد نہایت ناگوار گزری تھی چند لمحوں تک تو میں تذبذب کے عالم میں دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر جب دوسری دفعہ دستک ہوئی تو چاروں چار مجھے اٹھنا پڑا اٹھ کر دروازے کے اندر بنے ہوئے سوراخ سے باہر جھانکا تو دروازے کے دوسری طرف کھڑے اس انسان کو دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے وہ حکیم صاحب تھے جو اپنا لمبوتر اچھرہ لیے حاضر خدمت تھے میں نے کمرے میں نظر دوڑائی اور بھاگنے کا کوئی ذریعہ تلاش کیا مگر بند کمرے سے میں کیسے بھاگ سکتا تھا بھاگنے کے لیے دروازہ ہی تھا جس میں حکیم صاحب خود موجود تھے میں اسی گفتگو میں تھا کہ دروازہ کھولوں کہ نہیں کہ اچانک تیسری بار مسلسل بیل بگی تو مجبوراً مجھے دروازہ کھولنا پڑا مگر ساتھ ہی بظاہر چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے بڑے بڑے دل سے دروازہ کھولا اور حکیم صاحب کو اندر آنے کا اشارہ کیا کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔

حکیم صاحب میرے مالک مکان ہو چکے اور وہ بھی اپنے پورے حقوق کا استعمال کرنا اچھی طرح جانتے تھے پہلے میں اکثر یہ سوچتا تھا کہ اے خدا تو نے یہ کرایہ دار بھی یا مظلوم قوم بنائی ہے جو بے چارے ایک تو غیر لوگوں کے مکان رہ کر منت میں دیکھ بھال کرتی ہے بلکہ انہی جیب سے کرایہ الگ ادا کرتی ہے اور گر کہیں بھی مالک مکان نظر آجائے تو خود بخود جھٹک جاتی ہے اس کے علاوہ اگر مالک مکان ساتھ رہتا ہے تو اس کے لئے سیدھے مطالبات الگ سے پورے کرو تیز میوزک نہ سنو شور مت کہہ دینی وی کم آواز میں لگاؤ اور اوپر سے اگر سچے گھر میں آجائیں تو ان سے کہو کہ وہ اچھل کود نہ کریں غرض کرایہ دار کا یہ مشکل میں رہتا ہے ایک دن کرایہ کیا لیٹ ہوا مالک مکان کی جھمکیاں الگ سننا پڑتی ہیں کہ مکان خالی کروالوں کا سمجھتے تم جیسے دو کٹے کے ٹکے دار مجھے

نہیں ضرورت اور اگر کوئی جھگڑا ہو جائے تو محلے والے بھی قصور ہو تب بھی مالک مکان کا ہی ساتھ دیتے ہیں اکثر کرایہ دار اپنے سابقہ کرائے کے گھر سے ٹھنڈی آہیں بھر کر گزرتے ہیں کہ ابھی ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔ اور جب حکیم صاحب نے کرائے میں اضافے کی بات کر دی تو میں بھڑک اٹھا اور کہہ دیا۔

ابھی دو ماہ پہلے ہی تو آپ نے پورے پانچ سو روپے ماہوار کا اضافہ کیا تھا اور اب جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اور آپ پھر سے کرایہ بڑھا رہے ہیں میری بات سن کر حکیم صاحب بولے۔

وہ کیا ہے نابرخود وار کہ مہنگائی کافی بڑھ گئی ہے اور بڑے برائوت سکولز میں بچوں کو داخل کر رکھا ہے کیونکہ گورنمنٹ کے سکولز میں بچوں کو داخل کرنے کا مطلب بھیڑ بکریوں کے باڑے میں اولاد کو نکالنا ہونے کے لیے چھوڑنا ہے اور یہی کافی شادی مرنا ہو جاتا ہے تو بھلا تم بتاؤ میں کیا کروں ہاں کتنا خرچہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر میں نے کرائے میں اضافہ کی بات کر دی تو کون سی قیمت آگئی تم سوچ لو بڑ خودار مجھے کرایہ دار بہت اور تمہیں۔۔۔

مکان بہت۔۔۔ میں نے جملہ پورا کیا کیونکہ میں نے جملہ بارہا سن چکا تھا پھر حکیم صاحب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے واقعی کہہ دیا ٹھیک ہے میں پہلی کو یہ کمرہ خالی کر دوں گا۔ خیر حکیم صاحب تو اپنے مطلب چلے گئے اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ اب کدھر جاؤں گا اور اتنی آسانی سے مکان بھی نہیں ملے گا جہاں میں یکسوئی سے کام کر سکوں کیونکہ اک تو میں مصور تھا اور ایک مصور کے لیے تنہائی کافی ضروری کیونکہ مصور ہو یا رائے خاموشی جب تک نہ ہو خیال کی کارفرمائی میں اثر پڑتا ہے۔

بحر حال میں اسی وقت اپنے دوست کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اس بھری دینا میں میرا دوست

عبداللہ ہی میرا واحد سہارا تھا میرے والدین بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اک بوڑھی سی غیر عورت نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے آسرا دیا پالا پوسا اور بڑھایا لکھایا کچھ عرصہ پہلے وہ بھی مجھے چھوڑ کر جا چکی تھی میرا پنا کوئی گھر نہ تھا جدھر میں رہتا بس ساری زندگی درد رکھتی ٹھوکریں کھاتی تھیں ایسے میں مجھے عبداللہ ملا عبداللہ کا والد زندہ نہیں تھا ایک ماں تھی اس کی اور وہ اسی کے ساتھ زندگی کے دن گزار رہا تھا وہ اور میں ایک ہی شہر میں رہتے تھے اس نے مجھ سے بہت کیا کہ ہمارے گھر شفٹ ہو جاؤ اس کی ماں نے تو لاکھ ترلے کئے تھے مگر میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا اور سب سے بڑا مسئلہ میری مصوری تھی جس کے لیے میرا اکیلا ہی رہنا مناسب تھا سو عبداللہ اور اس کی ماں نے میری عادت کو دیکھ کر چپ سا دھ لی البتہ وہ ہفتے میں ایک آدھ دفعہ لازمی کھانا میرے لیے بھجواتے تھے یا میری دعوت کرتے تھے اور میں ان کے گھر جا کر کھا لیتا تھا میں عبداللہ کی طرف گیا وہ اپنے مکان میں ہی تھا مختصر سے الفاظ میں میں نے اسے تمام کہانی بتائی اور اس نے گزارش کی کہ وہ مجھے کوئی نیا مکان ملے کر دے اس نے نیا مکان مل کر دینے کی بجائے مجھے اپنے ہی گھر میں رہنے کا مشورہ دیا میں نے اسے پھرتی سے منع کیا مگر وہ نہ مانا اور براہ اصرار کرنے لگا کہ میں بھی اپنی دھن کا پکا تھا سو میں نہ مانا بحال وہ مجبور ہو کر میرے ساتھ چل دیا اور شام ڈھلنے تک اس نے کئی مکان مجھے دکھائی مگر کہیں کرایہ زیادہ اور برائی کہیں مکان اور کرایہ مناسب مگر ارد گرد شور جو کہ میرے کام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور اس شور و غل میں کوئی بھی دماغی کام ہونا ناممکن تھا پھر ایک مکان مجھے عبداللہ نے دکھایا غالباً اس نے سوچا تھا کہ آریان احسن خان اس کے دروازے سے ہی لوٹ جائے گا مگر جب میں مکان دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گیا اس قدر ویران اور اجاڑ مکان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا

میں نے خوشی کے عالم میں مالک مکان کو دو ماہ کا کرایہ ایڈوانس ادا کر دیا۔ جسے دیکھ کر وہ مالک مکان بھی خوشی سے پھولے نہ سہایا شاید اسے توقع نہ تھی کہ اس ویران مکان کو میں پسند کر کے دو ماہ کا کرایہ دوں گا میں کافی کوشش ہو رہا تھا کہ وہ کیا جگہ ملی ہے جبکہ مالک مکان پیسے جیب میں رکھتے ہوئے جیسے زیر لب دبی دبی مسکراہٹ لیے سوچ رہا تھا کہ کی نہیں غالب احمقوں کی اس دنیا میں ایک ڈھونڈ و ہزار ملیں گے۔ اور اگلے ہفتے میں حکیم صاحب کو پرانا کرایہ ادا کر کے نئے مکان میں شفٹ ہو گیا اس مکان میں کل پانچ کمرے تھے جن میں سے دو میں تو تالے لگے ہوئے تھے جبکہ ایک کمرہ دوسرے کمرے کی نسبت لمبا تھا اس میں میں نے سامان رکھ دیا باقی سیدھے ہاتھ والے کمرے کو ڈرائنگ روم کے طور پر سیٹ کر دیا اور جو باقی بچا اسے میں نے بیڈ روم بنالیا بیڈ روم میں کیا سجانا تھا ایک پلنگ اور ایک الماری باقی میرا کینوس اور مصوری کا سامان تھا بس اب جو میں نے سیننگ کی تو خیال آیا کہ اس اجاڑ مکان کی کافی عرصہ سے صفائی نہیں ہوئی ہے لہذا مجھے صفائی بھی کرنا چاہیے مگر ایک تو شفٹ ہونے کی وجہ سے آدی آدھا ہو جاتا ہے اور پھر اوپر سے میز کی اکیلی جان پھر اس کمرے میں دھول و غبار جو نہ جانے کتنے عرصہ سے صفائی نہ ہونے کی وجہ سے رچ بس گئی تھی اور قدر زیادہ تھی کہ سانس لینا بھی دشوار میں نے کھڑکی کھولی تو یک لخت بدبو کا ایک جھونکا میری ناک سے ٹکرایا تو میں نے کھڑکی بند کرنے میں ہی عافیت سمجھی مگر اچانک ہوا اتنی تیز ہو گئی کہ کھڑکی کے دونوں پٹ آپ ہی آپ ادھر سے ادھر ہلنے لگے میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا تو کھڑکی کے سامنے موجود باغ اس وقت چٹھ اور ہی منظر پیش کر رہا تھا اس میں موجود درخت ہوا کی زیادتی سے جھوم سے رہے تھے اور فضا میں سائیں سائیں کر برزور آواز تھی اچانک بجلی بھی تھوڑے تھوڑے وقفے بعد چمکنے لگی

اور ان کو آسانی سے مار دیا کرتا تھا ورنہ اس سے پہلے تو سانپ کو دیکھ کر میری روح فنا ہو جایا کرتی تھی۔ بحر حال اس تالاب اور باغ اور ساتھ میں اپنے ویران مکان کو دیکھ کر مجھے واقعی میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ سب اسی کہانی کا ہی جیتا جاگتا کوئی عملی نمونہ ہے اور اچانک ہی مجھے لگا کہ جیسے ابھی اس تالاب میں سے وہی ناگن نکلے گی اور مجھے گھیر کر اس تالاب میں لے جائے گی اور پھر میری لاش بھی گم ہو جائے گی ایسا خیال آتے ہی میرے بدن نے مارے ڈر کے جھرجھری لی اور میں نے تیزی سے سر جھٹکا میں نے دھیان بنا کر تالاب اور باغ کے مناظر کو ملاحظہ کیا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ سب کافی دلفریب ہے مگر زیادہ مزہ تب تھا جب باغ اپنی اصل حالت میں ہوتا تب مگر اب ادھر ویرانی تھی اور بس جو درخت تھے وہ بھی مرجھائے ہوئے تھے اور اپنے آپ پر ماتم کرتے ہوئے شہر خوشاں جیسا منظر دے رہے تھے جو یقیناً دل ہلا دینے والا تھا ہر طرف خشک تھے تھے ان درختوں میں ایک جھولا بھی تھا جو اپنی اصل رنگت کھو چکا تھا اور ساتھ ہی تھوڑا میڑھا بھی ہو گیا تھا اور میں ابھی اس جھولے میں گمن تھا کہ اچانک دوسری طرف نظر پڑتے ہی میں نے ایک خستہ دیکھی تو میں گرتے گرتے بچا وہاں ایک قبر تھی جو بڑا بھیاں منظر پیش کر رہی تھی میں مارے خوف کے اس قبر کو دیکھنے لگا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں جس گھر میں مجھے رہنا ہے وہاں خاموشی کی علامت قبر بھی ہوگی قبر دیکھ کر میں واقعی ڈر گیا تھا میری ساری خوشی کا نور ہو گئی تھی اس دریا گھر میں اک قبر کی موجودگی کافی خوفناک اور دہشت ناک تھی قبر کی موجودگی نے میرے ارادے متزلزل کر دیئے تھے مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس طرح کا گھر مجھے پھر کہیں نہ ملتا میں اسی سوچ میں تالاب کے کنارے بیٹھ کر سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا آخر تک آکر میں نے فیصلہ کیا کہ قبر ہے تو کیا ہوا

اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی یہ سب کچھ میرے لیے اچانک اور حیران کن تھا کہ اچانک ہی ہوا چلی اور اچانک ہی بارش اور پھر اس بارش میں دور کہیں کسی درخت پر بیٹھے الو کی منخوس آواز میرے کانوں سے نکل رہی تھی تو میرا جسم جیسے کانپ گیا اور مجھے خوف سے جھرجھری سی آئی انجانے خوف کے اس احساس کے ساتھ میں کھڑکی سے ہٹ گیا اور ڈرتے ڈرتے خود کو نیند کے حوالے کر دیا پھر جب اگلی صبح آئی تو پچھلی رات کے سارے فسانے کہیں روپوش ہو چکے تھے سویرے جب میں اٹھا تو رات کی ساری ہولناکی کو فراموش کر چکا تھا اور کمر باندھ کر میں گھر کی صفائی میں جت گیا تمام کمروں کی جان لیوا صفائی کے بعد میں اس باغ کی حالت زار کو دیکھنے میں لگ گیا کہ کس طریقے سے اسے میں تھیک کروں وہ باغ ایک تو عدم توجہ اور دوسرا گردش ماہ و سال کے باعث ہر طرف بے تربیتی اور ایسی ویرانی سی تھی کہ آدمی دن میں ڈر جائے درخت آپس میں گڈمڈ سے ہونے لگے تھے جگہ جگہ سوکھے پتوں کے ڈھیر جمع تھے جو ہوا کے دوش پر ایک مخصوص سی آواز پیدا کئے ادھر ادھر اڑے جا رہے تھے اور سب بھی کبھی کوئی پتہ میرے قدموں تلے آتا تب پراسرار سی چراہٹ کی آواز سنائی دیتی جو رات تو رات نہیں کسی بعض لوگوں کے لیے باعث کوف ہے باغ کے ساتھ ایک تالاب بھی تھا جو باغ کے عین وسط میں تھا اس تالاب کو دیکھ کر مجھے اک کہانی یاد آگئی جس میں ایک ناگن رہا کرتی تھی اور وہ جیسے مارنا چاہتی تھی اسے گھیر کر اس تالاب میں لے آتی اور پھر اسے مار ڈالتی شاید خون آشام ناگن نام تھا اس کہانی کا کہانی تو اچھی تھی مگر اس میں بے جا کردار تھے جو رنگ میں بھنگ ڈالتے رہے اس کہانی میں ایک اور سانپ بھی تھا جس کا نام ناگ راج تھا وہ کردار مجھے بے حد پسند آیا تھا اس انسان دوست ناگ راج کی وجہ سے ہی میں نے سانپوں سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا

پر کبھی تک نہ کئے دیتے تھے جن کا مشغلہ لوگوں کو زندہ جلا دینا بو کے شیروں کے آگے چھوڑ دینا لوگوں کی کھوپڑیوں سے مینار بنانا وہ سب کہاں چلے گئے کہاں گئی انکی دہشت کہاں گیا ان کا اقتدار سب وقت کے ساتھ ٹٹی میں مل گیا۔

بحر حال میں شام تک اپنے سارے کام نمٹا چکا تھا اور اب میرا سونے کا ارادہ تھا کیونکہ میں دن کو میں کافی مصروف رہا اور آنے والی صبح میں نے رانا صاحب کی تصویر کو فائل بچ دینا تھا سونے سے پہلے میں نے ڈیک پر اپنا فیوٹ گانا بروکن انجیل سنا اور پھر سو گیا۔ جانے پھر کیا ہوا کہ اورات کا کون سا نام تھا مجھے یاد نہیں ہے میں اس رات کسی کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا وہ کون تھا کیا تھا مجھے نہیں علم لیکن میں پھر بھی اس کے پیچھے چلا جا رہا تھا وہ جو بھی تھا سفید چادر میں ملبوس ایک عورت ذات بھی جو درمیانے قد کی مالک اور درمیانے جسم کی مالک بھی مگر وہ اس کفن نما لباس میں شکستہ قدموں سے کیوں چل رہی تھی یہ مجھے نہیں معلوم تھا مگر میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا اک دفعہ تو میری جان ہی نکل گئی جب اس پر اسرار کفن پوش عورت نے میری جانب مڑ کر دیکھا مگر میں اسی وقت پر چاند بادلوں کی اوٹ میں چلا گیا اور اسی وجہ سے میں یہ نہ دیکھ پایا کہ وہ ہزندہ یا مردہ کون ہے پھر وہ اسی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے بڑھنے لگی تو میں بھی کانپتے بدن ڈگمگاتے قدم اور ڈھرتے دل کے ساتھ جو خوف کی لہر ادلی کے باعث سینے کی قید سے کسی آزاد چھٹی کی طرح فرار ہونا چاہتا تھا اور اس عورت کے پیچھے چلنے لگا لیکن یہ دیکھ کر حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا یہ سڑک تو جانی پہنچانی سے غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ یہ سڑک تو وہی ہے جہاں آج کل میں رہ رہا ہوں پھر میں میرے مکان کے آگے وہ سفید وجود رک گیا اس نے ہونے ہونے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا تو دروازہ تیزی سے کھل گیا حالانکہ مجھے یاد تھا کہ میں نے اسے

میں روزانہ اس پر حاضری دیا کروں گا فاتحہ پڑھا کروں گا اور پھر ایک مردہ انسان سے بھلا مجھے کیا تکلیف ہو سکتی تھی میں نے قبر کا معائنہ کرنے کا سوچا اور اٹھ کر قبر کے پاس آیا قبر کا کتبہ کافی صاف تھا اور اس پر پھول بھی پرے تھے اگر بیٹوں کی مہک سے فضا معطر ہو رہی تھی پورے ماحول پر ایک نامانوس سی اداسی چھائی ہوئی تھی میں نے قریب جا کر کتبہ پڑھا یہ کسی لڑکی کی قبر تھی جس کا نام عالیہ تھا اور اس کی عمر چوبیس سال بھی جیسے وہ فوت ہوئی میں نے عالیہ کی قبر کو صاف کیا تو اچانکی مٹی پر تازہ پاؤں کے نشانات دیکھ کر میں سہم گیا قبر کی مٹی اور ارد گرد کسی کے ننگے پاؤں چلنے کے نشانات واضح تھے ایسے لگتا تھا کہ جیسے کوئی واقعی میں ادھر موجود تھا مگر کون یہ میرے لیے اچھپنے کی بات تھی میں واقعی ڈر گیا تھا اس ویران گھر میں کسی خوفناک کہانی جیسا پس منظر اور پھر گھر میں موجود قبر جس پر تازہ قدموں کے نشان کسی بھی انسان کو ڈرانے کے لئے کافی تھے پھر میں نے سوچا کہ شاید یہ پاؤں کے نشانات کسی چوراہے کے ہوں جو رات کو ادھر آیا ہو اس خیال سے میرا ڈر ہوا ذہن میں اپنی اصلی حالت میں آنے لگا اور اس سے پہلے کہ مجھ پر مزید کچھ انکشافات ہوتے میں تیزی سے اس ماحول سے نکل کر کمرے میں آ گیا سوچنے لگا کہ یہ بنگلہ نما مکان جس نے بھی بنایا تھا بڑے ارمانوں سے بنایا تھا مگر افسوس اسے اس گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا تھا وہ شاید ادھر سے نہیں اور چلے گئے ہوں مگر کیوں یہ کیوں بھی بڑا عجیب لفظ ہے ہماری زبان میں کیوں کا جواب بڑے سے بڑا مفکر بھی نہ دے پایا اور اگر وہ جواب دینے میں کامیاب ہو جاتا تو ماضی کے عظیم عالیشان محلات جواب کھنڈر بن چکے ہیں وہ لہو گر مانی حسین لڑکیاں جواب فقط ایک ڈھانچے کی شکل میں باقی بھی ہیں کہ نہیں اور وہ عہد رفتہ کے عظیم اور جلال والے بادشاہ جو بھی اپنی ناک

تالے سے بند کیا تھا وہ انجانی عورت گیٹ سے گزر کر آہستہ آہستہ سے اس پر اسرار باغ میں سے گزر کر اس قبر کی طرف بڑھنے لگا وہ کسی رو بوٹ کی مانند حرکت کر رہی تھی اور پھر وہ عین اس قبر کے پاس جا کر رک گئی اور اس نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا میں جو اس سے بمشکل سات فٹ کے فاصلہ پر چل رہا تھا اسے ایسا کرتے دیکھ کر تیزی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا خدا جانے اس نے مجھے دیکھا یا نہیں ایک تو رات کا منظر اوپر سے یہ اجڑا باغ اور پھر ایک لاش نما عورت مجھ کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھی میں حیران تھا کہ میں ادھر کیسے آ گیا حالانکہ میں تو سو رہا تھا تو پھر اس باغ میں کیسے آیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں باہر کیسے نکلا اور یہ عورت کون تھی جس کا میں تعاقب کر رہا تھا سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹنے لگا خدا جانے کیسے ارازا تھا اور نجائے میرے ساتھ یہ سب کیسے ہو گیا میں کدھر آ کے پھنس گیا تھا اچھا بھلا گھر تھا جانے کسی منٹوں نے اسے نظر لگا دی تھی بحر حال اس پر اسرار کفن پوش عورت نے مجھے نہیں دیکھا پھر اس کے بعد جو منظر میں نے دیکھا وہ اگر کوئی اور دیکھ لیتا تو اسی وقت بے ہوش ہو جاتا میں نجائے کیسے اس منظر کی تاب لا رہا تھا مگر میرے ہوش اڑ گئے اور اوسان خطا ہو گئے میں نے قبر کو پھینتے ہوئے درمیان سے شق ہوتے ہوئے دیکھا وہ کفن پوش عورت اس قبر میں اتر گئی۔ اور پھر قبر اسی طرح بند ہوئی شدید سردی کے عالم میں مجھے پسینہ آ گیا اور خوف سے میرا چہرہ پیلا ہو گیا ایسا بھیا تک منظر دل کو دہلا دینے کے لیے کافی تھا میں نے چند لمحے تک اس خونچکاں منظر کو کھلی نگاہوں سے دیکھا قبر کے قریب آتے ہوئے میری ٹانگیں خوف سے کانپ رہی تھیں دل بھی بلیوں کی مانند اچھل رہا تھا لیکن پھر بھی میں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کیا واقعی جو میں نے دیکھا ہے سب سچ ہے یا میری نگاہوں کو دھوکا ہوا ہے جو کچھ

میں دیکھ رہا تھا کیا یہ حقیقت بھی ہے یا صرف میری ذہنی اختراع ہے قبر کے عین اوپر آ کر میں نے غور سے قبر کو دیکھا قبر کی موجودہ حالت بالکل ٹھیک تھی اور شق ہونا تو کجا اک بار یک لکیر تک نہیں تھی۔ ذرا سا بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ قبر شق ہوئی ہے میں نے اکھیاں مل کر نہایت توجہ سے دوبارہ قبر کو دیکھا مگر قبر جوں کی توں تھی میں حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ یا خدا یا یہ چکر کیا ہے اتنے اچھے گھر میں یہ باغ اور اوپر سے قبر کی موجودگی جس میں مردہ بھی داخل ہوتا ہے کبھی باہر نکلتا ہے تو یہ قبر تو نہ ہوتی رینٹ اسے قبر ہوتی اور قبر جس کی ملکیت ہے مجھے بھی وہ کوئی حکیم صاحب کا ہم پلہ لگتا تھا۔ بحر حال پے در پے خوفناک واقعات نے مجھ جیسے مصور کو سخت اذیت دے دی تھی اور ایسے خونچکاں بھونچکاں منظر میں میں دہشت زدہ سا ہو کر قبر کا تفصیلی معائنہ کر چکا تھا مگر مجھے کوئی سراغ نہ ملا کہ آیا وہ کفن پوش عورت اسی میں دفن ہوئی ہے تنگ آ کر میں بٹنے ہی والا تھا کہ اچانک میں نے پھر ایک اور بھیا تک منظر دیکھا قبر اسی طرح پھر سے شق ہوئی اور اسی میں سے ایک استخوانی ہاتھ نمودار ہوا اور نہایت تیزی سے اس نے میری گردن پکڑ لی مارے خوف کے میرے منہ سے ایک بھیا تک چیخ نکلی جس سے رات کا پرسکون ماحول میں چھایا گہرا سکوت ٹوٹ گیا۔ میں نے فوراً دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور استخوانی ہاتھ نے میری گردن گردن پر ڈھیلی کر دی مگر دوڑتے دوڑتے میں پانی کے اسی تالاب میں جا گرا اور میں سر زور سے کسی چیز سے جا ٹکرایا جس سے میری آنکھوں کے آگے تارے ٹاپنے لگے اور ایک دفعہ پھر وہی بھیا تک چیخ میرے منہ سے ادا ہوئی اور میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا آنکھ کھلی تو میں نے خود کو پلنگ سے گرا ہوا پایا۔ مگر شدید سردی کے عالم میں میرا جسم پسینہ پسینہ تھا اور میرا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا اور میرا پورا وجود

تھوڑی دیر قبل دیکھے گئے خوابیدہ مناظر کی دہشت سے اٹھل پھل ہو رہا تھا چند لمحوں تک تو اسی طرح گرے ہوئے میں نے اپنی سانس درست کی پھر سر کو چپک کیا خدا کا شکر تھا کہ میرا سر بالکل ٹھیک تھا کوئی بھی چوٹ نہ لگی تھی پھر میں اٹھا اور کمرے کی کنڈی چپک کی جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ صرف خواب تھا۔ یہ سوچ کر دل کو تسلی دی اور میں نے ٹھنڈی سانس لی اور بیل پر پڑا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دی پانی پی کر مجھے حوصلہ ہوا مگر رے میں ٹھنسی مجھے محسوس ہوئی اور میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو مجھے حیرانگی ہوئی کیونکہ وہ بند تھی حالانکہ میں اسے کھول کر سویا تھا پھر بند کیسے ہو گئی بحر حال میں وہاں سے اٹھا اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے ٹھنڈی اور تازہ ہوا کے آتے ہی میرا ذہن بھی ٹھلنے لگا اور میں نے لمبی لمبی سانس لینا شروع کر دیں ذہن فریش ہوتے ہی دماغ میں چھائی دہشت بھی نودو گیارو ہوئے لگی اچانک غیر ارادی طور پر میں نے کھڑکی سے نظر آنے والی بارغ میں موجود قبر کی طرف دیکھا اور میں اچھل پڑا۔

سائیں کا منظر بالکل ایسے تھا اسی قبر کے سر ہانے ایک چراغ روشن تھا جو پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا یہ دیکھ کر خوف اور ہشت نے مجھے ایک بار پھر سے ترس کر پکڑ لیا اور میں ٹٹک سا ہو کے دیے کی ٹٹمٹاتی ہوئی لو کو دیکھنے لگا پسینے کے قطرے میرے ماتھے پر نمودار ہوئے مجھے اچھی طرح علم ہو گیا کہ اس مکان میں ضرور کچھ ایسا ہے جو عام دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہے اس دیران مکان کی ویرانی میں اسی حالات واقعات کا اثر نمایاں ہے یہاں رہنا مطلب اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے مجھے اس مکان سے جانا ہی ہو گا ورنہ تو ان بھیانک مناظر سے دور رہ کر اپنا کام کر سکوں گا ورنہ ہی میں اس میں ٹٹک سکوں گا کیونکہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے یہ تو ٹریلر ہے

اور فلم تو شاید ابھی باقی ہے دہشت کی جگہ میرے دماغ میں سوچوں کی یلغار اٹھ آئی اور میں نے تیزی سے کھڑکی بند کی اور جو کچھ سورتیں یاد تھیں سب پڑھ کر خود پر پھونک ماری اور ذہن کے گھوڑوں کو دہشت وڈر کے راستے سے نکال کر نیند کی وادیوں میں دوڑانے لگا پھر صبح کیسے ہوئی مجھے علم نہ تھا۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آوازوں سے میں ہوش کی دنیا میں واپس آیا میں نے آنکھیں کھول دیں اور خود کو گندمارنگ کہا اور کوئی میرا تھا نہیں جسے میں یہ کہتا میں اپنا آپ ہی اپنا سب کچھ تھا اس لیے میں اپنے وجود کو ہی گندمارنگ کہتا تھا اور وجود سے بالکل کسی دوست کی طرح باتیں کرتا تھا میں تیزی سے اٹھ کر ہاتھ روم بھاگ نہا کر واپس آیا اور ناشتہ تیار کیا جس میں چائے اور پرائٹ اور ایک انڈیا جیوزو تھا ناشتے سے فارغ ہو کر میں فوراً عبداللہ کے ہاں روانہ ہو گیا گیٹ سے باہر جاتے وقت میں نے سرسری طور پر قبر کی طرف دیکھا وہاں دیئے کا نام و نچان تک نہ تھا اور پھر میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر قبر کی طرف بڑھے لگا قبر کی طرف آ کر میں نے ایک دفعہ پھر اسے غور سے دیکھا تو چراغ تھا اور نہ ہی قبر کو شق ہونے کا ذرا بھی سراغ البتہ پاؤں کے نشانات واضح تھے میں نے کچھ سوچ کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر قبر والے کی روح کو بخش دی اور اپنے قدموں واپس آتے ہوئے گیٹ سے نکل گیا۔

میرا ارادہ عبداللہ کے ہاں جا کر اسے ساری صورتحال سے آگاہ کرنا تھا اور پھر سے نئے مکان کی تلاش میں بدد کروانے کا تھا کیونکہ اس گھر میں رات کو جو میرے ساتھ ہوا تھا اس نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے اور مجھ جیسا تنہائی پسند شخص ان واقعات کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا رکشہ سے اتر کر میں نے عبداللہ کے مکان کو دیکھا جس میں لگا ہوا تالہ میرا منہ چڑھا رہا تھا وہ شاید کہیں گئے تھے میں خالی قدموں سے

واپس آیا اور ایک طرف مین پارک کی طرف چل دیا
میں ویسے ہی وقت گزاری کرنا چاہتا تھا اس لیے اس
شہر کے سب سے بڑے پارک کی طرف آ نکلا میرا
ذہن اب بھی گزشتہ رات والے واقعات میں الجھا
ہوا تھا اور عبد اللہ کی غیر موجودگی میں نیا مکان کا
ڈھونڈنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا پارک میں
داخل ہو کر میں ایک خالی بیچ پر جا بیٹھا اور مستقبل کے
بارے میں غور کرنے لگا میرے والے بیچ سے ٹھوڑا
دور ایک خالی بیچ تھا جس پر تھوڑی دیر بعد ایک حسین
لڑکی آ بیٹھی وہ بلاشبہ کافی حسین بھی اور لاکھوں میں
ایک تھی لمبے لمبے بال موٹی آنکھیں پتلی ناک اور
درمیانے ہونٹ اور پتلا اور گداز بدن تھا وہ بلاشبہ ایک
اپسرا تھی میں اسے کمر لگا دیکھنے لگا اور اس کے حسین
سراپے میں کھو گیا۔ وہ اس وقت اکیلی تھی اور شاید وہ
بھی وقت گزاری کے لیے ادھر آئی تھی وہ بیچ پر بیٹھی
ادھر ادھر نظروں کے زاوے گھمراہی تھی اور جب اس
نے مجھے متواتر اپنی طرف گھورتے دیکھا تو تھوڑی
جھپٹ سی گئی اور منہ دوسری طرف کر لیا ہائے ظالم کیا
کر دیا تو نے ابے کچھ تو اپنے حسن کی حیرات سے
ہمیں گوازا ہوتا میں نے دل میں کہا وہ پیچھے مڑ کر بار
بار میری طرف دیکھتی جیسے یہ دیکھ رہی ہو کہ میں اسے
تک رہا ہوں کہ نہیں بد گھر کر مجھے اچھا لگا اور میں اسے
تواتر سے دیکھنے لگا اگلے آسمانی کپڑوں میں ملبوس وہ
قاتل حسینہ وہاں سے اٹھ کر ایک طرف چل دی وہ ابھی
تو کیا میرا چین بھی ساتھ لے گئی اور خراماں خراماں
انداز میں چلتی ہوئی ایک طرف چل دی۔ میں نے
اسے جانا ہوا دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری اور سوچا جانے وہ
کون خوش نصیب ہوگا جس کی زندگی میں اس حسینہ
کے دم سے بہار آئے گی ہم جیسے دو نکلے کے مصور کی
ایسی قسمت کہاں کہ اس حسینہ کی قربت سے خود کو
سرفراز کر سکیں۔ ہم تو بد نصیب لوگ ان خوبصورت
تخیلیوں کو دیکھ کر صرف آہیں بھر سکتے ہیں دو گھنٹے تک

میں اس حسینہ کے سحر میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ مجھے سب
کچھ بھول گیا کہ میں کہاں آیا تھا اور کس مقصد سے
ادھر آیا تھا بات یہ نہیں تھی کہ میں نے لڑکیاں نہیں
دیکھی تھیں مگر اس سے زیادہ حسین لڑکی اس سے پہلے
کبھی نہیں دیکھی تھی وہ بلاشبہ میری مصوری کے لائق
تھی اور اس کے عین نقوش میں نے زہن کے
خانوں میں فٹ کر لیے تھے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ
آج ہی رانا صاحب کی تصویر کے بعد اس کے حسینہ
کے حسن کو اپنے کنوس کے سانچے میں ڈھالوں گا میں
اسی حسینہ کے سراپے میں مین پارک سے اٹھا اور
عبد اللہ کے گھر آیا مگر وہ ابھی تک بند تھا میں مایوسی کے
عالم میں واپس آیا اور ایک سنڈے میگزین لیتا ہوا
واپس مکان میں آ گیا۔۔۔ مکان میں وہی طویل اور
براسرار خاموشی چھائی تھی میں نے رانا صاحب کی
تصویر کو فائل بیچ دیا اور بدرجہہ کہ رانا صاحب کو بھیج
دی اور پھر اس حسینہ کے سراپے کو کیونوس پر بکھیرنے لگا
میں اس تصویر میں اتنا مگن تھا کہ مجھے ٹائم کا اندازہ بھی
نہ ہوا اور کب عصر ہو گئی مجھے علم نہ تھا مگر اسٹے ٹائم بعد
میں نے تصویر مکمل کر لی تھی بالکل ویسی ہی وہ حسینہ اس
وقت میرے سامنے تھی میں نے تصویر کو اتار کر فریم
لگوانے کی غرض سے ایک شاپ پر آیا اور پھر اسی
تصویر کو فریم کر دیا کے بیڈروم میں اوچی جگہ ٹانگ دیا
اس تصویر کے آجانے سے میرے کمرے میں گویا
روشن آگئی تھی اور میں ٹکڑا سے دیکھ رہا تھا اور دل کی
پیاں بجھانے لگا تھا۔ یہ رات میری توقع کے
برخلاف بڑی پرسکون گزری تھی اور میں نے اس تصویر
کے سائے میں رات گزاری تھی قبر پر دیا جلایا نہیں
مجھے علم نہ ہوا اور نہ ہی مجھے کوئی ڈراؤنا خواب آیا صبح
سورے ہی رانا صاحب بذات خود آدھمکے اور شکوے
کے انداز میں بولے۔
خان صاحب یہ آپ نے کس کی تصویر بنادی
ہے مجھے۔

میں ایسا نہ کر سکا اور سامنے میری نگاہوں کے کمرے کا منظر خود بخود بدلنے لگا بالکل کسی فلم کی طرح تھا میں نے کمرے کو بالکل عروسی کمرے کی طرح سجا ہوا دیکھا اور پھر میں نے ہنس کمرے میں میاں بیوی کو دیکھا میاں اپنی بیوی کا گھونگھٹ اتار رہا تھا بیوی کے گورے گورے ہاتھ اور پیر سرخ رنگ کے عروسی جوڑے میں نہایت بھلے معلوم ہو رہے تھے مگر اچانک نہ جانے دولہا میاں کو کیا ہوا اس نے پلک جھپکتے ہوئے کمرے میں ازسا خنجر نکالا اور لپک کر دلہن کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھ گیا اور آن کی آن میں اس نے وہ خنجر دلہن کے سینے میں کھونپ دیا یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ دلہن جو آنے والے حسین مناظر کے سحر میں گم تھی دماغی مزاحمت نہ کر سکی وہ قاتل ہاتھ دوبارہ حرکت میں آیا اور بے درپے وار کر کے اس نے اپنی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس کا سرخ خون بند کی چادر کو سیراب کرتا ہوا نیچے قطرہ قطرہ فرش پر جمع ہونے لگا وہ لڑکا اچانک وہ بند سے کودا اور کھڑکی کھول کر کمرے سے فرار ہو گیا پھر اچانک مجھے ہوش آ گیا اور کسی نے میرے کمرے کے ہوئے وجود کو چھوڑ دیا تو میں نے خواب کے زیر اثر کمرے کے بند کو دیکھا جہاں اب سے چند لمحے پہلے ایک دلہن کی ارا مانوں بھری لاش پڑی تھی اور اسے گر بناک انداز میں اس کا مجازی خدا بے دردی سے مار کر فرار ہو چکا تھا اب کچھ بھی نہ تھا بلکہ کمرہ پھر سے سادہ ہو گیا اور ایسے ہی تھا جیسے میں نے اسے سیٹ کیا تھا یہ خونچکاں بھونچکاں مناظر نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے اور میرا ذہن جیسے ماؤف ہونے لگا اور مجھے لگنے لگا کہ جیسے پورے کا پورا کمرہ گھوم رہا ہے ان بھیانک لمحوں کے مناظر جو میں نے ابھی دیکھے تھے جس میں ایک دلہن قتل ہوئی تھی میرے سامنے میری نظریں اسے برداشت نہ کر سکیں اور میں گر کے بے ہوش ہو گیا ہوش آیا تو رات ہو چکی تھی اور نجانے رات کا کون سا پہر تھا میں

میں نے تصویر دیکھی تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا کیونکہ میں نے رانا صاحب کو یہ تصویر ہرگز ارسال نہیں کی تھی بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر پیک کی تھی اور انکی تصویر نہ تھی پھر یہ تصویر کیسے آگئی جو اس سے بالکل الگ تھی بحر حال میں نے رانا صاحب سے معافی مانگی اور ان کی تصویر کل دینے کا وعدہ کر لیا اور وہ جب وہ چلے گئے تو میں نے اس تصویر کا تفصیل جائزہ لیا میں جتنا سوچتا گیا اتنا ہی میرا ذہن ماؤف ہوتا گیا۔ یہ تصویر آخر کیسے میں نے ارسال کر دی حالانکہ میں نے تو عقل اور دماغ دنگ تھا کہ معجزہ ہوا بھی تو کیسے ہوا تصویر کا منظر ہی بالکل الگ ہو گیا تھا۔ یہ ایک سیاہگ کی بیج کا منظر تھا جس میں ہر طرف رنگ بھرے ہوئے تھے ایک نوجوان لڑکا جس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار خنجر تھا مگر اس کی پشت سامنے ہونے کی وجہ سے اس کا سراپا نمایاں نہ تھا۔ وہ خنجر ایک نہایت ہی حسین لڑکی کے سینے سے نکلتا ہوا چادر کو داغدار کر رہا تھا اس تصویر کو میں نے کئی منٹ تک غور سے دیکھا مگر کوئی خاص چیز مجھے اس کے علاوہ دکھائی نہ دی پھر اکتا کر میں نے تصویر کو رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ اس تصویر میں کوئی خاص بات لازمی ہے اور تصویر بھی خاص اچھوتے انداز میں ایک اچھوتے منظر پر بنائی گئی ہے میں دوبارہ اس تصویر میں کھویا تو مجھے ایسا لگا کہ جس کمرے میں میں بیٹھا ہوا ہوں یہ کمرہ اور اس خونی تصویر کا کمرہ ایک جیسا ہے یہ دیکھ کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے یہ واقعی میرے بند روم کا منظر تھا کیونکہ اس تصویر کے سامنے والی دیوار پر ایک گہرا اور کالے رنگ کا نشان نمایاں تھا جو تصویر سے ہٹ کر میرے سامنے بند کے اوپر کھڑا میری آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ تصویر ساکت تھی مگر کمرہ جیتا جاگتا میرے سامنے تھا پھر اچانک میری آنکھوں میں کچھ کچھ منظر ابھرنے لگے اور دماغ ایک جگہ فوکس ہونے لگا میں نے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی مگر

والا منظر یاد آ گیا میں اچھل پڑا مجھے لگا کہ جیسے ابھی وہ دھویں والا وجود پھر سے کہیں سے نمودار ہو گیا ہوگا اور مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ مجھے اس مکان سے خوف آنے لگا مکان کا سایہ مجھے اپنے اندر سمونے لگا میں تیزی سے اٹھا میں تیزی سے اٹھا اور تقریباً دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل کر گیٹ کی طرف بڑھا اچانک میں نے قبر کی طرف دیکھا تو ایک دفعہ پھر میرے ہوش اڑ گئے کیونکہ سامنے ایک کی جائے دو قبریں تھیں دو قبریں دیکھ کر اپنے آپ ہی میرے چلنے کی رفتار کچھ زیادہ ہو گئی اور میں ڈورتا ہوا گیٹ سے ایسے نکلا کہ وہاں یہ جیل خانہ ہو جہاں میں بس سال بعد نکل رہا ہوں گھر سے باہر روڈ پر آ کر میں ٹھنڈا سانس لیا اور مزہ کر دیکھا جو شاید میری بے بسی پر مسکرا رہا تھا مجھے اپنی خوش بخشی پر خوش آنے لگی کہ شکر ہے کہ میں نام سے اس منحوس گھر سے نکل آیا ورنہ جانے وہ عفریت میرے ساتھ کیا حال کرتی اور وہ ایک قبر والی مصیبت کیا گم تھی جو اوپر سے دو دو قبریں نمودار ہو گئی تھیں اور دو قبروں کا مطلب ڈبل مصیبت تھا بانپتا اور کانپتا ہوا اور خود کو تسلی دیتا ہوا میں عبد اللہ کے گھر کی طرف آ گیا مگر وہاں پر تالا لگا ہوا تھا حسب معمول میرا منہ چڑا رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آج بھی گھر نہیں آئے تھے پھر اچانک میرے ذہن میں پارک والی حسینہ کا خیال آیا تو جیسے سارڈر اور ساری میری پریشانی رخصت ہو گئی میں تیز قدم اٹھاتا ہوا پارک میں آ گیا اور بھوکے عقاب کی نگاہوں کا پینترہ بدل بدل کر اس حسینہ فاختہ کو تلاش کرنے لگا مگر وہ اس سے ادھر موجود نہ تھی شاید وہ آگے چلی گئی تھی یا اس کے آنے میں ابھی سے تھا میں شدید انداز میں اس کا انتظار کرنے لگا مگر دو گھنٹے گزر گئے وہ نہ آئی تو میں شدید مایوسی کے عالم میں اٹھا اور پارک سے ہوتا ہوا پکی سڑک پر اس کرنے لگا مگر دور سے آتی ہوئی تیز رفتار کار کے تیز ہارن کی وجہ سے مجھے رکتا پڑا سفید

فرش پر آتر چھا لینا ہوا تھا ہر طرف گھپ اندھیرا تھا شاید بجلی نہ تھی میں اٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے کسی کی کراہ کی آواز سنائی دی تو میرے کان پھر سے کھڑے ہو گئے درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں وہ کراہ ایک بار پھر میری سماعت سے نکرانی تو دل ایک بار پھر اچھل کر کود کی مشق کرنے لگا میرا خون خشک ہونے لگا اور مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری ہستی کے علاوہ بھی کوئی اور اس کمرے میں موجود ہے مگر کون کہیں وہی رات والی پراسرار کفن پوش نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی میں دہشت زدہ ہو گیا اچانک میں نے کمرے میں سفید رنگ کا دھواں سا کہیں سے نمودار ہوتے دیکھا اور وہ دھواں ایک مجسم شکل میں اکٹھا ہونے لگا اور اس شکل کو میں نے غور سے دیکھا تو وہ ایک نسوانی وجود تھا اور اس سے وحشت ناک منظر جو میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس نسوانی وجود کے سینے میں بھی خنجر دھتے تک پیوست تھا مطلب وہ تصویر والی لڑکی تصویر سے نکل کر اس روح کی شکل میں میرے سامنے تھی اور ٹپ ٹپ کی آواز سے کچھ فرش پر گر رہا تھا۔ یہ یقیناً خون ہی ہوگا جو اسی منظر کی طرح اس کے جسم سے نکل کر فرش کو رنگین کر رہا ہے پھر بھانک منظر دیکھ کر میں پھر سے دہشت زدہ ہو گیا جیل میں میں نے لڑکی کو خنجر اپنے جسم سے نکال کر اپنے جسم میں پیوست کرتے دیکھا تو ایک بار پھر دہشت سے میری بھانک آواز نکلی اور میں چلا کر اسی طرح بے ہوش ہو گیا بے ہوش سے قبل میں نے اس دھویں والے انسان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا اور مجھے لگا کہ اب میری آنکھ قبر میں ہی کھلے گی کیونکہ اس وجود کے ارادے مجھے اچھے نہ لگے تھے جب دوبارہ آنکھ کھلی تو میں کسمسا کر آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر اور ہاتھ سے نٹول کر یہ چیک کرنا چاہا کہ میں زندہ بھی ہوں یا میرا نام نام ست ہو گیا ہے مگر خدا کا شکر تھا کہ میں اسی طرح ازا تر چھا اپنے کمرے میں لینا ہوا تھا پھر جب ذرا ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے رات

رنگ کی مرسدیز ڈپلومیٹ کا تھی میں نے حسرت سے کار کو دیکھا مگر ڈرائیور والی جگہ پر اسی قاتل حسینہ کو دیکھ کر میں جیسے دنگ رہ گیا وہ سفید مرسدیز کا رکشی اور کی نہیں تھی بلکہ اسی قاتل حسینہ کی تھی جسے وہ بڑی تیز رفتاری سے چلا رہی تھی اور شاید اس کی تیز رفتاری میرے لیے بارانِ رحمت بن گئی تھی کیونکہ اس حسینہ نے اسی تیز رفتاری کی وجہ سے مجھے اپنے حسن کی خیرات سے نوازا دیا تھا۔ چند ثانیے کے لیے اس کی اور میری نظریں چار ہوئیں اور مجھے ایک کرنٹ سا لگا اپنی نظروں کو خیرہ کرتا ہوا میں اس کار کے چلے جانے کے بعد چل دیا پارک سے گزرنے کے بعد میں سیدھا عبداللہ کے گھر گیا مگر ان کا گھر ابھی تک بند تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی نہیں آئے تھے وہاں سے مایوس ہو کر میں اخبارات کے سٹال تک گیا اور ایک ہفتہ وار میگزین لے کر یونہی درق گردانی کرنے لگا مگر ایک صفحے پر نظریں پڑتے ہی میری نظر وہیں ٹپک گئیں میں نے دیکھا وہ اشتہار تھا ایک عامل کا جس کا نام تھا حاجی بابا جلال جلالی ادھر کال ادھر دھماں محبوب بولے آپ کی بولی ادھر رسم ادھر ڈولی ہر وہ کام لیں جو دوسرے چھوڑ جائیں مجھے وہ مقصد بتائیں جو ملتا نہیں وہ عمل بتائیں جو چلتا نہیں وہ انسان بتائیں جو مانتا ہی نہیں قوتِ ایمانی کرنے میں مشکل میں آسانی میں نہ نبوی ہوں نہ ہاتھ دیکھنے والا ہوں بس میرے پاس آئیں اپنا نام بتائیں پھر میں وہ سب کچھ کر دوں گا جو آپ چاہتے ہیں کیونکہ خبیث جنات بھی ہمارے ہاتھ کا دیا ہوا کھاتے ہیں میرے عمل کو جی ثابت کرنے والے کو دس لاکھ کا انعام۔ جادو نو نہ محبت میں ناکامی بیرون ملک سفر پر انز بانڈ غرض ہر قسم کے مسائل کا حل میرے پاس ہے اگر کوئی دل ہے جس پر آپ قابو پانا چاہتے ہیں تو آج میں حاجی بابا جلال جلالی کے پاس ہر کام اڑھائی سیکنڈ اڑھائی منٹ اور اڑھائی دن میں ہوگا آزمائش شرط ہے۔

یہ اشتہار پڑھ کر میں تذبذب کا شکار ہو گیا۔ حاجی بابا جلال جلالی نے بڑے تھکے انداز میں اپنی جوانمردی کے قصے اس اشتہار میں شائع کرائے تھے اشتہار پڑھ کر لگتا تھا کہ گویا سارے جہاں کے وہی مائی باپ ہیں میں سوچنے لگا کہ اس جلالی بابا کے پاس جانا چاہیے کہ نہیں ناظم گزرتا جا رہا تھا اور میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے اس آسیب زدہ گھر میں جانا چاہیے کہ نہیں اسی کشمکش میں میں نے ہوٹل سے کال لکھا یا اور وہیں چاہے پیتے ہوئے میں نے طویل سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ مجھے گھر جانا چاہیے مگر رات کے واقعات یاد آتے ہی تمام فیصلے پر جیسے اوس پڑ گئی اور مجھے لگنے لگا کہ گزشتہ رات تو شاید اس چاقو بردار روح نے میرا لحاظ کر لیا تھا۔ مگر اگر آج میں ادھر گیا تو میرا آرام نام ست پایا ہو جائے گا اور شاید میری بھی قبر اسی باغ میں بنے گی جس پر میرے نام کا کتبہ لگے گا اور پھر میں بھی روح بن کر لوگوں کو ڈراؤں گا یہ سوچ کر میرے بدن میں جھرجھری لی بحر حال شام ہو گئی اور میں کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکا تب مجھے اسی عامل کا خیال آیا کہ چلو ایک باران کے جلال سے فیض یاب ہوتے ہیں میں رکشے میں بیٹھا اور مدد راس کی گلیاں گھومتا ہوا جلالی بابا کے جلال خانے آ گیا جلال خانہ کیا ایک دو منزلہ مکان تھا جس پر بڑے سے نمین کے ڈبے کوکٹ کراک کیونٹن نما بورڈ بنایا گیا اور اس پر بڑے حروف میں عامل کا نام اور نیچے انکے طوفانی کارنامے لکھے ہوئے تھے میں سر جھکا کر دستک دیتا ہوا اور ایک میاں مٹھو کی سی شکل والے خادم کی ہمرائی میں جلالی بابا کے سامنے موجود تھا جلالی بابا کی شکل سے ہی جلال ٹپک رہا تھا وہ ایک نہایت ہی لمبوتری شکل کے مالک تھے جن کی آنکھیں الو کی طرح گول گول اور سر کے بال بڑے بڑے تھے وہ زمین پر آرام دہ قالین پر براجمان تھے کچھ لوگ اور بھی تھے جو ان کو اپنا مسئلہ بتا رہے تھے جن کو وہ یا تو جھاڑ پھونک سے رام کر لیتے

کم از کم روپے تو لگیں گے اور ویسے بھی میرے موکلات ان سے جنگ کریں گے اور تم کو پتہ ہے خالی پیٹ مرنا اچھا لڑتا ہے مگر لڑنے کے بعد اس کی سیوا کرنی پڑتی ہے۔

تم مگر جلالی صاحب خدا را کچھ تو شفقت کریں میرے نازک سی جان پر میں کسماتے ہوئے ہوں بحر حال وہ کہتے ہیں ناکہ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی تو معاملہ دس ہزار میں فکس ہو گیا۔

تو ٹھیک ہے آپ جائیں میں دو گھنٹے میں حاضر ہوتا ہوں

جلالی بابا بولے تو میں منمناتے ہوئے بولا باباجی میں اکیلا اس گھر میں بذات خود قدم رجمیدہ نہیں کر سکتا سادہ ایسا نہ ہو کہ آپ کو اپنے موکلات کی سیوا کے لیے رقم دینے والا خود موکل نہ بنا کھڑا ہو سمجھا کرو تا باباجی۔ میں بڑی مشکل سے ادھر سے بھاگ کر آیا ہوں اور دوبارہ میں آپ کے ہی ہنفسہ نفیس جاؤں گا میں نے عامل کے پاؤں پکڑ لیے تو وہ شاید کچھ جوش میں آگئے اور بولے۔

ہوں برخوردار اگر یہ بات ہے تو ایسا کرو کہ تم باہر دروازے پر ہمارا انتظار کرو ہم اپنے موکلات کو تیار کروا کر آتے ہیں میں نے خوشی کا اظہار کیا اور پھر وہاں سے اٹھ کر نیچے والے کمرے کے دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب عامل صاحب اپنے موکلات کی بقول انکے تیاری کروا کر تشریف کے نوکرے سمیت قدم آہ کرتے ہیں دو گھنٹے گزر گئے مگر عامل صاحب کی تیاری کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئی تھی میں سوچنے لگا کہ لگتا ہے کہ عامل صاحب اپنے موکلات کو گویا زرہ بکتر پہنا رہے ہیں اور نہیں صلاح الدین ایوبی کے ہم رکاب جنگ پر روانہ کرنا چاہتے ہیں سرد سے میری قفنی جم گئی تھی اور دانت ایسے بک رہے تھے گویا گویا شہر کا گھنہ خدا خدا کر کے عامل صاحب کے چہرے کا دیدار نصیب ہوا

یا پھر ایک تعویذوں والی قصبی میں ہاتھ ڈال کر ایک تعویذ تمہارے گھر میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ اگر کوئی جکے اور چھوٹے نوٹوں سے ان کی تواضع کرتا تو وہ نہایت ہی غصہ سے جھاڑ پھونک کرتے مگر بڑے نوٹ دیکھ کر ان کا ہاتھ مقناطیس کی طرح قصبی میں رینگ جاتا اور چہرے پر گویا بہار آ جاتی میری باری آئی تو میں ادب سے اٹھا اور ان کے سامنے دوڑا تو ہو کر تفصیل سے اپنا مسئلہ بیان کیا تو وہ عجیب سی شکل کا آدمی سوچ میں پڑ گیا اور اک کاپی پسل لے کر مجھ سے اس مکان کا پتہ پوچھ کر نوٹ کر لیا اور نہایت ہی بھدھی آواز میں بولا۔

ٹھیک ہے آپ چلے جائیں مسٹر آریان احسن صاحب کام ہو جائیگا مگر کام کافی مشکل ہے آپ کی باتوں سے لگتا ہے کہ کالی تخت اور ضدی جن ہے اتنی آسانی سے نہیں مانے گا مجھے سخت ریاضت کرنا ہوگی اور ریاضت پر آپ کو پھتو ہے کہ سوکل کا چائے پانی بھی رکھنا پڑتا ہے جیسے کہ کالا بکراز عرفان وغیرہ وغیرہ تو آپ ایسا کریں کہ مزید پریشان ہونے کی بجائے آپ مبلغ پچاس ہزار کیش نقد ابھی عنایت کر دیں تو ہمارے قول کے مطابق آپ کا کام اڑھائی سیکنڈ اڑھائی منٹ اور اڑھائی دن میں ہو جائے گا پچاس ہزار کا سن کر میرے کانوں سے دھواں نکلنے لگا اور میں اپنی جگہ سے تقریباً چیل پڑا جلالی صاحب نے اپنا جلال کچھ زیادہ ہی جھاڑ دیا تھا جس سے فیض یاب ہونا کم از کم میرے لیے ممکن تھا۔

جلالی صاحب میں نے روجوں کو بھگاتا ہے مبادا یہ نہیں کہ ان کو اپنی زوجیت میں لینا ہے آپ کچھ نظر ثانی کریں میں اسے اپنے نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر جلالی بابا اپنی گول مٹول آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے بولے دیکھو برخوردار چیلوں کو گھر سے بھگانا کوئی آسان کام نہیں ہے نہ ہی گڈے گڈی کا کھیل ہے جب ان کو گھر سے ہٹوائیں گے تو

اس وقت کھانے کو صرف دو تین بسکٹ کے ڈبے پڑے ہوئے تھے جن کو یقیناً میں جائے کے ساتھ نوش کر سکتا تھا جلالی بابا کو قتل پورا کرنے میں ابھی تین گھنٹے تھے اور تین گھنٹوں میں آرام سے میں کھا پی سکتا تھا میں کہن میں گیا اور پانی گرم کرنے لگا جائے بنانے کے لیے بیڈروم میں مکمل سکوت طاری تھا ایسے لگتا تھا کہ جیسے عامل بابا سو چکے ہوں بحر حال میں نے جائے بنائی اور پھر بسکٹ کے ساتھ چائے پینے لگا اور سونے لگا۔

ابھی خاصی میری زندگی میں یہ بھونچال کیسے آگیا کتنا خوش خرم تھا میں شاید مجھے حکیم صاحب کی بدعا لگی ہے اسی لیے میرے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا ہے ورنہ اس سے پہلے تو بھی ایسا نہیں ہوا تھا اس حکیم کے بچے نے ہی مجھے اس حال میں لا کھڑا کیا ہے حکیم کے بچے میں بھی مجھے اسی گھر میں رہ کر دکھاؤں گا۔ میں نے چائے ختم کی تو میں نے سسلس کی طرف دیکھا سوچوں کے کھنور میں میں ایسا جکڑا تھا کہ میں چارڈبے بسکٹ کے پھونک چکا تھا حالانکہ اس سے پہلے میں دو ڈبے بمشکل کھاتا تھا یہ سب حکیم صاحب سے میری عداوت کا کمال تھا کہ میں ان کی عداوت میں اتنے بسکٹ پھونک گیا تھا۔ اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

برتن وغیرہ دھو کر جب میں واپس کمرے میں آیا تو ساڑھے دس ہو چکے تھے یعنی جلالی بابا کو لگے ہوئے پورا ایک دیرھ گھنٹہ گزر گیا تھا مگر ابھی تک انکا جلال نہیں ابھرا تھا شاید وہ بقول ان کے چالو چلاوے سے مذاکرات میں مصروف تھے ہر طرف خاموشی تھی اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے انجانی روہیں خاموشی سے بین کر رہی ہیں ایک خیال کے تحت میں نے جب کھڑکی کے پٹ کھول کر قبر کی طرف دیکھا تو دیاروشن تھا مگر اچانک وہ بجھ گیا اور اس طرف اندھیرا چھا گیا تھا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے جلالی بابا سے

اور مجھے تسلی ہوئی کہ عامل صاحب کے کندھے پر ایک بڑھا تھیلہ لٹکا ہوا تھا اور اس بند تھیلے میں نہ جانے کیا چیز تھی جو اچھل کود کر رہی تھی اس کے بعد تھیلے میں سے کئی غرائشیں ابھرتیں کبھی پھڑپھڑاہٹ اور کبھی بھی چیخنے کی آواز بھی آتی تھی نجانے کون سے اجسام تھے جن کو عامل صاحب نے اپنے جلالی رتبے سے موکلات کی شکل میں ڈھال کر تیاری کروا کے تھیلے میں بند کر دیا تھا ہم نے رکشہ لیا اور ایکس بینہ کراپنے گھر یعنی میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے تھوڑی دیر بعد ہم اپنے مین گیٹ پر تھے میں نے کھلا ہوا گیٹ دیکھا جس کو میں بھاگتے ہوئے کھلا ہی چھوڑ آیا تھا اور پھر جلالی بابا کی ہمراہی میں گھر میں قدم رکھ دیئے سب کچھ جوں کا توں تھا مگر اس قبر پر دیا اسی طرح روشن تھا میں نے ڈرتے ڈرتے جلالی صاحب کی توجہ اس جانب مبذول کروائی تو وہ بھی چونک اٹھے اور پھر داڑھی پر ہاتھ پھیر کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

اچھا تو چالو آسب ہے مگر میرا نام بھی عامل جلالی بابا ہے میں اپنے جلال سے اسی چالو چلاؤں کو بھر نشٹ کر دوں گا کمرے میں آ کر میں نے جائزہ لیا۔ جلالی جی کیا لینا پسند کریں گے آپ۔

ارے کچھ نہیں۔ آپ بس مجھے وہ کمرہ دکھادیں جو کبھی حجرہ عروسی تھا اور ادھر رہ کر میرا انتظار کریں میں تین گھنٹے آپ کے کمرے سے نکلوں گا اور پھر آپ دیکھنا تین گھنٹے کے اندر میں وہ کدکھاؤں گا جو کوئی تین سال میں نہ کر سکے میرا مطلب ہے کہ آپ کو اس چلاوے سے نجات ملنے والی ہے بس آپ میرا کیش تیار رکھنا کیونکہ وہ تم نے سنا ہی ہو گا بر خوردار کہ باپ بڑا نہ بھیا سب سے بڑا روپیہ ہے

یہ کہہ کر وہ مجھے آنکھ مارتا ہوا میرے بیڈروم کی طرف بڑھا اور میں حیران پریشان کھڑا یہ سوچتا رہا کہ نجانے اب کیا ہوتا ہے میں نے ناظم دیکھارات کے نو بج چکے تھے بھوک بھی مجھے کافی لگی ہوئی تھی گھر میں

خدا کرات ناکام ہو گئے ہوں اور وہ لڑکی اب ایکشن میں آگئی ہو اور ایسا ہی ہوا تھا کمرہ میں اچانک غراہٹوں کی آواز ابھری جس سے میں اچھل پڑا غراہٹوں کے ساتھ اچانک جلالی بابا کی آواز ابھری وہ کچھ کہہ رہے تھے مگر مجھے سمجھ نہ آیا اچانک کمرے میں کسی چیز کے دھپ سے گرنے کی آواز سنائی دی اور پھر غراہٹوں اور دھپ سے گرنے کا سلسلہ جیسے چل نکلا کمرہ میدان جنگ بن گیا میں حیران و پریشان کھڑا سوچنے لگا کہ خاموشی کے سمندر میں یہ طلائف کیسے پیدا ہو گیا پھر رونے کی آواز سنائی دی۔

میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ آواز کسی لڑکی کی نہیں بلکہ جلالی بابا کی ہی ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ اچانک بینڈروم کا دروازہ ڈھرام سے کھلا اور کوئی چیختا ہوا تیزی سے ہوا میں معلق تیزی سے اڑتا ہوا میری طرف آیا اور ان کی آن میں مجھ سے ٹکرا کر زمین پر آ رہا۔ میرے منہ سے بھیا نک چیخ نکلی تو ٹکرانے والے وجود نے بھی جواب ایلک پھر پور ڈراؤنی چیخ سے مجھے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ مجھ سے اس وجود کو اپنے اوپر سے اٹھانا دو پھر ہو گیا تھا کیونکہ جس تیزی سے وہ میرے اوپر گرا تھا مجھے اتنا تو یقین تھا کہ میری کم از کم چار پسلیاں مجھے داغ مفارقت دے چکی ہیں۔ وہ وجود تیزی سے اٹھا تو میں نے گھوم کر دیکھا وہ جلالی بابا ہی تھے اور اس وقت ان کا چہرہ مارے خوف کے تندور بن چکا تھا میں نے حوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے سنااتے ہوئے مجھے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوئے میں نے حیرانگی سے انکو بھاگتا ہوا دیکھا تو میں تیزی سے اٹھا اور بینڈروم کی طرف آ کر اندر کا دہشت ناک منظر دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میرے سامنے کمرے کا انتہائی خونخوار اور کراہت آمیز منظر تھا کمرے میں ہر طرف خون ہی خون تھا ایک طرف کٹے پھٹے جانور کا مرکب پڑا ہوا تھا ان میں سے کچھ اجزا کتے کے تھے

کیونکہ اس کی تھوٹنی برابر پڑی تھی کمرے میں پانچ چھ چمکاؤں پر بھی سگری ہوئی مردہ حالت میں پڑی تھیں ان کے جسم کسی نوکدار چیز سے چبے ہوئے تھے اور اتنے بھیا تک انداز میں کہ انکی آنتیں تک کٹی ہوئی تھیں یہ منظر اس قدر دہشت ناک اور خونخوار تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا اچانک کمرے میں دھواں سا بھرنے لگا اتنے میں میری نگاہ بلی کے کٹے ہوئے سر کی جانب پڑی تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے بلی کی اکلوتی آنکھ جھپکی ہو اکلوتی اس لیے کہ دوسری آنکھ کی جگہ خالی گڑھا سا موجود تھا۔ پھر اچانک جوا گلا منظر ابھرا اسے دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا لہو سرد دل کی دھڑکن مدہم اور دل سینے کا حصار توڑ کر راہ فرار اختیار کرتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ میرے سامنے جو مردہ جانوروں کے اعضا بھڑے پڑے تھے وہ ایک دم سے جیسے زندہ ہو گئے اور حرکت کرنے لگے مردہ چمکاؤں پر جن کا سر ایک طرف بد نصیبی کی داستان رقم کر رہا تھا اور آنتیں دوسری طرف بے بسی کا رونا رو رہی تھیں اک دم سے اڑیں اور کمرے کے چکر کاٹنے لگیں بلی کی باہر نکلی ہوئی زبان جیسے کسی نے نہایت مہارت سے درمیان میں سے کاٹ کر دو شاخہ بنا دیا بالکل سانپ کی زبان کی طرح وہ تیزی سے اندر باہر ہونے لگی یہ دیکھ کر میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ میں جلالی بابا کی طرح اپنے مخصوص جلال میں آ کر یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤں۔ تب مجھ پر یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ قدموں نے دماغ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے اچانک میرے پاس موجود کالے رنگ کے کتے کی کھوپڑی جانے کیسے زندہ ہوئی اور میرے قدموں سے چمٹ گئی جیسے یہ التجا کر رہی ہو کہ خان صاحب ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چل دے کھوپڑی کو چمٹا ہوا دیکھ کر خوف واذیت کے احساس نے گویا میرے اوسان پر بجلی گرا دی میں نے تیزی سے اس کھوپڑی کو جھٹکا اور اتنی تیزی سے بھاگا کہ

جلالی بابا کے آستانہ جلال پر جا کر ہی دم لیا میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور تھکاوٹ کے مارے مجھ سے سیدھا کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا اور حواس درست کرنے لگا پندرہ منٹ بعد جب میرے اوسان بحال ہوئے تو میں دستک دی اور تھوڑی دیر بعد جلالی بابا کا خادم خاص نے اندر سے آواز لگائی۔

کون ہے۔

آریان احسن جلالی بابا سے ملنا تھا مجھے ارجنٹ میں نے تیزی سے کہا۔

چلے جائیے جلالی بابا اس وقت نہیں مل سکتے۔ وہ آرام فرما رہے ہیں

میں نے کافی کوشش کی مگر خادم ٹس سے مس نہ ہوا اور میں عامل جلالی سے نڈل مکا ظاہر تھا کہ جس انداز سے وہ میدان جنگ میں اپنے اچھل کود کرتے موکلات کو شبید ہونے کے لیے بے پروا ہو کر چھوڑ گئے۔ تھے اب وہ مجھ سے کیسے مل سکتے تھے چارو ناچار میں وہاں سے واپس آیا اور ہونٹ کی طرف چل دیا ہونٹ میں آکر میں نے ایک کمرہ بک کروالیا اور سو گیا صبح صبح کے قریب میں ناشتہ کر کے وہاں سے دوبارہ عامل جلالی کے آستانے پر چلا گیا اور میری توقع کے عین مطابق خادم نے مجھے ان سے ملنے سے انکار کر دیا تب میں مایوس ہو کر عبد اللہ کی طرف چل دیا اس گھر کی طرف جانے سے پہلے میں پارک آیا تو حسب معمول میں نے اس حسد کو بیٹھے دیکھا تو جیسے میرا سارا ڈر ساری پریشانی رفو چکر ہوئی میں کن اکیوں سے اس کے دیدار کا شربت پینے لگا اس نے بھی مجھے دیکھا مگر اس بار اس نے منہ دوسری طرف نہ کیا بلکہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھے دیکھنے لگی تیر تھیک نشانے پر لگا تھا اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آگ برابر لگی ہوئی ہے ورنہ وہ مجھے ایسے نہ دیکھتی۔ تھوڑی دیر بعد رنگ میں بھگ پڑ گئی جب ایک اور تلی نجانے

کہاں پر سے مزگشت کرتے ہوئے ادھر آدھری لہر اس سے باتوں میں مشغول ہو گئی میں کافی دیر تک اس بات میں رہا کہ شاید وہ دوبارہ میری طرف دیکھے مگر ایسا کچھ نہ ہوا اور وہ تھوڑی دیر بعد دونوں وہاں سے اٹھ کر چل دیں تو میں بھی وہاں سے اٹھا اور عبد اللہ کے گھر آیا گھر میں تالہ نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ دلوگ گھر میں موجود تھے میں تیزی سے اندر گیا اور سب کو ملان کے گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے میں ان سے کوئی نہ کر سکا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا اس کی امی نے مجھ سے نئے گھر کے بارے میں پوچھا۔

کیسا ہے

میں نے بظاہر خوش دلی سے انکا دل رکھنے کے لیے کہہ دیا کہ ہاں یہ گھر بہت اچھا ہے میں نے لفظ اچھا کو تھوڑا سا کرتے ہوئے کہا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس کی اچھائی کی وجہ سے میں ادھر تھا میں ان کے گھر زیادہ دیر تک نہ رک سکا اور دوپہر کا کھانا کھا کر واپس آ گیا گھر جانے کو میرا من نہ کر رہا تھا۔ ایویں ہی آوارہ گردی کرتا رہا۔ گھر میں کیا تھا وہاں وحشت تھی خوف تھا عامل جلالی بھی اپنے جلال سمیت وہاں سے رفو چکر ہو گئے تھے اب میرے پاس ایسا کوئی بھی ذریعہ نہ تھا کہ میں کو بروے کار لا کر میں کم از کم اس مصیبت سے نجات حاصل کرتا۔ جاؤں بھی تو کہاں جاؤں کس سے فریاد کروں وہ آسیب یا جن یا جو کچھ بھی تھا کافی خونخوار تھا اور دیئے بھی مردہ جانوروں کے وہ اعضا جو نہ جانے کیسے زندہ ہو گئے تھے وہ ایک نئی مصیبت تھے میں اسی سوچ میں تھا کہ اب کیا کروں کسی نئے عامل کو تلاش کروں یا نیا گھر لوں میری جیب میں پیسے تو کافی تھے مگر میں بنا کوئی کام کیسے کیسے ادھر رہ سکتا تھا اس طرح تو وہ پیسے بھی خرچ ہو جاتے۔ میں کافی دیر سوچتا رہا مگر ہاتھ کچھ نہ آیا آخر تنگ آ کر میں نے ارادہ کر لیا کہ چاہے کچھ

بھی ہو جائے میں اسی گھر میں رہوں گا وہ جن یا بلا اگر مجھے مارنا چاہتی ہے تو بے شک مار ڈالے میں اسی گھر میں جاؤں گا یہ سوچ کر میں نے اپنے دل میں آئے ڈر کو ختم کیا اور آہستہ سے قدم اٹھاتا ہوا گھر آ گیا دروازے سے داخل ہوتے وقت میری ساری بہادری رفو چکر ہو گئی مگر میں نے دل بڑا کیا اور بیڈروم میں آ کر چوروں کی طرح جھانکا وہاں کچھ بھی نہ تھا سب کچھ غائب تھا میں اس اچنبھے پر بڑا حیران ہوا کہ وہ تمام جانوروں کا قید کیا گیا مگر مجھے کیا جس نے ان کی ایسی درگت بنائی تھی شاید اسی نے بعد میں ان کا بھیس بھی کر کے کرپا کر مکر دیا تھا میں واپس پلٹنے والا تھا کہ اچانک میری نظر کیٹوں کے بورڈ پر پڑی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا میں تیزی سے بورڈ کی طرف آیا تو وہاں لکھا تھا۔

یہ میرا گھر ہے اگر تم کو اس دنیا میں رہنا ہے تو ارد گرد جو بھی ہوتا رہے تم اپنے کام سے رکھنا اور ہاں اگر دوبارہ کسی عامل کو بلایا تو ہم تمہاری ہڈیوں کا چور بن کر کھا جائیں گے۔

یہ تحریر پڑھ کر مجھے کافی سکون ملا وہ جو بھی تھے شاید ان کو میری بے بسی پر رحم آ گیا تھا اسی لیے تو وہ مجھے اس گھر میں رہنے پر راضی ہو گئے تھے باقی گھر میں جو ہوتا تھا وہ تکلف وہ تو تھا ہی مگر میں یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ میں کیا گھر تلاش کر لوں گا۔

اگلے دن میں سانا صاحب کو ار جنت تصویر بنا کر دی سب کچھ تقریباً ٹھیک ہو گیا تھا البتہ کبھی کبھار ایسا لازمی ہوتا تھا کہ ڈراؤنی آوازیں آتیں اور رونے کی آواز بھی آتی تھی مگر میں ہولے ہولے ہو کر ان سب کا عادی ہو گیا اور پھر ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا میں نے نیا گھر تلاش کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور یہ سوچ لیا کہ اب مجھے اسی گھر میں رہنا ہے کیونکہ جلالی بابا کے جلال نے تو وہ نہ کیا جو میری ہمت نے کر دیا اب میری کسی سے بھی تصویر میں تبدیلی نہ آتی اور میں

سکون سے کام میں لگا رہتا ایک رات میں بارہ بجے سویا کیونکہ مجھے ایک جاننے والے کو ار جنت تصویر بنا کر دینا تھی۔ تصویر میں نے مکمل کی اور بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ نجانے کتنی دیر میں سویا پھر اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مجھے میرے نام سے لکار رہا ہے یہ آواز میں نے دو تین دفعہ سنی تو میں نے گھسٹ کر آنکھیں کھولیں تو سامنے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا میرے سامنے ایک خوب رو حسینہ انی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بیڈ پر موجود تھی وہ بلا کی حسین خوبصورت تھی اگر میں اسے پرستان کی پری سے تشبیہ دوں تو شاید غلط نہ ہوگا میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے تک رہا تھا میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ میں کہاں ہوں میں تو بس اسی کے جس کے سمندر میں غوطہ زن تھا سرخ رنگ کے جوڑے میں لباس چمکتا دھمکتا چہرہ لیے وہ مجھے خود کو یوں حیرانگی سے لکھا ہوا دکھ رہی تھی

کہیے آریان صاحب کیا حال ہیں۔۔ وہ بولی تو یوں لگا کہ جیسے سازج اٹھے ہوں۔

تم۔ تم کون ہو۔ وہ کہی تو گویا ابشار کا سا حسین منظر نظر آ گیا میں مہارانی ہوں آریان صاحب آپ کے گھر کی پارٹنریا یوں کہہ لیں اس گھر کی مالک میں نے ہی وہ تحریر لکھ کر رکھی تھی کہ تم اس گھر میں رہ سکتے ہو اس نے یہ الفاظ کہے تو گویا میری سماعتوں پر اینٹم بم گر دیا میں حیل کی دنیا میں واپس آ گیا۔

تم۔ تم وہی ہو۔ وہی قبر والی بدروح۔ خوف کے سائے مجھ پر حاوی ہو کر چھانے لگے اور مجھے اس کی شکل میں عذرائیل نظر آنے لگا جو کسی بھی وقت میری جان نکال سکتا تھا میں دہشت زدہ ہو گیا۔ تت۔ تم لگ کیا چاہتی ہو۔ میں ڈرتے ہوئے بولا۔ ارے کچھ نہیں آریان صاحب تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو اس لیے میں خود چل کر تمہارے پاس آئی ہوں رخ۔ رخ۔ خدا کے لیے مجھے مت مارو مجھے مت

مارو میں نے کیا کیا ہے ایسا میں رو دینے لہجے میں بولا
وہ مسکرائی اور بولی۔

ارے ارے خان صاحب ڈریئے مت میں
آپ کو کچھ نہیں کہوں گی نہ ہی میں اس ارادے سے
آئی ہوں اگر مارتا ہی ہوتا تو کب کا اب تک تم کو
مار چکی ہوتی میں صرف تمہاری وجہ سے اس عامل کو خالی
دار تک دی تھی ورنہ اس کو بھی میں آسمانوں پر پہنچا دیتی
میں تم کو ہر روز کام کرتا ہوا دیکھتی تھی اور تم کو بھی چہ
نہیں ہوتا تھا کہ کوئی تم کو دیکھ رہا ہے۔

تم کیا چاہتی ہو۔ میں نے تیزی سے کہا۔
کچھ نہیں خان صاحب۔ بس تم سے دوستی
کرتا چاہتی ہوں اور کچھ نہیں تم کتنے عجیب انسان ہو
حالانکہ اس سے پہلے بھی کتنے لوگ اس گھر میں آئے
مگر میں نے سب کو بھگا دیا مگر تم واحد انسان
اور مجھے اچھے لگے ہو اور میں نے خود تم کو اپنے ساتھ
رہنے کی اجازت دی ہے تم کتنی محنت کرتے ہو ان
تصویروں کو بنانے میں چند روپوں کے عوض۔ بحر حال
تم اچھے انسان ہو کیا میری تصویر بناؤ گے منہ مانگا
انعام دوں گی اس نے کچھ اس اداسے کہا کہ میں مان
گیا اور ہائی کروڑی۔

تو تھک ہے۔ تم سو جاؤ اور میری کل تصویر
بنادینا وہ یہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی میں حیران
و پریشان اسے کمرے سے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔ مجھے
اس کا آنا اور باتیں کرنا جیسے ایک خواب سا لگنے لگا میں
اپنی کیفیات بیان نہیں کر سکتا جو اس وقت تھی بس اتنا
کہہ سکتا تھا کہ اس جیسی حسین لڑکی کا یوں میری زندگی
میں آنا میرے لیے باعث افتخار تھا۔ میں سوچا بھی
نہیں سکتا تھا کہ وہ یوں اچانک میری زندگی میں آئے
گی مگر وہ روح تھی اور یہ ایک ایسی بھیا تک حقیقت تھی
کہ جیسے میں جھٹلا نہیں سکتا تھا بحر حال جو بھی تھا وہ
میرے لیے اہم تھی اور اس کا یوں مجھ سے جانا میرے
لیے قارون کا خزانہ تھا میں خود کو خوش قسمت سمجھنے لگا تھا

مجھے مہارانی جیسی چین لڑکی کا ساتھ نصیب ہوا تھا
بحر حال میں اپنی اچھی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا سو گیا
اگلے دن اٹھا تو اس مہارانی کا کاحر مجھ پر طاری تھا
میں نے ناشتہ کیا اور پھر رات کو جو تصاویر مکمل کی تھی وہ
بذریعہ کوریئر روانہ کر دیں۔ اور پھر واپس آ کر جیسے ہی
میں کمرے میں آیا تو وہ حسینہ براجمان بھی آج وہ حد
سے زیادہ حسین دکھائی دے رہی تھی اسے دیکھ کر میری
باچیس کھل گئیں۔

آئیے خان صاحب آگئے آپ وہ ایک اداسے
بولی تھی۔

کی۔ میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔
آپ کا نیا وعدہ یاد ہے ناں۔ وہ تصویر والا۔
جی ہاں۔ مجھے یاد ہے اور میں بھلا کیسے بھول
سکتا ہوں۔

تو پھر بنائے ناں ہماری تصویر۔
اد ہاں۔ اچھی بنائے دیتا ہوں کس طرح کے
پوز میں بناؤں آپ کی تصویر مطلب آدھی ہو یا مکمل
جسم کے ساتھ۔
جیسے آپ کی مرضی بنا دیں۔ ہم تو آپ کی خوشی
میں خوش ہیں۔

اس نے مسکراتے ہوئے تو میں نے کیوس میں
رنگ بھرنے شروع کر دیئے وہ جتنی حسین تھی میرے
ہاتھ اتنے ہی تیزی سے تجدد کر رہے تھے اس کا حسن
لا فانی تھا اک سحر میں جکڑا ہوا تھا جیسے میں کیوس پر
فصل کرنے کی اپنی ہی کوشش کر رہا تھا جس میں میں
کامیاب ہو گیا تھا دو تھنئے بعد وہ نازنین میرے کیوس
پر اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ موجود تھی۔

آ میں چپک کر لیں۔ میں نے کہا تو وہ انھی
اور اس نے تصویر کا بغور جائزہ لیا اور کہا۔
آریان صاحب واؤ مزہ آ گیا واقعی جادو ہے
آپ کے ہاتھ میں میں اتنی حسین تو نہیں ہوں جتنا
آپ نے مجھ اس میں بنا دیا ہے۔

پلٹ سکتی ہوں اس سے اپنی مرضی کا کام لے سکتی ہوں
دیکھنا چاہو گے میرا کمال وہ ایک ادا سے بولی۔ میں
نے خالی سر ہلایا۔ حالانکہ میں نے کسی جذبے کے
تحت سر ہلایا تھا مجھے یاد نہیں تھا اور میرا ایسا کرنے کا
ارادہ بھی نہ تھا میرے سر ہلاتے ہی وہ کمرے سے باہر
ٹنگی اور پندرہ منٹ بعد میں نے ایک آدمی کو آتے
ہوئے دیکھا وہ کون تھا میں اسے نہیں جانتا تھا وہ کسی
سحر زدہ انسان کی مانند چل رہا تھا جیسے وہ کوئی روبوٹ
ہو وہ تیزی سے اندر آیا اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا
اس نے میرے سامنے بیگ رکھا اور واپس مڑ کر اسی
طرح گیٹ سے گزرا اور جدھر سے آیا تھا دھڑل دیا۔
تھوڑی دیر بعد مہارانی بھی نمودار ہوئیں اس کے چہرے
پر مسکراہٹ تھی۔

بیک کھولو
میں نے تیزی سے بیگ کی زپ کھولی تو میری
آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک ہزار ہزار کے کرنسی
نوٹوں سے بھرا ہوا تھا میں حیرت کے سمندر میں غوطہ
زن ہو گیا میں نے کہا تھا کہ میں جو چاہوں وہ کر سکتی
ہوں یہ پیسے تمہارے ہیں اور یہ اس تصویر کا ہلکا سا
نذرانہ ہے اگر تم میرے کہے کے مطابق عمل کرو گے تو
یہ دولت تمہارے قدموں کی باندھی بن جائے گی اتنی
زیادہ دولت دیکھ کر مجھے ایسے لگا کہ جیسے میں کسی سینما
ہال میں بیٹھ کر الہ دین اور اس کی جادوئی انگوٹھی کے
کمالات کی کوئی فلم دیکھ رہا ہوں اتنے نوٹ میں نے
پوری زندگی میں نہیں دیکھے تھے اور اب یہ رقم میری تھی
میں نے کم جتنا میرا اندازہ تھا یہ کوئی ایک کروڑ روپے
تھے میں نے خواب میں بھی ایسا نہ سوچا تھا کہ میں اتنا
امیر کبیر انسان بن جاؤں گا میں نے فرط محبت سے
مہارانی کی طرف دیکھا وہ مجھے اتنی بڑی خوشی دینے پر
اسے گلے لگانے کو دیا چاہا اور میں بنا سوچے سمجھے اٹھا
اور اس کی طرف دوڑا مگر یہ کیا میں اس کے وجود سے
آر پار ہو گیا اور میں اسے سچ نہ کر سکا یہ دیکھ کر میری

بہت اچھے کیا آپ کو پسند آئی ہے۔
بہت زیادہ خان صاحب۔
شکریہ۔ میں اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر
بے حد لے نہ سکیا اب لگے ہاتھ ایک اور کام کرنا ہوگا۔
وہ کیا۔ میں نے پوچھا۔
جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں مجھ
سے دوستی نبھانے کا وعدہ کرنا ہوگا۔
منظور ہے۔ میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔
اور تم ایک اچھے دوست کی حیثیت سے جو کچھ
بھی مجھ سے مانگو گے میں دوں گی لیکن اس کے عوض
میرا ایک کام کرنا ہوگا وہ کام میں خود نہیں کر سکتی۔
وہ کیا ہے۔ میں نے تیزی سے پوچھا۔
تم فی الحال وعدہ کر لو جب وقت آئے گا میں
تب بتا دوں گی۔

ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں۔
اچھی طرح سوچ سمجھ کر مہارانی کی لہراتی ہوئی
آواز سنائی دی۔ اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو یاد رکھنا
ہماری دوستی دشمنی میں بدل جائے گی اور یہ بھی ممکن
ہے کہ ہمیں تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچا دوں۔
اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں نے تصویر کی
نوٹ ہلک سنوارتے ہوئے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم
جو بھی کہو گی میں اسے پورا کروں گا۔
سنو تم یہ چند روپوں کے لیے اتنی محنت کرنا
چھوڑ دو مجھے اچھا نہیں لگتا ہے میں تمہارے لیے سرمایہ
فراہم کروں گی بس تم میرے کہنے پر عمل کرتے رہنا
میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرنا بس جو کچھ
میں کہوں تم وہ کرتے جاؤ اس نے حکمانہ انداز میں کہا
تو میں نے حیرت سے اسے دیکھا
کیا تم واقعی اتنی طاقتور ہو کہ مجھے پیسے دے سکتی
ہو اگر یہ سب سچ ہے تو تب تو میرے وارے نیارے
ہو سکتے ہیں۔
اس میں ایسا کر سکتی ہوں کسی بھی انسان کا ذہن

ساری خوشی کا فورہ ہونے لگی اور میری امیدوں پر جیسے اوس سی پڑ گئی۔

نہیں تم اور میں ہم چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے تم میرے قرب سے سرفراز نہیں ہو سکتے کیونکہ میں ایک ہوا ہوں تم کو نظر آ سکتی ہوں تم سے باتیں کر سکتی ہوں اپنی بیش بہا طاقت کے استعمال سے میں سب کچھ کر سکتی ہوں لیکن قرب میں کسی کا قرب حاصل نہیں کر سکتی لیکن تم پریشان نہ ہو میں اس سے تمہیں ملوا سکتی ہوں اس نے اسی قاتل حینہ کے فوٹو کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا میں ایسا چکر چلاؤں گی یہ حینہ تمہیں مل جائے گی اس کا نام نوشین ہے میں جانتی ہوں تم اسے بے حد چاہتے ہو اور اس سے پیار کرتے ہو میں نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ مجھے اس لڑکی سے پیار ہے۔

لیکن تم کو کیسے پتہ چلا کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں میں نے اسی حیرانگی میں کہا۔

میں۔۔ میں سب کچھ جانتی ہوں تمہارے اگلے پچھلے سب کاموں کا مجھے علم ہے آریان صاحب میرا نام مہارانی ہے ویسے تم اگر یہ نام برا لگے تو تم مجھے ساحل کے نام سے بلا سکتے ہو مجھے یہ نام اچھا لگے گا۔

ہاں ساحل۔۔ یہ ٹھیک رہے گا تو ساحل صاحبہ میں نوشین کو کیسے حاصل کر سکتا ہوں مجھے اس کے لیے کیا کرنا ہوگا۔

کچھ نہیں۔ صرف حکم کرنا ہوگا اور تمہاری نوشین تمہاری طرف دوڑتی ہوئی آئے گی۔

کیا۔۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ میں نے خوابیدہ لہجے میں کہا۔

ہاں اگر ایک بینک کا منیجر اپنے بینک کا اک کروڑ روپیہ تمہیں لا کر دے سکتا ہے تو آریان صاحبہ نوشین آپ کو مل سکتی ہے کیا سمجھو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

پھر تو میں آج ہی نوشین کو حاصل کرنا چاہوں گا کیونکہ میں واقعی اس سے پیار کرتا ہوں اور اسے اپنی

زندگی میں لا کر اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں نے تیزی سے کہا۔ تو ساحل مسکرائی۔

ہاں میں جانتی ہوں خاں صاحب۔ مجھ سے آپ کا کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ آؤ خلیں تمہاری نوشین کے پاس ساحل نے عامل جلالی کی طرح آنکھ مارتے ہوئے کہا تو میں بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گیا۔

اگر ساحل میری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو میں کبھی بھی نوشین کو حاصل نہ کر سکتا تھا مجھے ساحل کی بے پناہ شہمتی پر اعتماد تھا کہ وہ میری میٹرنگی بن سکتی ہے کیونکہ اس سے پہلے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ نوشین ایک امیر کبیر بات کی اولاد تھی جو کروڑ پتی تھا بحر حال میں ساحل کے ذریعے پارک میں جا بیٹھا۔ جہاں وہ پہلے سے موجود تھی اس نے جب مجھے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے اس نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا ہو میں کن انکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بھی وقفے وقفے سے مجھے دیکھنے لگی کافی دیر تک ہمارے درمیان یہ آنکھ پھولی ہوئی رہی پھر اچانک میں نے ایک خوبصورت نوجوان کو اس کے قریب جا کر بٹھتے ہوئے دیکھا نووارد کے آجانے وہ کچھ پریشان ہو گئی میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مرد اس کے لیے اجنبی نہیں تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ وہاں سے اٹھ گئی ہوتی اور اسکے ساتھ وہ بیٹھتا بھی گوارہ نہ کرتی میں اپنی جگہ بیٹھا اس نوجوان کو لیدر توڑ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور پھر وہ جس انداز میں مسکرا کر نوشین سے باتیں کر رہا تھا اس نے میرے اندر جذبہ رفاقت کو ابھار دیا تھا جانتے ہو تم یہ نوجوان کون ہے یہ نوشین کا منگیتر ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اسے مار دو اٹھو آریان اس کو قتل کر دو۔ ساحل نے کہا۔ میں اٹھا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ساحل کون بھی کیا آریان خان ساحل کے کہنے پر اس کو قتل کر دے گا یہ سب جاننے کے لیے اگلی قسط پڑھنا نہ بھولنے گا۔

خوبصورت چڑیل

--تحریر: معاویہ عنبر وٹو۔ فیصل آباد

مجھے ایک چیخ سنائی دی اور تیزی سے کوئی وجود میرے اوپر گرا وہ وجود اتنا زور سے میرے اوپر گرا کہ میں اس میں دب کر رہ گیا۔ وہ وجود تیزی سے اٹھا تو میں نے گھوم کر دیکھا وہ جلالی بابا ہی تھے اور اس وقت ان کا چہرہ مارے خوف کے تندور بن چکا تھا میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو انہوں نے منہ نہاتے ہوئے مجھے دیکھا اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے بھاگ کھڑے ہوئے میں نے حیرانگی سے انکو بھانسا ہوا دیکھا تو میں تیزی سے اٹھا اور بیدروم کی طرف آ کر اندر کا دہشت ناک منظر دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی میرے سامنے کمرے کا انتہائی خونخوار اور کراہت مہمکنہ منظر تھا کمرے میں ہر طرف خون ہی خون تھا ایک طرف کٹے پھٹے جانور کا مرکب پڑا ہوا تھا ان میں سے کچھ اجڑا کتے کے تھے کیونکہ اس کی تھوٹھنی برابر پر پڑی تھی کمرے میں پانچ چھ چکا ڈریں بھی سکڑی ہوئی مہمکنہ حالت میں پڑی تھیں ان کے جسم کسی نوکدار چیز سے سے چیرے ہوئے تھے اور اتنے بھیانک انداز میں کہ انکی آتیں تک کٹی ہوئی تھیں یہ منظر اس قدر دہشت ناک اور خونچکاں تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا اچانک کمرے میں دھواں سا بھرنے لگا اتنے میں میری نگاہ ٹپکے کٹے ہوئے سر کی جانب پڑی تو مجھے گمان ہوا کہ جیسے بلی کی اکلوتی آنکھ چپکلی ہوا اکلوتی اس لیے کہ وہ کسی آنکھ کی جگہ خالی گڑھا سا موجود تھا۔ پھر اچانک جو کچھ منظر ابھرا اسے دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا ہور دل کی دھڑکن بہہم اور دل سینے کا حصار توڑ کر راہ فرار اختیار کرنا ہوا محسوس ہوا کیونکہ میرے سامنے جو مردہ جانوروں کے اعضا ٹھہرے پڑے تھے وہ ایک دم سے جیسے زندہ ہو گئے اور حرکت کرنے لگے مردہ چکا ڈریں جن کا سر ایک طرف بدھنسی کی داستان رقم کر رہا تھا او آتیں۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

اختیار اپنے ملازم کو کوسنے لگا جو ایک روز پہلے بہانہ کر کے اپنے گاؤں چلا گیا تھا خدا معلوم کون بد بخت میری نیند حرام کرنے آپہنچا ہے جہنم میں جائے۔ اس نے بڑبڑا کر کہا اور لحاف اپنے اوپر لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا مگر اب کھٹکی بجانے والا دروازے کو اس انداز میں پیٹنے لگا کہ دروازے کا کان میں بھونچال سا آگیا کئی منٹ تک یہی کیفیت رہی اور جب ڈاکٹر پال کی نیند اڑ گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ دستک دینے والا لٹنے والی چیز نہیں تو وہ طیش میں آ کر بستر سے اٹھا اور

ڈاکٹر پال اس شب دم سے سویا تھا دن بھر اس کے مطب میں سریفینوں کا تاننا بندھا رہا اور اسے دم لینے کی بھی مہلت نہ ملی لیکن اب صبح ساڑھے چار بجے سے چیخ رہی ہے سورج طلوع ہونے میں ابھی دیر باقی تھی اور چاروں اطراف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اس سناٹے میں کھٹکی بجنے کی مسلسل آواز سنائی دے رہی تھی ڈاکٹر پال کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے دماغ پر آہنی ہتھوڑے سے ضربیں لگائی جا رہی تھیں گرم گرم بستر سے اٹھنا اس وقت اس کے لیے سخت تکلیف دہ تھا وہ بے



برانڈی کی بوتل نکالی اور گلاس بھر کر اجنبی کو دیتے ہوئے کہا پہلے اسے پی لو۔ اس نے ایک گھونٹ میں گلاس ختم کر دیا آہستہ آہستہ اس کے اوسان بحال ہونے لگے اور چہرے پر پھیلے ہوئے دہشت کے آثار رفتہ رفتہ غائب ہو گئے نہ منٹ تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی آخر اجنبی کچھ اس طرح گویا ہوا۔

ڈاکٹر صاحب میرا نام فریج میٹھون ہے اور میں لندن کا رہنے والا ہوں پیشہ فوٹو گرافی ہے اور میں ایک کمپنی میں ملازم ہوں کمپنی کے کام سے مجھے اس علاقے سے ایک جگہ پر میں چند تصویریں لینے کے لیے نکلا میں اس علاقے سے قطعی ناواقف ہونے کے باعث گزشتہ چند روز سے مختلف دیہاتوں میں بھٹکتا رہا ہوں لیکن مجھے مطلوبہ تصویر حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی آخر کام میں ورکنگس اور وائٹ ہیون کے رائل ہوٹل میں قیام کرنے کو تھا جس کے بارے میں میں نے سنا تھا کہ وہاں کھانے کی بہتر سہولتیں میسر ہیں چنانچہ گذشتہ رات میں اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر روانہ ہوا یہ تمام راستہ حد درجہ ویران سناں اور دلہلی میدانوں پر مشتمل ہے رات بھی معمول سے زیادہ سرد اور تاریک تھی میں اپنی دھن میں مست موٹر سائیکل اڑائے ہوئے وائٹ ہیون کی طرف چلا جا رہا تھا دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ موٹر سائیکل کی رفتار خود بخود دھیمی ہو رہی ہے تھوڑی دیر بعد وہ بانپنے لگی اور آگے چلنے سے انکار کر دیا

میں نے موٹر سائیکل سے اتر کر اس کا معائنہ کیا اور یہ معلوم کر کے دل دھک دھک کرنے لگا کہ پٹرول کی میٹنی تقریباً خالی ہو چکی ہے اس میں دراصل ایک ننھا سا سوراخ تھا جس میں سے پٹرول ٹپک ٹپک کر تمام راستے گرتا آیا تھا میں نے جلدی سے پیوٹلم کی گولی چبا کر اس کا ربو اس

ڈریسنگ گاؤن پہن کر لڑکھڑاتی چال چلتا ہوا صدر دروازے کی طرف گیا۔ دروازہ کھول کر چونکی اس نے باہر تارکی میں جھانکا دفعتاً ایک شخص دروازے میں ٹھس کر مکان میں آ گیا اور زور سے دروازہ بند کر کے چٹنی لگا دی پھر اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ڈاکٹر کا بازو پکڑ لیا ڈاکٹر نے جھٹکا دے کر اپنا بازو چھڑانا چاہا لیکن اجنبی نے اس کا ہاتھ اور سختی سے جکڑ لیا اور بانپتے ہوئے بولا۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ اس مکان میں ایک ڈاکٹر رہتا ہے ڈاکٹر پال۔ کیا تمہارا یہی نام ہے اگر تم ڈاکٹر نہیں تو مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔

ڈاکٹر نے جواب دینے سے پہلے پراسرار اجنبی کا نہایت سکون اور بنظر ملاحظہ کیا پھر مطمئن ہو کر کہ تشویش کی کوئی بات نہیں اس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی لائبریری میں لے آیا جہاں آتش دان میں آگ کے مدھم شعلے ابھی ٹپک رہے تھے اور کمرہ خاصا گرم تھا اس نے لکڑی کا ایک موٹا سا ٹکڑا آتش دان میں جھونکتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے ہی ڈاکٹر پال کہتے ہیں۔ آہ۔۔۔ تب خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ میں کیا پاگل ہوں۔ ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر نے اس بے وقت کے تلاتاتی کو بغور دیکھا اس کا طبع بڑا عجیب تھا سر کے مونے بال الجھے ہوئے تھے اور کود آلود بدن کے کپڑے تار تار اور چہرہ جس کے نقاش صاف تھے خون سے تر تھا اس کی آنکھوں سے خوف و ہراس اور بھراؤنی ہوئی آواز میں کپکپاہٹ اور دہشت کا عنصر نمایاں تھا ڈاکٹر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے اسے بیٹھنے کے لیے کہا جس پر اجنبی دھم سے گر گیا۔

تم زخمی بھی ہو۔ ڈاکٹر نے الماری کھول کر

دھند نے آخر مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور میں یوں محسوس کیا جیسے کسی نادیدہ آئینی قوت نے میرے اعصاب سلب کر لیے ہیں ڈاکٹر صاحب یقین کیجئے کہ اپنے دوستوں کے حلقے میں مجھے بزدل نہیں سمجھا جاتا اور کئی مرتبہ مختلف ذراؤ نے واقعات کے مراخل سے گزر چکا ہوں لیکن اس دھند میں اپنے آپ کو مقید پاتے ہوئے مجھے یہی یقین ہو رہا تھا کہ اس میں کسی آئینی قوت کا دخل ضرور ہے اور میری چھٹی حس مجھے یہ بتاتی تھی کہ یہ قوت میرے ہی کہیں قریب موجود ہے پھر میں نے اپنے کندھوں پر ایک زبردست دباؤ محسوس کیا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ یہ نادیدہ آئینی قوت مجھے ایک طرف بڑھنے کے لیے مجبور کر رہی ہے میں نے بڑی کوشش کی کہ اس طرف نہ جاؤں لیکن بے بسی کا شکار ہونے پر مجبور ہونے لگا

ایک بے جان لاش کی مانند مٹنی خاردار جھاڑ یوں کی طرف بڑھنے لگا جن کے درمیان دروازے کی شکل صورت کا ایک وسیع شکاف مجھے فریب جانے پر دکھائی دیا جو مٹی میں اس شکاف میں داخل ہو کر دوسری جانب نکلا تو میرے کندھوں پر دکھا ہوا ناقابل برداشت بوجھ فوراً دور ہو گیا شاید اس آسب نے میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا میں نے دیکھا کہ وہ گہری دھند جسے دیکھ کر دہشت طاری ہوتی تھی آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئی میں نے اپنے چاروں اطراف دیکھنے کی کوشش کی اور پھر میرا دل جیسے خوشی اور مسرت سے ناچ اٹھا

اس ویرانے میں پناہ لینے کے لیے آخر ایک مکان دکھائی دے ہی دیا سرائے کی طرز کا ایک قدیم مکان تھا جس کے چاروں اطراف خاردار جھاڑیاں اور لمبی گھاس کثرت سے اگی ہوئی تھی

سوراخ پر لگا پاتا کہ جو تھوڑا سا پٹرول باقی بچ رہا ہے وہ ضائع نہ ہو میری بد قسمتی دیکھئے کہ فالتو پٹرول کا ڈبہ جو میں ہمیشہ ایسے سفر کے لیے ساتھ رکھتا تھا بالکل خالی تھا۔ بالکل خالی تھا حالانکہ میں نے گیراج والوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ یہ ڈبہ پٹرول سے پر کر دیں مگر وہ بھول گئے تھے خدا کا نام لے کر میں نے مونر سائیکل دوبارہ شارٹ کی میں اس ویران علاقے سے بہت جلد نکل جانے کے لیے بے چین تھا مگر کیا معلوم تھا کہ قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا

ابھی میں بمشکل پون میل ہی گیا تھا کہ مونر سائیکل نے پھر چلنے سے انکار کر دیا میری پریشانی اور وحشت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے گا کوئی جو اس وقت کے مطابق نزدیک کوئی گاؤں کم از کم چھ میل پر تھا میں نے جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا پورے دس بجے ہیں یہ بے چاروں اطراف گھپ اندھیرا چھایا تھا اور ہوا میں خشکی لمحہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں اطراف پناہ لینے کے لیے کوئی مکان یا کسی کسان کی گجھیری تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس ہولناک سنائے کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں سے اس ویرانے میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا اور پھر میں نے محسوس کیا کہ دھند کا ایک گہرا بادل ہے جو چاروں اطراف سے مجھے اپنے حلقے میں لینے کے لیے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا ہے اس موقع پر اجنبی نے تھوڑی دیر توقف کیا پھر گویا ہوا۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس دھند کو دیکھ کر میری وحشت اور اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا میں نہیں جانتا تھا کہ اب کیا کروں اور کدھر جاؤں ایک سناٹا میرے گرد و پیش طاری تھا جیسے میں صدیوں پرانے کسی قبرستان میں کھڑا ہوں

کہ شاید دروازہ کھلے مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تب میں نے کئی مرتبہ اور زور سے دروازہ ہٹکھٹکایا اندھیرے میں اتنی دیر تک چلتے رہنے کے باعث میری آنکھیں گرد و پیش کی اشیاء بخوبی دیکھنے پر قادر ہو چکی تھیں اور حیران تھا کہ عالی شان عمارت کا مالک یا تو نہایت بے پرواہ قسم کا آدمی ہے یا اسے اپنے گوشہ قناعت ہی سے نکلنے کا موقع نہیں ملتا کہ اس کی حالت درست کرنے پر توجہ دے

دفعتاً میری نگاہ عمارت کی پیشانی پر لگے ہوئے ایک بڑے سے سفید پتھر پر پڑی جس پر چند الفاظ لکھے ہوئے تھے پہلے میرا خیال تھا کہ شاید اس پتھر پر سرائے کا نام لکھا ہوا ہے لیکن بغور دیکھنے سے پتہ چلا کہ اس پر عجیب مصحکہ خیز الفاظ لکھے ہیں

یہاں آپ کا سفر ختم ہوتا ہے۔

میں سوچتا رہا آخر ان الفاظ کا مطلب کیا ہے مگر سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ پہلے پہل جس شخص نے یہ سرائے بنوائی وہ کوئی بڑا خوش مزاج اور زندہ دل قسم کا آدمی ہوگا ابھی میں اسی پر غور کر رہا تھا کہ دفعتاً میرے کانوں میں ایسی آواز آئی جسے مکان کے اندر کوئی شے حرکت کر رہی ہے پھر دامن ہاتھ کی اونچی کھڑکی کی درزوں میں سے روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں دکھائی دیں اور فوراً یہ روشنی غائب ہو گئی شاید کوئی شخص دروازہ کھولنے آ رہا تھا لیکن یہ سوچ کر کے دستک دینے والا واپس چلا گیا وہ جتنی بجھا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا ہوگا

یہ خیال آتے ہی میں دروازے کو پینے ہی والا تھا کہ مکان کے اندر پھر کسی کے ہولے ہولے چلنے پھرنے کی آواز کانوں میں آئی یہ آواز پیروں میں سینے والے بھاری سیپروں کے فرش پر گھسنے کی آواز سے ملتی جلتی تھی آہستہ آہستہ یہ آہٹ مکان کے اندر ونی حصے سے دروازے کی آہنی

افتداز مانہ کے باعث اس سرائے کی دیواروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا اس گھپ اندھیرے میں مجھے ہی سیاہ ہی نظر آیا بہر حال بیچاری اور مصیبت کے وقت اس سرائے نما مکان کا دکھائی دینا میرے لیے سمندر میں روشنی کے مینار سے کہیں ہم تھا مجھے یقین تھا کہ یہ مکان ضرور آباد ہوگا اور بے شک رات کافی جا چکی ہے مگر مکان کا مالک یا کوئی بھی اس میں رہتا ہے ایک اجنبی کے لیے دروازہ کھولنے میں کوئی ناراضی محسوس نہ کرے گا اور عین ممکن ہے کہ اس تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے مسافر کو کھانا بھی کھلا دے یہ خیال آتے ہی گرم گرم چائے ابلے ہوئے اندے کمرے کی بھنی ہوئی ران اور شراب سے بھری بوتل کی تصویریں میری نظروں کے سامنے رقص کرنے لگیں مجھے اپنے آپ پر ہنسی آئی چند منٹ پہلے مجھے دہشت اور خوف کی جوز بردست کیفیت طاری تھی وہ اب سکون اور اطمینان میں بدل چکی تھی

انسان کی فطرت بھی عجیب ہے ہاتھ کو ہاتھ نہ دیکھنے والی اس تاریکی میں سرائے کا راستہ تلاش کرنا بھی کاردار تھا پھر قدم قدم پر خاردار جھاڑیاں لیکن جلد ہی مجھے سائے کو جانے والا راستہ نظر آ گیا تراب پتھر کر اس عمارت کے دھندلے نقوش واضح دکھائی دینے لگے دور سے وہ چھوٹی دکھائی دی تھی مگر اسلی میں یہ عظیم عمارت تھی اس کے بلند دروازے پر پتھر لکھا ہوا تھا۔ جو میں کوشش کے باوجود پڑھ نہ سکا اونچے اونچے درختوں کے ایک زبردست جھنڈے نیچے کو اپنے چلتے میں لے رکھا تھا ایک عجیب بات میں نے یہ دیکھی کہ عمارت کے چاروں اطراف وہی پراسرار دھند پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ دھند اپنی جگہ پر رکی ہوئی تھی میں نے پوری دل جمعی کے ساتھ دروازے پر زور دے کر دستک دی اور ایک لمحے تک انتظار کیا

زنجیر کی دل خوش کن کھڑکھڑاہٹ سنی اور لکڑی کا بنا ہوا مضبوط اور بلند دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا دروازہ کھلا اور مجھے پہلے اپنے سامنے ایک آدمی کھڑا دکھائی دیا اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں خوف کی ایک جھرجھری سی دوڑ گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میری ریزھ کی ہڈی پر کسی نے برنائی انگلی رکھ دی ہے

وہ ایک پست قامت اور چھوٹے شانوں والا مضبوط جسم کا آدمی تھا جس کا گول چہرہ دودھ کی مانند سفید اور روشن تھا اور بچی کھوپڑی اندھیرے میں چاندی کی طرح چمک رہی تھی گردن سے لے کر ٹخنوں تک اس نے سیاہ رنگ کے مونے کپڑے کا چند پہن رکھا تھا مگر ان تمام عجیب باتوں کے علاوہ جس نے مجھے میرے جسم پر لرزہ سا طاری کر دیا وہ یہ تھا کہ اس شخص کے چہرے پر نہ بھوئیں تھیں نہ آنکھیں اس عجیب و غریب شخص کی پشت پر میں نے ایک نوجوان اور بے حد خوبصورت عورت کو دیکھا جو قدیم طرز کا شمع دان ہاتھ میں لیے کھڑی تھی مرد جتنا بد صورت اور بد وضع تھا عورت اتنی ہی حسین اور دلکش تھی اس کا جسم سڈول تھا اور سیاہ آنکھیں جن میں سمندروں کی سی گہرائی تھی بے پناہ چمکیلی تھیں کالے لباس میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دمکتا تھا۔

آہ۔ میں اس کا چہرہ کبھی نہ بھول سکوں گا مگر اس خوبصورت اور دلکش چہرے پر ایک شے ایسی تھی جیسے دیکھتے ہی میرے دل میں اس عورت کے لیے نفرت اور کراہٹ کے شدید ترین جذبات پیدا ہو گئے خدا جانے کیوں اور وہ شے تھی اس کے ہونٹ شمع کی مدہم روشنی میں اس کے پتلے پتلے ہونٹ کبوتر کے خون کی مانند سرخ تھے جیسے وہ تھوڑی دیر پہلے کسی کا خون پی کر آئی ہو میں نے

محسوس کیا کہ مجھے دیکھتے ہی عورت کا چہرہ پہلے سے زیادہ روشن ہو گیا اور اس کی آنکھیں تارے کی مانند چمکنے لگیں وہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر میں نے فوراً اپنی نظریں پھیر لیں ان دونوں کا جائزہ لینے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا

میں نے رک رک کر اپنا حال سنایا اور صرف ایک رات کے لیے مکان میں پناہ لینے کی درخواست کی جتنی دیر میں بولتا رہا وہ دونوں بے حس و حرکت کھڑے میری بات سنتے رہے اور جب میں چپ ہوا تو ایک لمحہ انتظار کے بعد بغیر آنکھوں والے مرد پر اسرار نے اپنی لمبی لمبی سفید انگلیاں آگے بڑھائیں اور میرے چہرے کو ٹٹولنے لگا شاید وہ یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ میں کوئی انصافی گیرایا بد معاش تو نہیں۔ مگر فوراً ہی اس حسین عورت نے جھک کر مرد کے کان میں آہستہ سے کہا

کافی ہے اسے اندر آنے دو۔ میں نے یہ فقرہ سن لیا مگر سمجھ نہ سکا کہ کافی ہے۔ سے اس عورت کی کیا مراد تھی مرد ایک طرف بیٹ گیا اور مجھے مکان میں داخل ہونے کا اشارہ کیا اگرچہ میں اس مکان کی ہیئت اس میں رہنے والے ان دو پر اسرار افراد کی شکل صورت لباس اور انداز گفتگو سے کسی قدر سراسیمہ ہو گیا تھا

تاہم اب میرے لیے مکان میں داخل ہونے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کیا میں اپنے آپ کو اس ویران اور دلدلی علاقے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا اور صبح ادھر سے گزرنے والے سردی سے اکڑی ہوئی میری لاش پاتے خدا کا نام لے کر میں مکان میں داخل ہو گیا مجھے معلوم نہیں کہ وہ سفید چہرے والا پر اسرار مرد کس طرف کو چلا گیا البتہ عورت نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ

کیا اور پہلی منزل کے ایک کمرے میں لے گئی
میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے اس کے
پیروں سے ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہ ہوتی تھی ابتدا
میں بے شمار بڑے بڑے کمرے تھے وہ مجھے جس
کمرے میں لے گئی شاید وہ خواب گاہ کے طور پر
استعمال ہوتا تھا کیونکہ میں نے ایک ہی نظر میں
دیکھ لاکہ کمرے کے ایک گوشے میں نہایت آرام
دہ بستر موجود تھا اور وہ مسبری جس پر بستر بچھا تھا
فرش زمین سے کئی فٹ اونچی اور اتنی ہی بڑی تھی
کہ اس پر بیک وقت چار پانچ افراد آسانی سے
سو سکتے تھے عورت کمرے سے داخل نہیں ہوئی بلکہ
دروازے ہی میں رک گئی اس کے لبوں پر ایک
عجیب پر اسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے
گردن کے اشارے سے رخصتی سلام کیا اور واپسی
مزنے ہی والی تھی کہ میں نے جلدی سے نہایت
عاجز انداز میں درخواست کی۔

کیا کھانے کے لیے کچھ مل سکتا ہے عورت
نے نفی میں سر ہلایا میری یہ درخواست بے کار
ثابت ہوئی اس کے سرخ سرخ لبوں پر مزید مبسم
چھا گیا یہاں تک کہ مجھے اس کے سفید چمکیلے دانت
دکھائی دیئے جو غیر معمولی طور پر لمبے اور نوکیلے تھے
پھر اس نے دروازہ بند کیا اور چلی گئی۔

اب میں کمرے میں تھا میں نے کمرے
میں چاروں اطراف گھومتی ہوئی نظر ڈالی یہ ایک
وسیع اور عریض کمرہ تھا ایک گوشے میں باتھ منہ
دھونے کی ایک چھوٹی سی میز لگی ہوئی تھی جس کے
قریب ہی چند تولیے لٹکے رہے تھے جنوبی دیوار
کے ساتھ ساتھ پرانی طرز کی کئی بڑی بڑی کرسیاں
بھی ایک قطار میں رکھی تھیں اور اس کے مقابل کی
دیوار کے ساتھ شاہ بلوط کی لکڑی کی بنی ہوئی ایک
بے حد مضبوط اور بھاری الماری کھڑی تھی مسبری کا
ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں کمرے کی مغربی دیوار

کے ساتھ کونے میں ایک ہی کھڑکی تھی جو مجھے بند
دکھائی دی اور اسی طرف وہ دروازہ تھا جس سے
میں کمرے میں داخل ہوا تھا بستر کے قریب کونے
میں تابنے کا بنا ہوا ایک نہایت وزنی اور کئی فٹ
اونچا لپ بھی بڑا تھا جس پر گرد کی موٹی تہیں جمی
ہوئی تھیں زرد روشنی میں کمرے کی تمام چیزیں مجھے
ایک خواب کی مانند دکھائی دے رہی تھیں مشرقی
دیوار کے ساتھ کوئی شے نہ تھی البتہ ایک چھوٹا سا
دروازہ ضرور دکھائی دیا جس میں قفل لگا تھا
میں نے ایک سوراخ میں سے جھانک کر دیکھنے کی
کوشش کی مگر کچھ دکھائی نہ دیا کہ اس کمرے میں کیا
ہے کیونکہ وہاں بڑا اندھیرا تھا

شدید ٹھکن کے باعث میرا جسم ٹوٹ چکا تھا
اور میرے کپڑے خاک بھری مٹی میں اٹ گئے تھے
میں نے سوچا اگر اس وقت گرم گرم پانی سے
نہالوں تو کیا ہی اچھا ہو مگر افسوس کہ یہاں نہانے
کا انتظام نہیں میں نے سونے کی تیاریاں شروع
کیں اور اپنا کوٹ اتار تب مجھے پھر حسینہ کا خیال
آیا جو مجھے اس کمرے میں پہنچا گئی تھیں میں نے
اپنے دل میں سوچا کہ سمجھ میں نہیں آتا آخر ایسی
حسین اور جوان عورت اس اندھے مرد کے ساتھ
اس ویران مکان میں کیوں اور وہ آدمی تو مجھے اس
دنیا کی مخلوق ہی معلوم نہیں ہو رہا تھا ضرور کوئی
بدروح ہے مگر اس بدروح کے ساتھ اس عورت کا
کیا تعلق ہے

جسم کے ساتھ میرا ذہن بھی تھک گیا تھا اس
لئے میں اپنے ہی سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ
دے سکا البتہ میں نے یہ طے کیا کہ صبح ضرور اس
عورت سے اس معصے کا حل دریافت کرنے کی
کوشش کروں گا بستر پر لیٹتے ہوئے ایک دفعہ پھر
میرے دل میں گرم گرم محسوس کی زبردست خواہش
پیدا ہوئی تب مجھے یاد آیا ممکن ہے وہ چھوٹا سا

دروازہ جس میں قفل لگا ہے کسی غسل خانے کا دروازہ ہو اسے کسی ترکیب سے کھلنا چاہیے میں بستر سے اٹھ کر اس دروازے کے قریب گیا اور دروازے کا بغور معائنہ کیا پھر ہاتھوں کی پوری قوت سے اسے کھولنے لگا مگر اس میں اندر کی طرف قفل لگا تھا میں ہمیشہ کئی قسم کی چابیوں کا گھچا اپنے ساتھ رکھتا ہوں میں نے کوٹ کی جیب سے یہ گھچا نکالا اور باری باری ہر چابی تالے کے سوراخ میں آزمانے لگا یہ کوشش آخر بار آور ثابت ہوئی اور ایک چابی سے قفل کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی دل خوش ہو گیا کیونکہ یہ واقعی غسل خانہ تھا مگر تھا بے حد غلیظ خدا معلوم کتنے عرصہ سے اس میں صفائی نہیں ہوئی تھی اس لیے میں نے یہاں موم بتی تلاش کرنی چاہی مگر آپ کو معلوم ہے کہ انسان کو وقت پر دہی شے نہیں ملتی جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے میں نے سوچا لعنت بھیجوا گر روشنی نہ ملے تو کیا مقصد ہو جائے گا کیا غسل اندھیرے میں نہیں کیا جاسکتا یہ سوچ کر میں نے ٹنکی میں لگی ہوئی ٹوٹنی کھول دی نہایت مدھم روشنی میں نے دیکھا کہ ٹوٹنی میں سے پانی کی پتلی سی دھار نکل کر غسل کرنے کے بڑے ٹب میں گری مگر آہ گدلا اور سیاہ رنگ کا جس میں سے ڈمک کی بو آرہی تھی اور پھر پانی کی ٹنکی اور لوے کے پائپوں میں سے خرخر خرکی عجیب آواز نکلنے لگی اب میں نے نہانے کے ٹب پر نظر ڈالی یہ بھی قدیم طرز کا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صدیوں سے اسے کسی نے استعمال نہیں کیا پہلے تو میں نے سوچا نہانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے مگر کپڑے اتار چکا تھا لہذا طے کیا کہ کم از کم ہاتھ پیر ہی صاف کر لوں جو بے حد گرد آلود تھے پس میں نے پتلون اور جرابیں بھی اتار لیں اور اپنے بستر پر رکھ کر واپس غسل خانے میں آیا میرے دل میں سے اب اس مکان کی

ویرانی اور بدروحوں کا سارا خوف دور ہو چکا تھا میں خوشی سے سیٹی بجاتا ہوا پانی کے ٹب میں بیٹھ گیا۔

میرے سر پر پانی کی پتلی سی دھار پڑنے لگی مگر دفعتاً میرا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا خدا کی پناہ یہ کیا چیز تھی جو میرے بدن پر چپک رہی تھی میں نے غور سے ٹب میں دیکھا اور پھر جیسے میری روح کھینچ کر حلق میں آگئی کیا دیکھتا ہوں کہ ٹب کے نیچے اور چاروں کناروں پر تازہ خون کی گہری تہہ جمی ہوئی ہے میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور میں اچھل کر ٹب میں سے باہر نکلا اور پھر مجھے کچھ خبر نہیں رہی کہ میں جہاں ہوں خدا جانے میں کتنی دیر بے ہوش رہا شاید دس یا پندرہ منٹ جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو دی مکر وہ اور غلیظ ٹب کے پاس پڑے ہوئے پایا میرے ہاتھوں پیروں پر خون جم کر سخت ہو گیا تھا مجھے فوراً احساس ہوا کہ یہ خونی حیوانی نہیں انسانی ہے اس چانک اور لرزہ خیز دریافت نے میرا ذہن قطعی مازع کر دیا چند لمحوں تک میں سر پکڑے اسی طرح بیٹھا رہا۔

ایک ویران مکان کے اندر آدھی رات کو انسانی خون سے بھرے ہوئے ٹب میں غسل کرنے کا حادثہ اتنا بھیانک اور دلچسپ انگیز تھا کہ اس نے میری تمام ذہنی و جسمانی قوتیں سلب کر لی تھیں۔ میں اسے یقیناً ایک وہم یا خواب سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اگر خون کے بجائے ہوئے ہوئے سے میرے بدن پر چنے نہ ہوتے مگر یہ خون اس امر کی شہادت دیتا تھا کہ میرے ساتھ حقیقتاً ایسا معاملہ پیش آیا ہے چند منٹ بعد جب میرے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے تو میں اٹھا اور کمرے میں جا کر توڑے سے ہاتھ پیروں پر جما ہوا خون بمشکل صاف کیا بلاشبہ یہ انسانی تھا اور بالکل

تازہ اب میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ خون کہاں سے آیا اور جو بدنصیب مارا گیا ہے اس کی لاش کہاں چھپائی گئی ہے بستر پر کھڑا بنا ہوئے میں خدا جانے کتنی دیر تک اسی فکر میں گم رہا شاید پانچ یا دس منٹ مگر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ایک زمانہ بیت گیا ہے دہشت سے میرے جسم کا ہر روٹکا کھڑا ہو گیا تھا اور دل دھک دھک کر رہا تھا میں نے اپنے کپڑے دوبارہ پہنے کیونکہ اب آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی اور ایک ایسی بھانک جگمگ جہاں انسانی خون بکھرا ہوا تھا کسی شخص کا سونا قطعی ناممکن تھا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کون بدنصیب تھا جس کا خون بہایا گیا ہے اور کسی نے بہایا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی قوی الحسد جو تک نے اس کا خون چوسا ہو اور پھر اسے نب میں خارج کر دیا ہو۔

جونک۔۔ بجلی کی مانند میرے ذہن میں یہ خیال چمکا اور پھر اس سفید چہرے والے اندھے کی بھانک شکل آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی مجھے کمرہ گھومتا ہوا نظر آیا اب خدا یا۔ کیا اس کی شکل جونک سے مشابہت نہیں رکھتی خون سرد ہو کر یہ کی گولیوں میں جمنے لگا اس عفریت کا اگلا شکار کون ہوگا میرا بدن خشک ٹہنی کی مانند کاپنے لگا میں اٹھا اور لپک کر کھڑکی کی طرف بڑھا اور اسے کھولنے لگا فرار کا یہی راستہ تھا پوری قوت چلے ساتھ میں نے کھڑکی کے دونوں پتے کھولے مگر آہ اس راستے سے باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ اوپر کی چوکھٹ سے لے کر نیچے کی چوکھٹ تک کھڑکی میں ذریعہ اچھ موٹی چھ پہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں جنہیں شاید برکولیس بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکتا وہاں سے میں دروازے کی طرف لپکا میں بے سود دروازہ باہر سے مقفل تھا اب میں دروازے کے قریب کھڑا اس سوچ میں غرق تھا

کہ فرار ہونے کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں۔ دفعتاً مکان میں پھر کسی کی نقل و حرکت کی ہلکی سی آواز کانوں میں آئی۔ جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو یہ آواز آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی یہاں تک کہ میرے کمرے کے باہر پہنچ کر ایک تخت تھم گئی میں دہشت سے آنکھیں پھاڑے دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر میں نے ایسی آواز سنی کہ دروازے کے اندرونی قفل میں چابی گھمائی جا رہی ہو اور پھر میری طرف دروازے میں لگا ہوا گول دستہ آہستہ آہستہ گھومنے لگا اور دروازہ بغیر آہٹ پیدا کئے ہوئے دو تین انچ کے قریب کھل گیا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے دروازے نے میرے پیر جکڑ لیے ہیں اور میں کوشش بھی کروں تو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا میرا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اور مفلوج جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

آہ وہ بیت ناک اور بھانک خاموشی مجھے ساری عمر یاد رہے گی یہاں تک کہ خوف سے میرے دانت بجنے لگے غسل کی سلی میں سے پانی قطرہ قطرہ ماب میں گر رہا تھا اور اس کی آواز بڑی دراؤنی تھی دروازہ تھوڑا سا اور کھلا اور میں پوری قوت جمع کر کے چلا یا۔

جان یہاں جو کوئی بھی ہو نو راجلا جائے۔ یہی الفاظ تھے جو میرے حلق سے ایک بار یک اور لرزتی ہوئی آواز بن کر بمشکل ادا ہوئے تھے پھر میں نے پاٹلوں کی طرح کھلے ہوئے دروازے پر اپنا پورا بوجھ ڈال کر اسے زور سے بند کر دیا دروازے کے باہر قدموں کی چاپ ایک مرتبہ پھر سنائی دی جو آہستہ آہستہ دور ہوئی اور پھر غائب ہو گئی میں دروازے کے ساتھ چمنا ہوا بری طرح مانپ رہا تھا جب میں نے پورا اطمینان کر لیا کہ باہر کوئی نہیں تو میں نے دروازہ کھولا چاہا مگر وہ

باہر سے بند تھا میں اب ہر قیمت پر یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا مگر سوال یہ تھا کیسے عین ممکن تھا کہ وہ خون آشام جو تک جو انسانی شکل میں بھی دوبارہ اس طرف رخ کرتی دفعتاً میری نظر کمرے میں رکھی ہوئی لکڑی کی بھاری الماری پر پڑی میں نے سوچا کہ یہ الماری دروازے کے ساتھ لگا دینی چاہیے نہایت مشکل سے وہ بھاری الماری کھیسٹ کھیسٹ کر دروازے کے قریب لایا اور اسے دروازے سے اب کوئی آسانی کے ساتھ نہ آسکے گا کمرے میں لیپ بدستور جل رہا تھا میں نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی پورے بارہ بجے تھے اور صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے میں اب بستر پر لیٹ گیا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مسہری بہت بڑی تھی اور اس کے چاروں اطراف گہرے سو پردے لکڑی کے بانسوں کے ساتھ لٹک رہے تھے اور مسہری کے اوپر چھت گیر ایک بہت بڑا چھت تھا جیسا کہ پرانے زمانے میں بستر کی خوبصورتی کے لیے استعمال ہوتا تھا میں بستر پر لیٹا ہوا اس خوبصورت سامان کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک ایک شے پر پڑی جسے دیکھ کر مجھے ہیبت کراہت ہوتی ہے یہاں ایک بہت بڑی لکڑی تھی جس نے میرے سر کے نیچے اوپر چھتر کے درمیان لگی ہوئی ایک لمبی اور نویل اتنی سلاخ سے لے کر مسہری کے ایک کونے تک وسیع جالاکان رکھا تھا میرا خیال تھا کہ چھتر کے درمیان لوہے کی یہ نوکیلی سلاخ شاید لائین یا لیپ وغیرہ لٹکانے کے کام میں آتی ہوگی مگر اب جالے کے عین درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی میں اسے دیکھتا رہا دیکھتا رہا یہاں تک کہ میری آنکھیں نیند سے بھر بوجھل ہونے لگیں۔

سچ کہا کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے

میں نے آنکھیں کھلی رکھنے ک ہزار کوشش کی مگر بے سود اور چند لمحوں بعد میں بے خبر سو رہا تھا دفعتاً میری آنکھ کھلی کہ وہ بڑی مکڑی اپنے جالے سے گر کر میرے دائیں گال پر آن پڑی اور پھر ریختی ہوئی گردن کی طرف بڑھی میں دہشت زدہ ہو کر ایک طرف اچھلا اور عین اسی لمحے چھتر میں سے لوہے کی بھاری نوکیلی سلاخ سنان ہوئی نکلی اور بستر میں کھس گئی اگر ایک سیکنڈ کی تاخیر ہو جاتی تو وہ سلاخ میرے سینے میں پوست ہو چکی تھی مگر اس مکڑی نے میری جان بچائی اور تب میں نے محسوس کیا کہ چھتر کے درمیان میں اس اتنی سلاخ کو لگانے کا اصل مقصد کیا ہے۔

آہ کسی بد نصیب کو حالت خواب میں قتل کرنے کی اس سے بہتر ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی اب میں نے غور سے سوچے کہ اس نوکیلی سلاخ کو دیکھا جو بستر میں گڑی ہوئی تھی اس کی بناوٹ بالکل نیزے کی دھارانی کی مانند تھی اور غالباً لکڑی کی وہ چھتر جس میں انی کسی تریسب سے لٹائی گئی ہوگی چھتر کے اندر ہی رہ گئی تھی الی جب گری تو مکڑی کا جالائوٹ گیا اور یقیناً مکڑی کو پہلے سے پھیل گیا ہوگا کہ چھتر کی سلاخ میں جنبش ہو رہی ہے اور پھر مکڑی خوفزدہ ہو کر میری گردن پر آن گری اور میں نیزے کی انی سے ہلاک ہوتے ہوتے بچا۔ اب میں کمرے کے درمیان کھڑا سوچ رہا تھا کہ مصیبت سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے کہ دفعتاً دروازے کے باہر میں نے پھر نقل و حرکت کی وہی پراسرار آواز سنی جو اس سے پہلے وہ دفعہ سن چکا تھا مگر فوراً ہی ہلکی آواز سنی تو پھر وہ غائب ہو گئی مجھے خیال آیا شاید یہ وہم میرے اعصاب کے باعث پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ کئی لمحے تک میں سانس روکے اور دروازے سے کان لگائے یہی آواز دوبارہ سننے کی کوشش کرتا رہا

لاش کو وہ ڈھونڈ رہا تھا بستر اس سے خالی ہے اندھا شیطان بلی کی مانند غرایا اور پیچھے ہٹا اس کی آواز سن کر چڑیل بھی کمرے میں آگئی اور پہلی نظر میں ڈالتے ہی اسے صورتحال کا صحیح اندازہ ہو گیا تب عورت نے مرد کا بازو پکڑتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

جلدی کر غسل خانے میں۔

یہ سنتے ہی وہ مڑا اور دے پاؤں غسل خانے کی طرف بڑھا اب وقت ضائع کرنا حاصل تھا مجھے ہر قیمت پر اپنی جان بچانی تھی میں نے اس سے غسل خانے میں اوپر نیچے چاروں اطراف دیکھا مٹکی کے اوپر کوئی شے چمکتی ہوئی دکھائی دی تو وہ تو کھلے آسمان پر ایک تارا چمک رہا تھا پھر تیلی جی کی مانند میں پائپ کے سہارے چڑھ کر اس سوراخ تک پہنچ گیا جس میں اتنا شگاف تھا کہ میں مڑ کر اوپر چھت تک پہنچ سکتا تھا اس شگاف تک پہنچنے میں میرا سانس پھول گیا میں ایک لمحے کے لیے رکا قفس اور سر اندھا ایک ناگوار پتھر مجھے اپنے نقتوں میں گھستا ہوا محسوس ہوا۔ اتنے میں عورت اور مرد دونوں غسل خانے میں داخل ہوئے پہلے عورت نے ٹب میں جھانکا اور کمر سیدھی کر کے گھڑی ہو گئی اور مرد سے کچھ کہا اب میں نے دیکھا اس کے ایک ہاتھ میں تیز چمکتی ہوئی ایک کلبازی بھی ہے اور پھر وہ نہایت بھیاںک انداز میں قہقہے لگانے لگی۔

نیچے اتر دو۔ عورت نے دھاڑ کر کہا۔ اس کمرے میں رہنے کا معاوضہ تمہیں ادا کرنا ہوگا۔

اور جب میں نے کوئی حرکت نہ کی تو عورت کا وحشیانہ پن عود کر آیا اس نے ایک ہاتھ میں پکڑی ہوئی شمع مرد کے ہاتھ میں تھما دی اور پھر تلی سے پائپ پر چڑھنے لگی ایک سیکنڈ اور دیر ہوئی تو اس نے مجھے ناگ سے پکڑ کر گھسیٹ ہی لیا تھا مگر

اور تب وہی آواز بلاشبہ سنائی دی مگر اس مرتبہ یہ آواز اس دیوار کے عقب سے آئی تھی جس کے ساتھ مسہری لگی ہوئی تھی اور یوں سنائی دیا جیسے دیوار کھرچی جا رہی ہو اس میں سے کوئی شے نکالی جا رہی ہو۔ اور پھر کوئی ٹپن دبائے جانے کا کھٹکا بھی سنائی دیا میں نے گھوم کر اس طرف دیکھا آہستہ آہستہ دیوار میں ایک چھوٹا شگاف نمودار ہو رہا تھا جس میں سے شمع کی بدھم روشنی کی کرنیں کمرے میں داخل ہو رہی تھیں میں نے ایک جھپٹے میں کمرہ عبور کر لیا اور جلتے ہوئے لمپ گولگول کر دیا اور کوشش کی کہ دہشت سے اپنے اعصاب کو بجائے رکھوں پھر میں لپک کر اس غسل خانے میں ٹپس گیا جہاں جاتے ہوئے روح فنا ہوئی تھی اور دروازے کی اوٹ سے دیکھنے لگا کہ اب کیا واقعہ ظہور میں آتا ہے میں نے دیکھا دیوار میں نمودار ہونے والا شگاف آہستہ آہستہ اتنا چوڑا ہو گیا ایک آدمی اس میں سے بخوبی نکل سکتا تھا پھر مجھے دوسفید ہاتھ دکھائی دیے جو اس شگاف کو منہل رہے تھے اور دوسرے ہی لمحے بغیر آنکھوں والا وہ عجیب انسانی شکل میں تھا کمرے میں داخل ہو گیا ایک لمحے کے لیے وہ بے حس و حرکت کھڑا کان لگائے کچھ ستاربا پھر فضا میں ادھر ادھر ہاتھ چلاتا ہوا بغیر آہستہ کے میرے بستر کی طرف بڑھا پھر میں نے دیکھا شگاف کے پیچھے وہی خوبصورت چڑیل ہاتھوں میں شمع دان لیے گھڑی ہے اس کا چہرہ ان سفاکانہ حرکتوں کے باعث چمک رہا تھا اور شیطانی آنکھیں دکتے ہوئے انگڑیوں کی طرح سرخ تھیں جنہیں دیکھ کر میں کانپ کر رہ گیا آدمی اب بستر کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے آہستہ آہستہ سے اپنا نرم ہاتھ بستر پر یوں پھیرا جیسے کچھ پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس کے ہاتھوں نے لوہے کی انی کو چھوا اور فوراً یہ محسوس کر کے جس

طرح اس کے سیاہ چنے نے شمع کی لو کو چھو لیا ہوگا
اندھے نے اپنے بچنے کی تدبیر کی ہوگی لیکن کمرے
کے دوسرے سامان نے بھی آگ پکڑ لی ہوگی دفعتاً
ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنا دایاں ہاتھ کوٹ
کی جیب سے نکالا اور ڈاکٹری آنکھوں کے سامنے
کر دیا اس کی چاروں انگلیاں کٹی ہوئی تھیں
اور ہاتھ بے ترتیبی سے بندھی ہوئی ڈھیلی پیٹوں پر
تازہ تازہ خون جما ہوا تھا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری یہ کہانی اپنی
رائے سے مجھے ضرور نوازے گا مجھے آپ کی رائے کا
شدت سے انتظار رہے گا۔

غزل

محبت کے کنول کھلا کر دل میں کیا کر رہی ہے
اندھیرا ہوں میں پاہت کے چراں جلا کر کیا کریں گے
درد ہے دھوکہ ہے آوارہ باہل ہے دنیا
اپنے آپ سے نہ بنی دنیا سے بنا کر کہا کریں گے
کھنڈ تم اپنی قسمت کا لکھا تبدیل کر لیتے
تو شاید ہم بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیتے
اگر ہم واقعی کم حوصلہ ہوتے محبت میں
مرض بڑھنے سے پہلے ہی دوا تبدیل کر لیتے
تمہارے ساتھ ملنے پر جو دل راضی نہیں ہوتا
بہت پہلے ہم اپنا فیصلہ تبدیل کر لیتے
تمہیں ان موسوس کی کیا خبر ملتی اگر ہم بھی
محض کے خوب سے آب و ہوا تبدیل کر لیتے
تمہاری طرح جینے کا ہنر آیا تو پھر شاید
مکان اپنا وہی رکھتے پتہ تبدیل کر لیتے
جدا ہی بھی نہ ہوتی زندگی بھی مسہل جاتی
ختم ہم اک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے
ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہم بول اٹھے درنہ
گواہی دینے والے واقعہ تبدیل کر لیتے
حماد حسین، بائیانوالہ

میرا جسم آسانی سے اس سوراخ میں داخل ہو گیا
اور میں نے بغیر سوچے سمجھے باہر چھلانگ لگا دی
اف خدایا کیا بیان کروں میں گوشت اور ہڈیوں
کے عظیم ڈھیر پر گرا دس پندرہ لاشیں جن کے عضو
عضو جدا تھے خدا جانے کب سے پڑی سڑ رہی
تھیں میں اندھا دھند دوڑتا ہوا چلا گیا عورت چپختی
چلائی اب میرے تعاقب میں بھی لکڑی کا ایک

زینہ دوسری منزل کو جاتا تھا میں فوراً اس پر
چڑھتا ہوا دوسری منزل کی چھت پر پہنچ گیا اب
میرے سامنے فرار کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں
خوبصورت چڑیل یہ سمجھ کر کہ اب یہ بچ کر کہاں
جائے گا مجھ سے دس فٹ کے فاصلہ پر رک کر
وحشیانہ انداز میں تھپتھپانے لگی اور کلباڑی
گھمانے لگی میرا سارا جسم برف کی مانند سرد پڑ گیا
عورت اپنے سفید چمکتے دانت چبھتی ہوئی آہستہ
آہستہ میری طرف بڑھی میں نے مضطرب ہو کر
چاروں طرف دیکھا ایک اونچے درخت کی چند
شاخیں چھت سے دو تین فٹ کے فاصلہ تک پھیلا
کر رکھی گئی تھیں میں نے دیوار پر ایک ہاتھ رکھا
اور دوسرے ہاتھ سے شاخ کو پکڑ لیا۔ دوسرے ہی
لمحے وہ بلا مجھ پر جھپٹی اس نے کلباڑی گھمانی
اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے دیوار پر رکھا ہوا
میرا دایاں ہاتھ سن ہو گیا ہے درخت کی شاخ میرا
بوجھ سنبھال نہ سکی اور تڑاخ سے ٹوٹ گئی میں
ڈھرام سے سختی جھاڑیوں پر گرا چوٹ کا خدشہ کس
بد نصیب کو تھا میں اٹھا اور پاگلوں کی طرح جنگل
میں بھاگا اور ایک دو میل تک بھاگتا رہا آخر میں
مڑ کر دیکھا تو جس مقام پر سرائے تھی وہاں آسمان
سرخ ہو رہا تھا اور پھر میں نے اونچے اونچے شعلے
دیکھے جنہوں نے سرائے کی عمارت کو اپنی لپیٹ
میں لے لیا تھا میرا خیال یہ ہے کہ عورت نے وہ شمع
اندھے کے ہاتھوں میں پکڑا دی تھی اور پھر کسی

بکھرے موتی

۔۔ تحریر۔ کاشف عید کاوش۔ بڑے موڑی بنگرام۔

فیاض ایک سال سے گھر سے گم ہو گیا تھا اصل میں وہ گم نہیں بلکہ خود اپنا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلا گیا تھا وہاں اس نے ایسے شخص کی خدمات حاصل کی جو جادو نوٹ عمل کرنا دشمن کو زیر کرنا جانتا تھا فیاض نے انہی سے بھاری معاوضے کے عوض ایک ایسا عمل سیکھ لیا جس سے وہ مہوش کو وقار قریشی سے جدا کر سکے ساتھ ساتھ اس نے ایک سال میں بہت کمالات دیکھ لیے یعنی اب وہ بھی ایک قسم کا جادو گر بن گیا تھا مگر جب اپنے گاؤں آیا تھا خود کو وہی پہلا والا فیاض ظاہر کرنے لگا تھا وہ مہوش سے جدا کیا گیا پتا تھا کہ کیونکہ مہوش نے کچھ سال پہلے انہیں تھپڑ مار کر ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہو گئی تھی فیاض کے دل میں کتنی ہیچناؤ والا واقعہ اب بھی آباد تھا۔ بدلا لینے کے لیے اس نے گاؤں کے قبرستان میں تین راقی بھی گزاریں تھیں یہاں پر موقع دیکھ کر مہوش کے گھر کے چاروں طرف دم کی ہوئی ریت بھی ڈالی ان کے والدین کے نام پر نوے قبر میں وہ مہوش قلم کے دانے بھی دفن کیے کچھ محل کر کے پھر اس نے مہوش اور وقار کے نام پر وہ پتھر ندی میں پھینک دیئے ان کے بعد اس نے چھوڑ دیا غدار لکھ کر ایک پرانے درخت کے ساتھ جڑوں میں دفن کر دیئے اس کے ساتھ بسبب اس پورا ہوا تو فیاض نے خبردار کرنے کے لیے مہوش کو ڈر دلایا کہ اب وقار اور مہوش کبھی بھی ایک نہیں ہوں گے مہوش کو فخر و خوف میں مبتلا کر کے فیاض گھر آ کر آخری خط لکھ کر اس پورا کیا وہ چھ گھر سے چند دنوں کے لیے بھاگنے لگا جان بچا کر۔ ایک خوفناک کہانی۔

وہ دن خاصا خشک تھا صبح سے آسمان میں بادل اور دھندھکیل رہے تھے ہوا بھی خوش گواری کے حد سے سرد و خشک سورج کبھی چمکتا تو کبھی بادلوں کے اوتار میں چھپ جاتا یہ مارچ کا پہلا ہفتہ آخری دنوں میں پچھلے ماہ کا ایک آدھ پھول پودے نے بھی نئی جنم جا بھائی ہوئی تھی ہر طرف ہری رازی روح اب بہار کے انتظار میں تھا سردی کا منگھن موسم کے گھٹن دن رات گزار کر ہری رازی روح اب دلبرداشتہ ہو گیا تھا اب بس انتظار تھا تو صرف بہار کا اور بہار تھا کہ اپنی معمول کے مطابق ست رفتاری سے آنے کا عادی تھا بس ہر کوئی تاک میں بہار کے بیٹھا تھا ایسے میں مہاجر آباد شہر کے علاقہ رحیم کوٹ میں ایک برابر درجے کے

اسکول میں جو کہ صرف دھم ٹپ تھا میں کلاس نم میں کلاسی ٹیچر کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی داخل ہوئی جو کہ آج نئی آئی تھی آج اس کا پہلا دن تھا داخلہ کرنے کے بعد اس سے ہم کلاس کے کلاس پیپر کے نگرانی میں اپنے تعلقہ کلاس تک آتی تھی وہ نزدیکی گاؤں سے پڑھنے کی غرض سے آتی تھی لڑکی کو کلاس میں لڑکیوں کے پاس بٹھا کر استاد نے پہلا پیپر دے لکھا پیپر ختم ہونے کے بعد کلاس ٹیچر نے نئی آئی ہوئی لڑکی کا نام مہوش ریاض بتایا اور کہا کہ یہ بڑی ذہین لڑکی ہے قریشی گاؤں سے آتی ہے۔

اس کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ساتھ تعلیم سے فیض یاب ہوتے تھے لڑکیاں تقریباً



ساتھ تھیں جبکہ لڑکے بچپس کے قریب تھے ان لڑکوں میں اٹھارہ سالہ وقاص قریشی اور انیس سالہ عدنان قریشی بھی تھا مگر وقاص قریشی آج نہیں آیا تھا البتہ عدنان قریشی ضرور آیا تھا۔

کلاس میں سارا دن لڑکوں کی نظریں مہوش پر جمی رہی تھی ہر لڑکا اور لڑکی اس کو شک بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کیونکہ وہ اسی تھی کے دل کھینچنے لگے بار بار نگاہیں اس کی جانب بے اختیار اٹھ جاتی جبکہ مہوش کو یہ حرکتیں کہ وہ انہیں اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوئی موقع باتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جبکہ مہوش کو یہ پسند آتی کلاس میں اور بھی لڑکیاں موجود تھیں مگر مہوش سب پر بھاری رہی سارا دن لڑکے مہوش کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی ہزاروں نکتے آزماتے مگر سب بے کار جاتے مگر مہوش نے کسی لڑکے کو کھاس تک نہیں ڈالا اور لڑکیوں سے باتیں کرتی رہتی

یار وقاص تم آج سکول کیوں نہیں آئے عدنان قریشی نے اپنے کزن وقاص قریشی آج سکول نہ آنے کی وجہ پوچھی تھی عدنان قریشی کزن وقاص قریشی کزن وقاص قریشی کے گھر آیا تھا ان کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھ کر ان سے ہمکلام تھا یہ شام کا وقت تھا وقاص قریشی نے چاہے سے چٹکی بھری اور بالا آج بس ذرا سا بکار تھا تو اس لیے ویسے تم ایسے کیوں پوچھ رہے ہو وقاص نے جواب دیے کے ساتھ سوال بھی پوچھا

میں تو سہی ایسے ہی عدنان قریشی نے صفائی پیش کی۔ ویسے یار آج کلاس میں نئی لڑکی آئی ہے قریشی گاؤں سے بڑی انہیں ہر کوئی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں لگے رہیں مگر شاید وہ لو پاٹر ماری تھی یا انہیں لڑکوں کی یہ حرکتیں پسند نہ آئی تھیں عدنان قریشی تفصیل سے بیان گو تھا۔

اچھا تو تمہیں بھی وہ پسند آئی میں ابھی جا کر بھابی سے تمہاری شکایت کرتا ہوں پھر ہوگا تماشا یہ نئی محبت کا وقاص نے ساری بات سن کر عدنان قریشی کو چھیڑا۔ تا بھی نا۔۔ عدنان قریشی نے جلدی سے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تمہاری پیاری بھابی بھی مجھے کافی ہے میں صرف ان سے ہی محبت کرتا ہوں اور ان سے ہی شادی کروں گا پھر کیا ضرورت دوسری سے بچنے لڑانے کی عدنان قریشی نے اپنی طرف سے کوشش کی کہ وہ بات کا بنگلہ نہ بنائیں اتنا تو پھر شک ہے میں کل اسکول جان کر اس حسن کی پری کو دیکھو گا کہ یہ واقعی اتنی خوبصورت ہے کہ ہر لڑکے کی نظریں آج اس پر جمی رہی ہیں وقاص قریشی نے حوا کا کہا ایک جانب دیکھنے لگا عدنان قریشی بغیر کچھ ہے اس کا منہ ٹکٹے لگا تھا۔

تم نے مجھے چھونے کی کوشش بھی کیسے کی بے شرم بے غیرت بے حیا مہوش ریاض نے ایک جھٹ سے فیاض کی پھینک کر کے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔

فیاض جو مہوش ریاض کا نیا نیا فرینڈ بنا تھا کچھ دن پہلے کراچی سے آیا تھا مہوش ریاض کے دور کا رشتہ دار تھا آج گاؤں سے ذرا دور دو گھنٹے میدان میں ان دونوں کی تیسری ملاقات تھی لوگوں کی نظروں سے پناہ ہو کر دونوں نے تیسری بار بھی یہاں کا انتخاب کیا تھا آج فیاض نے باتوں باتوں میں جب دیکھا کہ مہوش ریاض کے رخساروں پر سنہرے بالوں کی لٹ جھول رہی ہے تو اس نے پیار سے ہاتھ آگے بڑھا کر بالوں کو کان کے پیچھے کرنے کی کوشش ہی کی تھی کہ مہوش ریاض ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اس کے ساتھ فیاض گھبرا کر کھڑا ہو گیا وہ سمجھا تھا کہ کوئی

آفت آن پڑی مگر اگلے ہی لمحے مہوش کا ہاتھ اس کے گال پر تیزی سے چھو کر واپس پہلو میں آگیا تھا اور ساتھ ہی وہ منہ سے گالی دے کر فیاض کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

فیاض کے خیال میں یہ خلاف توقع ہو تھا وہ دونوں تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کا شعلہ بھڑک رہا تھا محبت کی شدت کے آگے مجبور ہو کر دونوں کی یہ تیسری ملاقات تھی محبت اتنی تھی کہ دوسری ملاقات تیسری ملاقات میں دونوں بالکل قریب بیٹھے تھے ایک دوسرے سے الگ نہ ہونے کی قسمیں کھا رہے ہوتے تھے آج جب فیاض نے ذرا رو مانوئی انداز اپنایا تو اس کا یہ نتیجہ نکلا۔

مم۔۔۔ مم۔۔۔ مہوش کیا ہوا تمہیں۔۔۔ وہ منمناتے ہوئے بولا۔ میں ایسی کون سے غلطی کی ہے جو تمہیں ناگوار گزری فیاض نے گال کو سہلاتے ہوئے مہوش سے تھپڑ رسید کر کے کی وجہ پوچھی۔

تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے محبت بھرے لہجے سے اور زارمانوئی انداز سے مانوس انسانیت اور اخلاق کے معاملہ میں پار کر جاؤں گی یہ قیمت جانو کہ تمہارے ساتھ بات تک کرنی محبت کا دعویٰ کیا ہے اگر کچھ غلط کیا تو دونوں کو منہ دیکھانے کے قابل نہ رہوں گی تم تو لڑکے ہو زمانہ تجھے نہیں مجھے برا کہے گا اب تک جو ہوا بھول جاؤ۔۔۔ اور آئندہ ایسی خلاق سے گری ہوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

اتنا کہہ کر مہوش نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور ساتھ ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی فیاض ہکا بکا رہ گیا سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کای کریں اس نے ایسے کوئی حرکت نہ کی تھی محض بال گال سے ہٹانے کی کوشش کی تھی اس پر مہوش اتنے غصے میں آگئی تھی

کہ خدا پناہ۔

کافی حد تک تو مہوش بھی ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ وہ زمانے میں بدنام و مشہور ہونے سے ڈرتی تھی تو پھر ملاقاتیں کیوں کیسی محبت کا دعویٰ کیوں کیا تھا جدا ہونے کی ٹھان کیوں تھی اگر اتنی ہی بزدل تھی تو پھر گھر میں ہی پڑی رہتی چپکے چپکے ملاقاتوں کے لیے ویرانوں کا رخ کرتی کیوں ہے فیاض نے ایک شائیت میں بیٹھ کر کچھ کہہ دیا تھا پلیز مہوش میری محبت میری زندگی تم ایسے نہیں تھی اگر تم واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے بات تو تک نہیں کروں گا دور ہو جاؤں گا مجھ دے محض تمہاری کوئی کے لیے فیاض جذبات سا ہو کر بغیر سانس لیے سب کچھ کہہ رہا تھا مہوش دوسری طرف بدستور منہ کتے ہوئے تھی اس نے بہانہ ختم کر دیا تھا وہ اب ایک پرسکون انداز میں کھڑی تھی پھر فیاض کی طرف مڑی اور بولی ہاں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں دڑتی ہوں زمانے سے تمہاری گندہ حرکتوں سے دور رہو مجھ سے ہاتھ مت لگانے کی کوشش نہ کرنا تم مجھ سے محبت کرتے ہو مگر میں تمہارے ساتھ وقت گزاری۔

اتنا کہہ کر مہوش نے پھر منہ پھیر لیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ٹھیلے سے اترنے لگی۔

فیاض پر قیامت سی ٹوٹ پڑی تھی اس نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا کہ آنکھوں سے کھا تھا کہ وہ مہوش ہی کہہ رہی ہے کہ وہ اس سے وقت گزری کرتی ہے اس نے کہا ارے سن تو سہی بات تو سنو مگر مہوش اس سے دور ہوتی جا رہی تھی اس نے فیاض کی آواز سن کر بھی اسے جواب نہیں دیا فیاض نے ٹھیلے سے چھلانگ لگا کر مہوش کے قریب ہو گیا جلد۔ اس کے سامنے ہو کر بولا میں بھی کل جا کر قریبی گاؤں میں تمہارے سکول میں داخلہ

نویں کلاس میں لوں گا جہاں تم آج گئی تھی میرا خیال ہے کہ والدین کے ساتھ یہاں ہی ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کروں شاید پھر کراچی نہ جاؤں یہاں تو تم نہیں مل سکتی پھر۔۔۔ مگر کلاس میں تمہیں تو دیکھتا رہوں گا بیشک باتیں نہ کرو مگر نفرت بھی تو نہ کرو نا پلیز۔

مہوش فیاض کی بات سننے کے لیے چند لمحے رک گئی تھی پھر بغیر کچھ کہے سامنے سے دائیں جانب ہو گئی اور چل پڑی وہ مہوش سے بات کر رہا تھا اور مہوش اپنی رفتار میں معصوم سے قدم اٹھاتی ہوئی درختوں کی حدود سے نکل گئی تھی فیاض نے جب مز کر پیچھے دیکھا تو مہوش کافی دور چلی گئی تھی۔

ہکا ہکا رہ گیا تھا ارے ہوں یہ تو واقعی حسن پری ہے کاش یہ ہماری ہو جائے وقاص قریشی نے ہنکارتے ہوئے مہوش کی تعریف کی کیوں اچھی لگی ناں عدنان نے سوال کیا۔ ہاں یار واقعی یہ تو بہت بہت ہی خوبصورت ہے پہلی نظر دیکھتے ہی اس سے پیار ہو گیا ہے تم ٹھیک ہی کہہ رہے تھے کہ مہوش حدن پری ہے خدا کرتے کہ یہ حسن پری میری قسمت میں ہو۔ وقاص نے تعریف کے ساتھ اسے خدا سے بھی مانگا تھا چلو بہت ہو گیا اسمبلی شروع ہونے والی ہے عدنان قریشی نے اسے اسمبلی یاد دلا کر چلے گئے لو کہا تھا ہاں یار چلتے ہیں وقاص قریشی اٹھ کر کوچھل قدموں اٹھاتا ہوا چلتا بنا عدنان قریشی ہی اس کے پیچھے ہی چلتا بنا۔

یار ادھر دیکھو کوئی نیا لڑکا آیا ہے آج عدنان نے وقاص کو ادھر دیکھنے کو کہا وقاص عدنان جو نئی آتی ہوئی لڑکی مہوش کو بدستور دیکھنے جا رہا تھا عدنان نے کزن کے نشیب میں مہوش پر بھی نگاہ ڈالی حیرت کی بات یہ تھی کہ دونوں ہی ایک دوسرے کو بنا کسی کا پر واہ کیسے دیکھے جا رہے تھے اور دونوں محبت بھری نظریں ایک دوسرے سے مل چکی تھی شاید دونوں دنیا سے بے گانہ ہو گئے تھے اچانک کزن عدنان قریشی کے بات کرنے ار جھجھوڑنے پر وقاص جیسے مہوش میں آ گیا اور بولا۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ ہاں ہاں کہو کیلہ ہے کون نیا آیا ہے وقاص قریشی نے بمشکل پوچھا یار ادھر دیکھو نیا لڑکا آیا ہے کلاس میں اس کا نام فیاض ہے تم تو شاید کچھ زیادہ ہی مہوش میں دلچسپی لینے لگے ہو اس کو ہی دیکھتے ہو اتنا بھی نہ دیکھو کہ سی کو شک ہو جائے۔

عدنان قریشی نے گزشتہ بات دہرانے کے ساتھ نصیحت بھی کی۔

ارے کب آنے کی حسن پری میں تو تھک گیا ہوں انتظار کرتے ہوئے وقاص نے طویل انتظار سے پیزار ہو کر کزن کی طرف دیکھ کر پوچھا یہ دونوں لفٹ کے صبح ہی سکول آ گئے تھے سکول ایک کلاس روم میں رکھ کر سامنے گراؤنڈ کے ایک بیچ پر بیٹھے تھے جس سے سکول کی حدود دروازہ با آسانی سے دیکھ سکیں۔

صبر کرو بھائی اراچھی چیز دیکھنی ہو تو انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے وقاص قریشی کو دلاسہ دیکر عدنان قریشی صدر دروازے کی جانب دیکھنے لگا کچھ اپنی کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے کافی وقت گزر گیا باتوں باتوں میں جب عدنان قریشی کی نظریں اچانک سکول گیٹ پر پڑیں تو ایک دم خاموش ہو گیا۔

دیکھو۔۔۔ آگئی مہوش۔۔۔ عدنان قریشی نے گیٹ کی جانت نظر ہٹا کر وقاص قریشی کو دیکھ کر کہا۔

وقاص قریشی نے بھی زیرنگاہیں کی تو ایک دم

سے گزر رہی تھی یہاں دوستوں میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی کلاس دہم کے بورڈ کے امتحان دیکر چاروں گھروں میں بیٹھ گئے تھے اب انتظار تھا تو صرف چالیسوں کو رزلٹ کا وہ دن بھی آگیا جب چاروں کا رزلٹ دیکھنے تھا نتیجہ دیکھ کر چاروں خوش ہو گئے تھے کیونکہ ودنان وقاص اور مہوش نے دہم کلاس کو اچھے نمبروں سے پاس کیا تھا جبکہ فریال اس لیے خوش ہو رہی تھی کیونکہ انہوں نے دو پیرفل کیے تھے وہ آگے پڑھنا نہیں چاہتی تھی لہذا کانٹ بڑھنے کی جھنجھٹ سے رہ گئی تھی اور گھر میں ہی وہ رہ گئی تھی فریال خوش تھی پرچے فیل ہونے انہیں غم نہ ہوا ہونے کے بجائے وہ خوش تھی عدنان نے انہیں بہت سمجھایا کہ آگے پڑھو پھر امتحان دو مگر فریال نے نہ عدنان کی سنی اور نہ والدین کی اور اس لیے گھر میں بے کار بیٹھ گئی تھی فریال کو سکھ میں دیکھ کر والدین کے ساتھ ساتھ عدنان نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

اچھا ٹھیک ہے مگر وہ تو بس ایسے ہی وقاص قریشی نے ٹال مٹول سے کام لیا عدنان قریشی جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بال رہا ہے اچھا پتا ہے مجھے تجھے پیار ہو گیا ہے مہوش سے مگر یہ خیال بھی رہے کہ فیاض مہوش کا گزرا ہوا بوائے فرینڈ ہے اب دونوں میں جھگڑا ہوا ہے دونوں بات نہیں کرتے ایک دوسرے سے عدنان قریشی نے وضاحت کی تو تمہیں کس نے کہا ہے وقاص نے پوچھا وہ مہوش کا پڑوسی خیال نے کہا ہے اس نے یہ بات راز داری سے کہا کہ اور کسی کو نہیں کہنا سوائے وقاص کے عدنان قریشی نے راز داری کی بات دہراتے ہوئے کیا ہوگا۔

وقاص نے پوچھا کچھ نہیں! تم مہوش سے پیار کرتے پھر وگرم کسی کو شک نہ ہو اور کوشش کرو فیاض مہوش سے دور رہو۔ عدنان نے ایک مشورہ دیا وقاص نے ہاں ٹھیک ہے میں سر ہلا دیا۔

اب مجھے مار کس حاصل کر کے عدنان قریشی کے ساتھ ساتھ وقاص قریشی اور مہوش نے ایک ہی کالج میں داخلہ لے لیا جو کہ مظفر آباد سٹی میں تھا کالج میں بھی تینوں ساتھ ساتھ رہے مگر عدنان قریشی کو فریال اب بھی یاد آ رہی تھی بے قراری کے عالم میں عدنان نے شب و روز بسر کر رہا تھا یہ تینوں جب سے کالج آئے تھے تو انہوں نے پھر گاؤں جانے کے بجائے ہاسٹل میں ہی رہائش اختیار کر لی جبکہ مہوش نے گرلز ہاسٹل میں رہنے کی ٹھان لی اور مہوش کا سابقہ دوست فیاض گاؤں میں ہی رہ گیا تھا۔

وقت کے پرندے نے خوب اڑان بھری تھی مہوش ریاض اس کا فرینڈ وقاص اور ان کے کزن

کلاس کے شب و روز تیزی سے گزر رہے تھے اس دوران کافی سی ساری تبدیلیاں آئی تقریباً ایک سال گزر گیا وقت کی دھندھ میں ہر چیز دھندلا گئی تھی مگر مہوش اور وقاص کی محبت اب محبت نہ رہی تھی پیار محبت نے اب عشق کا روپ دھار لیا تھا دونوں نے ایک دوسرے سے اقرار عشق و محبت بھی کر لیا دونوں میں پیار کم نہیں روز بروز بڑھتا رہا تھا فیاض بھی ایک دوبار مہوش سے معافی مانگ چکا تھا دوسری طرف عدنان اور اس کی پڑوسی فریال کے پیار میں عشق کا لہادہ اوڑھ لیا تھا دونوں کی کزن اپنی اپنی فرینڈ سے بے پناہ محبت کرتے تھے دونوں نہیں جانتے تھے کہ ان کی کزن فرینڈ ان سے الگ راہ اختیار کریں اسی طرح ہی کلاس 9 ختم ہو گئی تھی کلاس 10 بھی آخری دنوں

عدنان نے تعلیم بھی مکمل کی اب تینوں اپنے اپنے گاؤں جا چکے تھے تعلیم اپنے اپنے گھر پہنچ کر سب خوش تھے فریال اپنے دوست عدنان کو واپس آتے دیکھ کر ہواؤں میں اڑنے لگی تھی وقاص اور اس دوست مہوش بھی گاؤں آجر خوش مطمئن تھے کئی روز گزرے تھے کہ مہوش کو کسی گات کے تحت اس کا گز سسہ گز را سا دوست فیاض یاد آ گیا تو وہ سوچ میں پڑنے لگی کیونکہ فیاض کو مہوش نے دیکھا نہیں تھا۔

جب سے آئی تھی فیاض اس کو کہیں بھی دکھائی نہیں دیا تھا ویسے انہیں غم بھی نہیں تھا کیونکہ وہ تو اس سے ناراض تھی مگر پھر بھی وہ ذرا سی نروس ہو چکی تھی اس نے دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ وہ بتا ضرور لگائے گی کہ فیاض جانے کہاں چلا گیا ہے وہ ایسے ہی کشمکش میں تھی پھر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے ارادے کو مٹا کر پھانے کا ارادہ کر لیا وہ اپنی حالت اور اسی وقت گھر سے باہر نکلی فیاض کا گھر ان کے گھر سے ذرا ہی دور تھا کچھ دیر بعد وہ فیاض کے گھر کی وینڈو پر کھڑی تھی اندر پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ فیاض تو ایک سال سے گھر سے بھاگ گیا ہے پھر گھر کی راہ بھی نہیں، یہ سب کچھ فیاض کی ماں نے روتے ہوئے مہوش کو بتایا تھا فیاض کی ماں نے بتایا کہ پتہ نہیں وہ کیوں گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے اسے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی انہیں یہاں بس ہمیں روتا دھوتا چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔

فیاض کی ماں کا غم وہ زیادہ تازہ نہیں کرنا چاہتی تھی مہوش ریاض بھی کچھ خفا ہو گئی تھی زیادہ نہیں تو کچھ دن دوست وہ اس کا رہا تھا فیاض کی باب لود اسے دیکر وہ بوجھل قدموں سے دل میں خصلت ہنسی کی رگڑ کی جانب چلتی تھی۔

دوسری صبح شور مچا آس پاس کے رہنے

والے لوگوں کی زبان پر یہ بات سرعام تھی کہ کم از کم سال سے کم شدہ فیاض اچانک گھر آ گیا ہے فیاض کے گھر میں بیسے اچانک خزاں میں بہار آ گئی ہو گھر میں شور سا رہا ہو گیا تھا ماں باپ کے چہروں سے خوشی پھوٹ رہی تھی دونوں خود کو ہواؤں میں اڑتے محسوس کر رہے تھے فیاض زیادہ نزدیک رہتا تو مہوش نے انہیں دیکھ دیکھ لیا تھا تو وہ حیران رہ گئی تھی اچانک خیالوں میں کھو گئی تھی انہیں فیاض کو غور سے دیکھنے لگی تھی کیونکہ فیاض اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا وہ شہر سے کافی بدلا ہوا تھا پہلے جیسا چنچل شوخ لڑکا نہیں رہا تھا بس خود ہی غم سم تھا مہوش نے جب یہ حال دیکھا تو کافی افسردہ سی ہو گئی فیاض سے پوچھ رہی تھی کہ کیونکہ دونوں میں پہلے ہی مڈ بھیڑ ہوئی تھی لہذا وہ چپ بی رہی فیاض سے والدین کے ساتھ ہمسایوں اور رشتہ داروں نے بھی پوچھا کہ وہ ایک سال کہاں غم تھا یا کہاں گیا تھا تو فیاض نے انہیں کچھ بھی نہیں بتایا لہذا صرف اتنا ہی کہا کہ وہ راستہ بھٹکا ہوا تھا صبح وجہ نہ بتانے پر سب لوگ چپ رہی رہے۔

فیاض کی زندگی میں لوگوں نے زیادہ مداخلت اچھا اور ٹھیک نہیں سمجھا کیونکہ وہ تو کافی بدلا ہوا تھا بس اپنے آپ میں ہی گم رہتا تھا۔

ایک شام چاروں نے کسی سرسبز جگہ پر ملاقات کی پھر جب اندھیرا ہونے لگا تو ان چاروں مہوش ریاض اور وقاص قریشی فریال اور عدنان نے گھر کی راہ لینا مناسب سمجھا لہذا کافی وقت گزرنے کے بعد انہوں نے اس راستے پر چلنا شروع کر دیا جو ان چاروں کے گھروں تک جاتا تھا راستے میں مہوش الگ ہو گئی کیونکہ اس کا گھر تو مشرق میں تھا اور وہ تینوں رجم کوٹ کی جانب مڑ گئے تھے اب مہوش ایک الگ راستے پہ

بہار بیتی تھی جب آبادی کے قریب پہنچ گئی تو اسے
فیاض دکھائی دیا جو سامنے سے آ رہا تھا جب ایک
دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو مہوش کا خیال تھا کہ
وہ فیاض سے دو چار پائیں کر لے گی فیاض بھی خود
بے تاب ہوا ہوگا مہوش سے بات کرنے کے لیے
مگر جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو فیاض نے
مہوش کی جانب سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف
دیکھنے لگا مہوش کے سوش کے برعکس یہ ہوا تھا پھر
مہوش نے بھی یہ واقعہ کچھ نہ سمجھا اور گھر کی طرف
چلتی بنی رات کے وقت مہوش کا دم کچھ گھٹ رہا تھا
دل ان کا کسی انجانے خوف میں مبتلا ہو گیا کسی پل
چین نہیں آ رہا تھا اسی حالت میں ہی وہ اپنے
کمرے میں گئی اور سونے کے لیے لیٹ گئی کچھ دیر
بعد اس کی آنکھ کھل گئی

رات کا نجانے کون سا پل تھا کہ اس کی کسی
آہٹ سے آنکھ کھل گئی وہ چپے میں شرابور تھی
کمرے میں اس نے نگاہ پانچوں جانب دوڑائی
مگر اسے کچھ دکھائی نہ دیا کمرے میں زبردستی کا
جلباب روشن تھا موت کی وحشت چار سو پھیلی ہوئی تھی
دور دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بدستور
سنائی دے رہی تھی مہوش نے آہٹ کو وہم سمجھ کر پھر
آنکھیں بند کر لیں چند لمحوں بعد کوئی مہوش کے
کانوں میں کچھ بول رہا تھا مہوش نے کسی مرد کی
آواز میں یہ الفاظ سنے مہوش میں آگیا ہوں اپنا
بدلا لینے تم نے مجھے ٹھکر لیا میں تمہیں تمہارا
دوست سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دوں گا تم تیار
رہو تم دونوں بھی بھی ایک دوسرے کے بے ہوش
گئے جیسے بھی مہوش نے یہ الگٹ سنے تو اس نے
فورا آنکھیں کھول دیں تو اس کے سامنے فیاض
کھڑا تھا فیاض اب فیاض نہیں رہا تھا وہ کسی
درندے کی طرح دکھائی دے رہا تھا آنکھیں اس
کی سرخ بال بکھرے ہوئے اور دانت بڑے

فیاض ایک سال سے گھر سے گم ہو گیا تھا
اصل میں وہ کبھی بلکہ خود اپنا گھر چھوڑ کر کسی
دوسرے شہر میں چلا گیا تھا وہاں اس نے ایسے شخص
کی خدمات حاصل کی جو جادو نو نہ عمل کرنا دشمن کو
زیر کرنا جانتا تھا فیاض نے اپنی سے بھاری
معاوضے کے عوض ایک ایسا نمل سیکھ لیا جس سے وہ
مہوش کو وقار قریشی سے جدا کر سکے ساتھ ساتھ اس
نے ایک سال میں بہت عملیات دیکھ لیے یعنی اب
وہ بھی ایک قسم کا جادوگر بن گیا تھا مگر جب اپنے
گاؤں آیا تھا خود کو وہی پہلا والا فیاض ظاہر کرنے
لگا تھا وہ مہوش سے بدلا لینا چاہتا تھا کیونکہ مہوش
نے چھ سال پہلے اس کی تھپڑ مار کر ہمیشہ کے لیے ان
سے جدا ہوئی تھی فیاض کے دل میں رہی پچھلا والا
واقعہ اب بھی آباد تھا۔

بدلا لینے کے لیے اس نے گاؤں کے
قبرستان میں تین راتیں بھی گزاریں تھیں پھر موقع
دیکھ کر مہوش کے گھر کے چاروں طرف دم کی ہوئی
دھواں بھی ڈالی ان کے والدین کے نام پر نوٹے
قبر میں دو مخصوص قام کے انڈے بھی دفن کئے کچھ
عمل کر کے پھر اس نے مہوش اور وقار کے نام پر

او پتھرندی میں پھینک دیئے اس کے بعد اس نے کچھ ورد کا غنڈ پر لکھ کر ایک پرانے درخت کیساتھ جڑوں میں دفن کر دیئے اس کے ساتھ جب عمل پورا ہوا تو فیاض نے خبردار کرنے کے لیے مہوش کو ڈرا کر بتایا کہ اب وقار اور مہوش کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے مہوش کو ڈر و خوف میں مبتلا کر کے فیاض گھر آ کر آخری خطرناک عمل پورا کیا اور پھر گھر سے چند دنوں کے لیے بھاگنے کا پلان بنایا۔

مہوش جو لاکھوں میں ایک تھی اب وہ پچھلی والی مہوش نہ رہی تھی فیاض کا قتل رنگ لایا تھا اب مہوش گھر میں ہی رہ کر سکون محسوس کرتی تھی اس نے لوگوں سے ملنا جلتا ترک کر دیا تھا وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگی تھی لوگ اسے باطل کہنے لگے کیونکہ یا تو وہ گھر میں ہی رہتی یا گھر سے جب باہر جاتی تو پھر گھر جانے کا نام ہی منہ پر نہ لاتی تھی کبھی بھی تو زور سے ہنستی یا پھر رونے دھونے سے اس کا کام تھا کھانا نہیں کھاتی تھی اگر بیٹھ جاتی کھانا کھانے تو بھول کر مرنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی بس ایسی حالت میں تھی کہ پاگل بھی کہلاتی اور ٹھیک بھی کہلاتی کی بار وقاص قریشی نے اسے ملنے کا کہا مگر آگے سے وہ پاگلوں جیسے باتیں کرتی وقاص اسے اپنے آپ سے بھی زیادہ پیار کرتا تھا جب ان کی یہ حالت دیکھی تو دیکھتا ہی رہا تھا بہت روتا کئی بار اس نے والدین کو مہوش کے گھر بھی بھیجا تھا وہ مہوش کا ہاتھ مانگیں مگر آگے سے مہوش کے والدین صاف انکار کر دیتے پہلے پہلے تو مہوش اور وقاص دونوں کے والدین خوش تھے کہ ان دونوں مہوش اور وقاص کی شادی ایک دوسرے سے کریں گے مگر جب مہوش نیم پاگل ہوتی تو دونوں کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ دونوں بچوں کی زندگی خراب ہو جائے مگر بار فریال بھی مہوش کو

سمجھانے لگی تھی مگر وہ بھی ناکام لونی تھی مہوش کے والدین نے ڈاکٹر سے بھی ان کا علاج کروایا پھر ملاؤں کو بھی دکھایا مگر نتیجہ وہی کا وہی مہوش تھی کہ ٹھیک ہونے کا نام بھی نہیں لیتی تھی۔

وقاص کو ایک اللہ والے مفتی بندے کو ذریعے پتہ لگ گیا تھا کہ یہ سب کچھ فیاض کا کیا دھرا ہے سب لوگوں نے فیاض کو بہت ڈھونڈا مگر وہ گھر سے پھر بھاگ گیا تھا کسی کے ہاتھ بھی نہیں لگا فیاض کا کیا ہوا عمل برقرار تھا کوئی بھی عامل اس عمل کو ختم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ بہت ہی گرا اور سخت عمل تھا جو فیاض نے ایک سال میں سیکھا تھا۔

انہی حالات میں وقاص کے والدین نے لاہور بھیج دیا جہاں اس نے ایک ہوٹل میں عارضی طور پر کام کرنا شروع کر دیا تاکہ اس کا دل بھی بہل جائے کیونکہ مہوش اسی حالت میں تھی جو پہلے جیسے تھی وقاص کے لاہور جانے کے بعد بھی مہوش کے والدین نے اس کا بہت علاج کروایا وہ وہی کی وہی رہی کبھی کبھی وقاص کو یاد کر لیتی ہے یا تو مٹی ہے یا بہت روتی ہے جو بھی مہوش کا یہ حال دیکھتا ہے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں عدنان قریشی کے والدین ان کے لیے فریال کا ہاتھ مانگتے ہیں مگر عدنان نے فوراً منع کر دیا کہ وہ اور وقاص ایک ساتھ شادی کریں گے آگے سے مہوش کا یہ حال تو وقاص کیا خاک شادی کرے گا والدین نے وقاص سے کہا کہ تمہاری شادی کسی اور سے کروا دیتے ہیں مگر وہ فوراً انکار کر دیتا ہے اگر شادی کرنی ہے تو صرف اور صرف مہوش سے تو والدین خاموش ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف عدنان کے والدین بھی دونوں لڑکوں کے لیے سخت پریشان ہیں فریال کے والدین بھی کچھ مگر گئے تھے شاید وہ اپنی بیٹی کی

محبت اس میں دیکھی ہے رفاقت اس کی دیکھی ہے

غزل

یہ شعر خن میرے یہ ایک غنائیت ہے
ہر ورق بھی سونا ہے ہر باب حقانیت ہے
ہے وقت اڑان ایسی ہر اک کو اڑاتا ہے
پچھلے وقت کو چھوڑ آئے یہ اپنی زیست ہے
اک ریم کا گھر تھا میرا لہروں نے منا ڈالا
اس کے دل میں اب تو میری پختہ عمارت ہے
جنون کے سمندر میں بہا ڈالیں کبھی خواہشیں
دھاروں سے بچایا ہے سب اس کی عنایت سے
یوں نوحے کے بکھرے ہیں نہیں اپنی پہچان کوئی
کرن ڈھونڈنا چاہیں تو اب اس سے شناخت ہے
کشور کرن پتوکی

شیطان سے حفاظت کی تدبیر

حضرت عبداللہ انساری رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب
رات شروع ہو تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روک دیا
کرو۔ کیونکہ اس وقت شیاطین فتنہ پھیلانے کے لئے
زمین پر پھیلے ہیں۔ جب ایک گھڑی گزر جائے تو
بچوں کو چھوڑ دیا کرو اور اپنے گھر کے دروازے بھی بند
کر دیا کرو اور بند کرتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو۔
کیونکہ اس طرح بند شدہ دروازہ شیطان نہ گھول سکتا
ہے۔ اپنے برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو اور ان کو ڈھانچے
وقت بھی اللہ کا نام لیا کرو۔ چاہے کچھ بھی ملے۔
برتنوں پر رکھ لیا کرو اور اپنے چراغ بجھا دیا کرو۔ ایسا نہ
ہو کہ کسی جن یا چوہے کی شرارت سے کسی چیز کو آگ
لگ جائے۔

مراسلہ: خولہ بنت سلیمان۔ صابر

ناز۔ سرائے عالمگیری

اپریل 2015

خونفاک ڈائجسٹ 71

شادی عدنان سے کروانے کے لیے تیار نہیں
وقاص ابھی تک لاہور میں ہے جبکہ عدنان ابھی
گاؤں تو بھی وقاص کے پاس لاہور میں ہوتا ہے
فریال سخت اذیت میں جبکہ مہوش کبھی ٹھیک تو کبھی
نیم پاگل رہتی ہے اور فیاض ویسے ہی فرار ہے ان
کی تلاش جاری ہے مگر نہیں مل رہا عدنان کے
مطابق فیاض نے فریال کے گھرانے پر بھی کچھ عمل
کیا ہے جس کے نتیجے میں فریال کے والدین ہاں
تو بھی ناں کر دیتے ہیں عدنان اور وقاص دونوں
سخت پریشان ہیں کہ کب خدا ان پر مہربان ہوگا
اور حالات کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی قسمت
بھی جاگ جائے کہ وہ اپنی اپنی محبوباؤں سے مل
جائیں گے۔

ایک فیاض نے چار گھرانوں کے چار تئوں کو
ان کی لڑی سے الگ کر کے بکھیر دیا ہے چار موٹی
یعنی وقاص مہوش عدنان اور فریال اب بھی اپنی
اپنی قسمت پر رو رہے ہیں میری دعا تو یہی ہے کہ
خدا فیاض کو ان سے ملو دے تاکہ وہ چاروں کے
درمیان میں عمل کو ختم کر دے یا خدا ہی کچھ کرے
کرے کہ وہ چاروں یعنی بکھرے ہوئے موٹی چھ
سے ٹری میں بند ہو جائیں۔

غزل

اگر دیکھی زمانے میں شرافت اس کی دیکھی ہے
ہمارے دل کو جو بھائی و دوست اس کی دیکھی ہے
انداز گفتگو اس کا بڑا عظیم و فراست ہے
شجاعت بھی ملی اس میں عقیدت اس کی دیکھی ہے
اصولوں سے ہے جنگ اس کی شہرت وہ نہیں کرتا
خوش ہے اپنی زیست میں سکونت اس کی دیکھی ہے
یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ گئے وقتوں کا حاتم تھا
پر کھا جب اسے ہم نے سیاست اس کی دیکھی ہے
اسے کھونا نہیں چاہتے کرنا دنیا کی رسموں میں

طلسمی جادوگر

-- تحریر۔ از میراعوان۔ گل ڈھولک۔ --

تم کو یہی طلسم جو میں نے رات کو تمہیں بتایا تھا وہ پڑھ کر جس لڑکی کے اوپر بھی تم پڑھ کر پھونکو گے وہ مدد ہوئی ہو جائے گی اور تم نے اٹھا کر میرے پاس لانا ہے جلدی کرو سخاوت چل پڑا اور جب وہ دوسرے گاؤں پہنچا تو راستے میں ایک قبرستان تھا وہ اس قبرستان میں سے نکل کر سیدھا قبرستان کی سطح سے نکل کر گاؤں میں پہنچ گیا گاؤں پہنچ کر ایک لڑکی کہیں گاؤں سے گھاس کاٹ کر لارہی تھی سخاوت نے اس کو اوپر کچھ پڑھ کر پھونکا تو لڑکی مدد ہوئی ہوئی سخاوت اسے اٹھا کر جادوگر کے پاس لے گیا اور کچھ جادوگر نے سخاوت کے کندھے پر لڑکی کو دیکھا تو جادوگر خوش ہو گیا اور کہا سالک تمہیں میں بڑی شکتی دوں گا تم اس شکتی سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکو گے اور جادوگر نے اس لڑکے کو طے خانے میں بند کر دیا سخاوت کو کہا تم جادوگر سے کمرے میں سخاوت دوسرے کمرے میں چلا گیا وہاں پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کب تک میرا یہ حال رہے گا تم ہو جاؤ اور کب میں اپنے مقصد کو حاصل کروں گا خیر وقت سے گزارتا رہا سخاوت روزانہ لڑکیاں لاتا رہا آج ساتویں دن تھا سخاوت چلے میں مصروف ہو گیا تھا تو اچانک ایک خوفناک قسم کا اثر دھوا حاضر ہوا اور سخاوت کو کہا انسانی آواز میں اسے پتہ نکل آ اس دھماکے سے ورنہ تیری موت یقینی ہے۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

ہے جو کہ فیصل آباد میں ہے اس لیے سخاوت کو مکنی مکنی ماہ تک گھر سے دور ہی رہنا پڑتا تھا عید کے روز سخاوت اپنے گاؤں آیا تو وہ حیران رہ گیا تھا کیونکہ ان کے محلے میں ایک گھر کا اضافہ ہو چکا تھا بحر حال وہ اپنے گھر میں داخل ہوا والدین سے ملا۔۔۔ سب سخاوت سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے سخاوت نے کپڑے تبدیل کیے اور کھانے کی میز پر آگیا کھانے کے دوران اس نے ابو سے پوچھا۔

ہمارے محلے میں یہ نیا مکان کس کا ہے۔

ابو نے کہا۔ بیٹا یہ لوگ ایبٹ آباد سے آئے

میں ان کا نام عامر سلیم ہے اور یہاں آتے ہی رہتے ہیں خیر سخاوت رات کو جلدی سو گیا تھا صبح وہ تقریباً سات بجے اٹھا منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا پھر وہ

قریبی پہاڑوں میں سیر کرنے کے لیے چلا گیا

جس روز کی طرح آج بھی گاؤں میں ایک حسین لڑکی غائب تھی کسی کا یہ کام ہو سکتا ہے۔ سوچ۔ سمجھ۔ اوپس۔ مونیب۔ مجاہد مونا۔ یہ سب دوست بیٹھ کر سوچ رہے تھے کہ کیا چکر ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی غائب ہوتا ہے اور غائب ہونے والوں میں سے صرف بیس سال کی لڑکی ہوتی مینیب نے فیصلہ سنایا۔

پہرہ دیا جائے کہ اس خوفناک کام میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے یہ سب اس بات سے حیران تھے کہ اتنا عرصہ ہو گیا ہے مگر اس انگو اکرنے والے مجرم کا ابھی تک کوئی پتا نہیں لگا سکتا سب دوستوں نے پہرہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

سخاوت ایک کپڑے کی فیکٹری میں کام کرتا



کیونکہ سیرگاہ میں زیادہ پہاڑ ہی تھے خیر سخاوت ایک پتھر پر بیٹھ گیا اچانک سخاوت کی نظر بستی ہوئی ندی پر بڑی جہاں ایک دوشیزہ پانی پینے میں مصروف تھی وہ کوئی جنت سے اتری ہوئی حور لگ رہی تھی سخاوت ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا اور مشکل سے صف اتنا ہی کہا۔

م۔۔ مجھے سخاوت کہتے ہیں
دوشیزہ نے غور سے دیکھا اور شرماتے ہوئے بولی میرا نام سنا ہے ہم ایبٹ آباد میں رہتے تھے اب یہاں آگئے ہیں۔

سخاوت حیرت سے بولا۔ وہ نیا مکان آپ کا ہے۔

جی ہاں سنانے جواب دیا
سخاوت کہنے لگا۔ ایک بات کہوں برا نہیں مانو گی۔

سنانے کہا۔ نہیں جان سنا
سخاوت کہہ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس نے کہا سنا میں تم سے پیار کرنے لگا ہوں خدا کے لیے میری محبت کو مت ٹھکراتا۔

سنانے کہا سخاوت مجھے بھی تم سے محبت ہے لیکن

لیکن کیا سناؤں۔ سخاوت نے بات کاٹ کر کہا

لیکن میں چند ماہ کی مہمان ہوں وہ کیوں سخاوت نے کہا۔

اس لیے کہ میرے ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں وہ کبھی میری خوشی کو نہیں دیکھ سکتے۔

سخاوت نے کہا فکر مت کرو میں انشاء اللہ تم کو حاصل کر کے رہوں گا آپ چلئے

وہ دونوں اپنے اپنے گھر چلے گئے سخاوت حقیقت میں سخت پریشان تھا وہ پھر اٹھا اور اپنے دوستوں مہراں کے پاس گیا مہراں سخاوت کو دیکھ

طلسمی جادوگر

کر بہت خوش ہوا اور کہا
چلو یار اندر آؤ۔

سخاوت نے کہا یار مجھے تم سے ایک کام ہے چلو میرے ساتھ

مہراں اپنے گھر والوں کو بتا کر سخاوت کے ساتھ چل پڑا تھا راستے میں سخاوت نے تمام بات اسے بتادی

مہراں نے کہا رات تمہارا اس کام میں ساتھ دینی گا تمہارے گھر والوں کو راضی کرنا میرا کام ہے مگر یار ایک مسئلہ بھی بنا ہوا ہے گاؤں میں

سخاوت نے کہا کیا
مہراں نے کہا ہر روز کوئی نہ کوئی لڑکی پر

اسرار طے سے غائب ہو جاتی ہے پتا لگانے کے باوجود بھی کوئی حال نہ نکلا

سخاوت نے کہا پھر کیا کیا جائے
مہراں نے کہا میں ایک بزرگ کو جانتا ہوں

جو ہمیں اس مشکل سے نکال سکتا ہے
سخاوت نے کہا یار جلدی جاؤ بزرگ کہاں

ہے
حوصلہ رکھو سخاوت صاحب اتنی جلدی ابھی نہیں ہوتی۔

سخاوت نے کہا۔۔ جلدی کرو کیونکہ یہ پورے گاؤں کا مسئلہ ہے۔

مہراں نے کہا مارکل چلے جائیں گے۔
سخاوت نے کہا تمہارا کوئی کام ہے تو وہ بے

شک تم نہ جاؤ مگر میں ابھی جاؤں گا تم خود بتا دو۔
مہراں نے کہا تم سنو یہاں سے تقریباً

9 6 0
کلومیٹر دور شمال کی جانب ایک دریا بہتا ہے دریا

کے پار ایک خوفناک گھٹا جنگل ہے اس جنگل کے درمیان میں ایک کمرہ ہے اس کمرے میں بزرگ رہتے ہیں

خوفناک ڈائجسٹ 74

بہت شکر یہ مہراں بھائی آپ کا میں آج ہی بالکل ابھی سے تیار ہوتا ہوں اور سنو میرے گھر والوں کو اور ثناء کو پتا نہیں چلنا چاہئے اب مجھے اجازت دیں مہراں نے سخاوت کو گلے سے لگایا اور سخاوت اپنے گھر کی طرف چل دیا اس نے گھر آ کر والدین سے کہا۔

میری چھٹی ختم ہو گئی ہے میں چلتا ہوں

والدین نے سخاوت کو رخصت کیا سخاوت نے اللہ حافظ کہہ کر اپنی منزل کی طرف جانے لگا اس نے ایک ٹھوڑا لیا اور جاتے جاتے شاہ سے ملنا اس نے مناسب نہ سمجھا اور وہ شاہ کے گھر کے باہر اس کا انتظار کرنے لگا تو ثناء جب باہر آئی تو سخاوت اسے ملا اور سب کچھ اسے کہا اور کہا۔

اس کام میں ہمارے لیے جان بھی لگ سکتے ہیں تم نے میرا انتظار کرنا ہے

ثنا سن کر رونے لگی اور کہا سخاوت میں تم سے کبھی نہیں جانے دوں گی تم مجھے تنہا چھوڑ کر مت جانا خدا کے لیے

سخاوت نے کہا ثنا میری بات سمجھنے کی کوشش کرو میں ایک نیک کام کے لیے جا رہا ہوں بہت جلدی واپس آ جاؤ گا بس آپ حوصلہ رکھو میری جان میرا انتظار کرنا سخاوت نے حوصلہ کر کے خود میں بھی ہمت پیدا کی اور اسے بھی منایا اور اس سے خوشی خوشی اجازت لی اور وہ اس کے سامنے پریشان ہونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ پھر اس نے اجازت بھی نہیں دینی تھی۔

دوسری طرف سمیل اور اولیس بھی جان توڑ کوشش کے باوجود بھی اس قاتل اور اغوا خور کا سراغ نہ لگا سکے اس لیے اولیس نے ایک بزرگ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور بزرگ دوسرے گاؤں میں رہتے تھے سمیل اور اولیس جب بزرگ

کے پاس پہنچے تو بزرگ نے کہا کیا بات ہے بیٹا تم کیوں اتنے پریشان ہو انہوں نے سب بات باباجی کو بتائی تو بزرگ نے کہا بیٹا میری بات غور سے سنو یہاں سے تقریباً دو کلو میٹر دور پہاڑ پر ایک جن رہتا ہے وہ ایک طاقتور جادوگر کا غلام ہے اور وہ جادوگر کے کہنے سے یہ سب کچھ کر رہا ہے بیٹا جادوگر نے چوبیس لڑکیاں ذبح کر دی ہیں اگر اس نے چودہ لڑکیاں اور شیطان کے کہنے پر ذبح کر دیں تو وہ اس دنیا کا بہت بڑا جادوگر بن جائے گا پھر اس کو ختم کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا ابھی بھی اس کے پاس ایک بہت بڑی طاقت ہے اس کے پاس ایک خونی پرندہ ہے وہ اسی خونی پرندے کے ذریعے ہر مشکل کا مہلور اسے انجام دلوا لیتا ہے۔

سمیل نے ایک دم کہا بابا اس کی صورت کا راز کیا ہے بابا نے کہا

تم ایسا کرو تم آج رات یہاں ہی رہو میں چلے کر کہ آپ کو اس جادوگر کی موت کا راز بتا دوں گا

دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا رات کو کافی دیر ہو گئی تھی مگر ابھی تک بابا چلے

میں مصروف تھے سمیل اور اولیس انتظار کر کر کے تھک چکے تھے پھر اچانک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی جب انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو بابا

کا جسم طلسمی آگ میں جل رہا تھا تو اولیس نے کہا باباجی کیا ہو گیا ہے۔

بابا نے کہا بیٹا میں چلے کے دوران دھسار بنانا

بھول گیا تھا اس وجہ سے اس شیطان کی خونی زنجیر

نے مجھے مار ڈالا بیٹا تم ایسا کرنا میری الماری میں سے چوہنی والی کتاب ہے اس میں کچھ چلے ہیں وہ

کر کے آپ نے اس جادوگر کو ختم کرنا ہے پھر ایک دم خونی زنجیر نے اسے تھکسا دیا چند منٹ بعد باباجی کی لاش پڑی ہوئی تھی

ایک چل کرتا ہوں تو سخاوت دوسرے کمرے میں چلا گیا تو جادوگر کچھ پڑھ کر پھونکا تو ایک چڑیل حاضر ہوئی ایسی خوفناک چڑیل جس کے دو دانت منہ باہر نکلے ہوئے تھے گوشت اس کے منہ سے ٹپک کر زمین کی طرف آ رہا تھا بالی اس کے اتنے لمبے تھے کہ زمین کو چھو رہے تھے آنکھوں کی جگہ دو گھڑے اور غار کی طرح اس کی زبان خون سے ایسے سرخ تھی جیسے ابھی کسی کا خون پیا ہو وہ کڑک دار آواز میں بڑبڑاتی

کیا حکم ہے میرے آقا تو جادوگر جس کا اصل نام وہاں جادوگر تھا اس نے کہا شی

ایک چڑیل میں تم کو ایک مڑے نی بات بتانا چاہتا ہوں غیبی چڑیل ہماری برسوں کی خواہش پوری ہونے والی ہے میں آج بہت خوش ہوں شیلہ نے کہا آقا ایسی کون سی آپ کی خوشی پوری ہونے والی ہے جو مجھے بھار ہے ہو پہیلیاں نہ سمجھو او بلکہ صاف صاف بتا دو کیا بات ہے۔

جادوگر نے کہا چلو سنو پر آج ایک آدم زاد مجھے بزرگ سمجھ کر میرے پاس آ گیا ہے۔

ایک دم چڑیل بولی واہ آقا واہ کیا بات ہے اس کا مطلب یہ آج گھر میں ہی ملے گی۔

جادوگر ایک دم بول اٹھا تمہیں اپنے پیٹ کے علاوہ چھوڑ کر بھی ہے اپنے پیٹ کے بارے میں ہی سوچتی رہی ہو میرے کہنے کا مطلب ہے سخاوت اس لڑکے کا نام ہے یہ بڑے کام کا بندہ ہے اس سے میں نے شکھ کام کروانے ہیں جو میں خود بھی نہیں کر سکتا اور تم بھی نہیں کر سکتی کا کام کے لیے سخاوت کو ہی میں نے چنا ہے

اس نے کہا کہ ایسا کیا کام ہے آقا جو میں نہیں کر سکتی اور وہ بے کش اور بے کس بندہ وہ کام کرے گا آقا اگر آپ مجھے سخاوت کا خون پینے دیں تو میں آپ کا کام برکام کروں گی۔

سخاوت کو گئے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے مگر سخاوت کا کوئی پتا نہیں تھا اس کی فیکٹری سے بھی کئی کالز آرہی تھیں کہ سخاوت کو سمجھو مگر وہ سب حیران تھے کی سخاوت کیا تو کدھر گیا ہے۔

سخاوت جب ایک دریا کنارے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے اسے بزرگ کا گھر ملے گا بھی یا نہیں وہ کافی دنوں کا تھکا ہوا تھا اچانک چلتے چلتے اسے بزرگ کا گھر ایک درخت کی اوڑھ میں نظر آیا سخاوت خوش ہو گیا اس کے گھر کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک کڑک آواز آئی

اندرا جاہ سخاوت جب اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا تو ایک خوبصورت آدمی آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھا ہوا تھا منہ گلے میں کھوپڑیوں کا بار تھا تو اس بزرگ نے جو دراصل جادوگر تھا اس نے سخاوت کو ایک طے بیٹھنے کا کہا تو اس نے بیٹھ گیا تو بزرگ کہہ بارے میں سوچ رہا تھا کیونکہ وہ نکل سے جادوگر لگ رہا تھا تو سخاوت نے اسے روک دیا بزرگ کو بتا دی تو اس نے کہا کہ بالک مجھے سب چاہیے اس کام کے لیے تمہیں ساتھ لڑکیوں کو خون اور دل بننے ہوں گے جن کے اوپر میں چلا کر کے جادوگر کو ختم کروں گا تو سخاوت نے کہا

کیا مطلب تو بابا نے کہا کہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں روزانہ کی موت ہے تو بہتر یہ نہیں ہے کہ ایک بار ہی اس مسئلے کو چننا چاہئے بالک اگر تم نے اس کو ختم کرنا ہے تو جو میں کہتا ہوں وہ کرو ورنہ اپنا راستہ پکڑو مجھے بھی ڈسٹب نہ کرو ورنہ اپنا نام بھی ضائع نہ کرو سخاوت کو پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اس نے کہا۔ اے بابا میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں لیکن بابا خدا کے لیے کچھ کریں تو بابا نے کہا تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ میں

گاؤں سے لڑکیاں اٹھا کر لے جاتا ہے اس کا اصل ٹھکانا کہاں ہے۔

جن نے کہا سن میں تم کو بتانا نہیں چاہتا تھا مگر تم کو بتا دیتا ہوں اس کا نام جنابر جن ہے وہ چاڑیاں کہ پہاڑوں میں رہتا ہے وہی پر ایک غار ہے غار کے اندر ایک پتھر ہے جو بالکل سرخ رنگ کا ہے اس پتھر پر ایک دروازہ ہے دروازے کے اوپر سندھی زبان میں اسے کھولنے کا ظلم لکھا ہوا ہے اگر تم وہ ظلم پڑھے لڑ پھوٹ مارو گے تو وہ دروازہ کھلے خود ہی عمل جائے گا مگر دھیان سے وہ دروازہ کھلے وقت ایک فیصد بھی آپ کی آواز جن کو آگئی تو پھر آپ کی غیبتیں اس کے بعد جنابر جن کی موت کا راز میں نہیں جانتا اور ہاں یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے ذکر کر یہ سب کچھ بتا رہا ہوں نہیں بلکہ میں بھی جنابر جن کے غلام جن کا دشمن ہوں کیونکہ اس نے مجھ سے تمام طاقتیں چھین لی ہیں مجھے ایک عام سا جن بنا دیا ہے اور اس کے ہی کہنے پہ آقا و شال جادوگر نے مجھے قید کیا تھا اولیس ایک دم بول پڑا اگر تم میری مدد کرو تو اس جادوگر سے تمہاری جان ہی چھڑوا سکتے ہیں تو جنابر جن سے بھی تمہارا انتقام لے سکتے ہیں نہیں ایک دن جن بولا۔

آپ کو پتا ہے کہ میں و شال جادوگر کوئی عام جادوگر نہیں ہے اس کے پاس کی طاقتیں ہیں اس کے پاس خونی زنجیر بھی ہے اور طلسمی زنجیر بھی ہے اور خونی پرندے بھی ہیں اور اولیس نے ایک دم حلال کی حالت میں آکر درود شریف پڑھا اور کلمہ پڑھا جن نے جب نواری کیفیت میں اولیس کے منہ سے کلمہ سنا تو اس کے دل کے اندر ایک کچھ بے چینی سے شروع ہو گئی جن نے کہا

اولیس میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں آپ مجھے کلمہ پڑھادیں اولیس خوش سے جھوم اٹھا اس نے

جادوگر بولا کیا مطلب ہے چڑیل تمہارا کیا مطلب ہے میں سخاوت کو تمہارے حوالے کر دوں اور تم اس کا خون کر دو میرے سب کام ادھورے رہ جائیں نہیں شیلہ چڑیل نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ صرف تمہاری سوچ ہے اس کو اپنی سوچ تک ہی محدود رکھنا اس کو حقیقت کے سامنے لانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ناتم رہو گی اور نہ تمہارے یہ سب س قسم کا کام ہے اچھا میری پات سنو میرا ارادہ ہے اس لڑکے سے سات لڑکیاں قتل کروا کر شیطان کے قدموں میں اس کی بیوی دوں گا۔

اس نے چڑیل کو کہا تم سخاوت کے پاس جاؤ وہ پلک جھپکتے ہی غائب ہو گئی دوسری طرف جب اولیس نے طلسمی کتاب کو باندھ لگایا تو ایک دم وہاں پر ایک جن حاضر ہو گیا سہیل جن کو دیکھتے ہی بے ہوش وہ گیا اور اولیس پتھر پتھر کا پٹنے لگا اولیس پر زور سے کانپ رہا تھا تو ایک دم جن آگئے بڑھا اور اولیس کے قریب ہو گیا تو اولیس فوراً بول پڑا

ہم کے تمہارا کیا بگاڑہ ہے اور جو تم ہماری زندگی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو تو جن نے کڑک دار آواز میں کہا

اے آدم زاد تم نے اس کتاب کو چھو کر بڑی غلطی کی ہے میں و شال جادوگر کا غلام ہوں تم اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو اس کتاب کو اٹھا کر فوراً مجھے دے دو ورنہ ورنہ اپنی موت کا انتظار کرو اولیس نے سن کر بوکھلا گیا اور کہا اے جادوگر کے غلام جن ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے مگر ہمیں کچھ کہنا مت۔

اس جن نے کہا تم مجھے فوراً یہ کتاب دے دو اولیس نے کہا شرط پر تم کو وہ کتاب دوں گا۔ جن فوراً بولا کیا شرط۔

اولیس نے کہا تم اتنا بتا دو کہ جو جن ہمارے

فوراً جن کو کلہ پڑھایا اور ارکان اسلام کہ متعلق بتایا
اوپر کچھ اسلامی معلومات بھی دیں۔ تو جن کا دل نرم
پڑھ گیا اور جن نے کہا۔

اولیس میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں جیسا
سکون تم نے مجھے دیا ہے ایسا سکون آج تک میں
نے اپنی زندگی میں نہیں لیا۔

اولیس نے کہا نہیں میرے دوست یہ خدا کہ
مہربانی ہے تم پر کہ اللہ نے تمہیں ہدایت کا راستہ
دکھانا تھا سو دکھایا اللہ نے آپ نے دل میں سکون
ڈال دیا ہے اب تم بے فکر ہو جاؤ اگر ایک بڑا بھی
جادوگر آجائے گا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے آپ
بے فکر ہو جاؤ تم میرے ساتھ میرے گھر آؤ میں
تمہیں کسی بزرگ کے پاس لے کر جاتا ہوں تمہیں
وہ جادوگر کی قید دے ٹٹکنے کا طلسم برادیں گے تم
خود بخود ہی نکل جاؤ گے اب تم ایسا کرو کہ مجھے یہ
بتاؤ کہ تم وہ کتاب کیوں لے کر آ رہے تھے تو جن
نے کہا۔

وہ سال جادو کرنے مجھے بھیجا تھا کہ اس کتاب
کو حاصل کر کے آپ سے چھین کے لاؤں کیونکہ
اس کے اندر جادوگر کی موت کا راز ہے اسی وجہ
سے اس سے پہلے جادوگر اولیس کو کچھ اور بتاتا
کمرے میں دھواں ہی دھواں پھیلنے لگا اور پھلتے
پھلتے زیادہ ہوئے لگا تو جن نے کہا کہ یہاں سے
آنکھیں بند کرو اولیس اور اپنے دوست سمیل کا
ہاتھ پکڑو جادوگر کو سب چھوٹ گیا ہے اس نے
فلسی زنجیر کو بھیج دیا ہے جلدی کرو وقت بہت ہم
ہے اسے ضائع نہ کرو ورنہ آج موت یقینی ہو جائے
گی۔

اولیس نے اپنے دوست سمیل کا ہاتھ پکڑ لیا
اور انہیں بند کی تو اسے ایک جھٹکا سا لگا اور پھر جن
نے انہیں انکھیں کھولو تو انہوں نے جب
اپنے گھر کے سامنے کھڑے

تھے سمیل بھی ہوش میں آچکا تھا جب پھر اس نے
جن کو دیکھا پھر ڈرنے لگا اولیس نے کہا ڈرو مت
یہ ہمارا دوست ہے ہمیں کچھ نہیں کہے گا بلکہ ہماری
مدد کرے گا سب کچھ سمیل کو بتایا جن یہ سب دیکھ کر
مسکرا رہا تھا اور کہنے لگا سمیل تم بھی میرے دوست
ہو آج سے آؤ میرے گلے ملو سمیل ڈرتے ڈرتے
جن سے گلے ملا اور جن نے کہا۔

پاگل ڈرو مت کچھ نہیں ہوگا اگر اسی طرح
ڈرتے رہے تو جادوگر کو کیسے ختم کرو گے اس لیے
اپنے اندر ہمت پیدا کرو اور اس جن کو آپ نے ہی
ختم کرنا ہے کیونکہ تمہارے پاس بھی کچھ طاقتیں
ہیں جو وہ خفیہ طاقتیں ہیں جو تمہیں کسی بزرگ کے
پاس جائیں اگر ہم نے وقت ضائع کیا تو آپ کی
جان بھی خطرے میں ہے میرے دوست جن
اولیس نے کہا تو جن نے کہا مجھے کوئی ڈر نہیں ہے
میرے دوست جو راستہ تمہارے گھر میں لکھی ہوتی ہے گھر
میں نہیں گزاری جاتی کچھ نہیں ہوتا خیر اگر آپ کہہ
رہے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں مگر آپ کو کسی بزرگ
کے ٹھکانے کا پتہ ہے کیا سمیل نے کہا جو کافی دیر کا
ڈر ڈر کر کوئی بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ
اس کے دل پر ابھی بھی دھڑکن کا کام بڑی تیزی
سے جاری تھا۔

اولیس نے کہا ماں یا ایک بزرگ ہے جو
میری مدد کریں گے نہیں آج ہی چلاؤ گا ان
بزرگ کے پاس تو سب چلنے لگے۔

شاء کو آج سخاوت کی یاد بہت ستاری تھی وہ
سوچ رہی کہ کب سخاوت آئے گا اور یہ نہ ہو کہ
میرے گھر والے کسی اور سے میری شادی نہ کریں
میں ورنہ میں تو جیتے جی مر جاؤں گی سنا وہ سنا تھی
جس نے بھی زندگی میں دین والے کام کی طرف
توجہ نہیں دی تھی وہ ہر وقت نیا نیا فیشن ڈھونڈتی

رہتی تھی مگر جب سے سخاوت سے اسے پیار ہوا تھا اور سخاوت نے جب اسے جاتے وقت چاند جادوگر کے بارے میں بتایا تو وہ اس کے بعد پانچ وقت کی نمازی ہو گئی تھی ہر وقت اس کے ہاتھ میں پانچ سودانوں والی سیسی ہوتی تھی ہر وقت وہ خدا سے یہی دعا کرتی تھی کہ اے اللہ اے میرے پروردگار میرے سخاوت کو کچھ مت ہونے دینا اس کا ہمیشہ ساتھ دینا ہر وقت اسکی مدد کرنا اس کے اوپر ہر غم ہر پریشانی ہر مصیبت کو ٹال دے اسے میرے خدایا وہ ہر وقت پریشان رہنے لگی تھی ہر وقت افسردہ سی رہتی اس کے گھر والے بھی اس کی اس حرکت سے پریشان تھے۔

سخاوت اپنے کام میں لگی تھی کہ ایک دم ایک خوبصورت لڑکی کمرے میں حاضر ہوئی اور سخاوت کو کہنے لگی جناب کدھر بڑی ہو آپ سخاوت اچانک خوبصورت لڑکی کو اپنے پاس دیکھ کر ڈر گیا اور اپنا ڈر چھپانے کی کوشش کرنے لگا اور کہا جی نہیں ویسے ہی بیٹھا ہوں مجھے کہاں بڑی ہونا ہے مگر آپ ہو کون تو اس لڑکی نے کہا آپ برا نہ مانو تو بتاؤں تو سخاوت نے کا نہیں مانوں گا بتاؤ تو لڑکی نے کہا کہ میں دراصل آپ کی دوست آپ کی ہمراز ہوں سخاوت نے کہا کیا مطلب میں نے کچھ اور نوچھا تھا اس نے کہا میں اس بزرگ کی بیٹی ہوں اور سخاوت کے ساتھ زیادہ فری ہونے لگی سخاوت بھی اس کے جال میں آ گیا تھا وہ بھی اس کی بات پر ہاں سے ہاں ملاتا رہا دراصل وہ لڑکی ونام جادوگر کی غلام چڑیل تھی وہ ونام جادوگر کے کہنے پر سخاوت سے کچھ معلومات فراہم کرنے کے لیے آئی ہوئی تھی مگر اس کی کوشش کے باوجود بھی سخاوت کچھ نہیں بتا رہا تھا مگر خیر اس چڑیل نے سخاوت سے

اجازت چاہی اور غائب ہو گیا چڑیل ایک ونام جادوگر کہ پاس حاضر ہوئی کہا۔ آپ کا پتہ نہیں کیا بات ہے میں نے سخاوت سے پوچھنے کے لیے بہت کوشش کی مگر وہ کچھ بھی نہیں بتا رہا اپنے متعلق پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اس کے دماغ کو لگتا ہے اس کا دماغ اس کے کنٹرول میں نہیں ہے تو ونام جادوگر ہنسنے لگا اور کہا۔

شیلہ چڑیل دراصل میں نے سخاوت کا ذہن اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے آپ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے آج رات کا چلہ کر کے اس کے ذہن کو قابو کر لیا ہے اس کو میں نے اپنا غلام بنا لیا ہے آپ وہ ساری زندگی میرے ہی قبضے میں رہے گا کچھ بھی نہیں کر سکتا وہ جتنا نہ انداز میں ہنسنے لگا وہ اور شیلہ چڑیل ہم آپ کو جادو اپنا کام کرو اور رات کو پھر آنا۔ میرے پاس تم تک ایک کام ہے جو رات کو آپ سے ڈسٹیں کر کے اس کام کو کراؤں گا۔

چڑیل ایک دم غائب ہو گئی سخاوت اپنے ہی کمرے میں ٹہل رہا تھا تو وہی جادوگر کمرے میں آیا اور کہا اے بالک آج رات کو آپ نے ایک چلہ کرنا ہے تم پہلے ایسا کرو کہ میری بابت غور سے سنو تم کو ایک چلہ کرنا ہوگا وہ بھی ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر لے کے دو دن تم کو ہر طرح سے ڈرایا دھمکایا جائیگا مگر تم نے ثابت قدم رہنا ہے تم کو الوکا خون سے غسل بھی کرنا ہوگا اور شیطان کو سجدہ بھی کرنا ہوگا مگر کہتے ہیں کہ جب بندے کا ذہن کام کرنا چھوڑ دے تو بندہ اپنے نفعی نقصان کو بھی بھول جاتا ہے یہی حالت سخاوت کی تھی اس کی عقل بھی پانی پڑ گیا تھا اس نے بھی ہاں میں ہاں کر دی جادوگر نے سخاوت کو چلے کے حروف بتائے سخاوت ان کو یاد کرتا رہا آخر کار سخاوت کو یاد ہو گئے ایسی طرح رات ہو گئی رات کو سخاوت

نے ایک دائرہ لگایا اور ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر چلے کے ورد کو پڑھنے لگا پہلے دو تین گھنٹے تو خیریت سے گزر گئے لیکن پھر سخاوت نے دیکھا کہ دور سے ایک گھوڑا دوڑتا ہوا آ رہا ہے اس گھوڑے پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ جب سخاوت کے قریب پہنچے تو سخاوت کو کہا بیٹا اس چلے کو چھوڑ دو یہ شیطانی چلہ ہے تم کو تمہارے دوست نے غلط پتہ بتا کر اس جادوگر کے پاس بھج دیا ہے یہ جادوگر اسلام کا دشمن ہے بیٹا آپ بھی ٹائم سے نکل جاؤ حصار سے اللہ سے معافی مانگو الہ تمہیں معاف کر دے گا وہ معاف کرنے والی بڑی کریم ذات ہے بیٹا نکل آؤ حصار سے سخاوت جب حصار سے نکلنے کے لیے پاؤں زمین پر رکھنے ہی والا تھا کہ اس کو اچانک جادوگر کی آواز سنائی دی بیٹا تم مت ٹھکنا خبردار یہ سب رنج سازش سے اپنے کام میں لگے رہو سخاوت نے ان کے پسند کرتی اور اپنے کام میں مگن ہو گیا۔ پھر بزرگ غائب ہو گئے ابھی کچھ ٹائم ہی گزرا تھا کہ زمین جلیے کی جیسے زلزلہ آ گیا ہوزمین پھٹی اور ایک خوفناک چٹیل باہر آگئی اور کہا۔

اے لڑکے اس چلے کو چھوڑ دے یہ بکواس بند کرورن میں تمہارا غصہ میں آگئی اور جب دیکھا کہ ہر طرح سے سخاوت میری بات نہیں مان رہا تھا تو پھر وہ غائب ہو گئی اور جب دوبارہ وہ نمودار ہوئی تو اس کے ہاتھ میں سناھی اور کہا لڑکے باہر آؤ ورنہ اس لڑکی کا خون لی جاؤں گی جادوگر کی آواز آئی سالک یہ سب نظر کا دھوکہ ہے تم اپنے کام سے کام رکھو کچھ نہیں ہوگا سخاوت اصل میں بہت ذرا گیا تھا غصہ میں آ کر اس کا خون پی لیا اس چٹیل نے اور غائب ہو گئی آخر کار سخاوت کا چلہ ختم ہو گیا اور جادوگر کے پاس گیا جادوگر کے کچھ اور ارادے تھے وہ سخاوت سے چلے کروا کر

شیطان سے شکتی حاصل کرنا چاہتا تھا جب وہ شکتی حاصل کر لیتا تو سخاوت کو بھی ختم کر دیتا ہے جادوگر نے سخاوت کو کہا کہ تم آلو کا خون سے غسل کرو خون سخاوت کو دیا پھر شیطان کو بندہ کیا پھر جادوگر نے سخاوت کو دل اور خون لانے کو کہا

وہ تیار ہو گیا گو وہ قتل سے ڈرتا تھا ساتھ ہی ایک گاؤں تھا جادوگر نے کہا۔

تم کو یہی ظلم جو میں نے رات کو تمہیں بتایا تھا وہ پڑھ کر جس لڑکی کے اوپر بھی تم پڑھ کر پھونکو گے وہ مدہوش ہو جائے گی اور تم نے اٹھا کر میرے پاس لانا ہے جلدی کرو سخاوت چل پڑا اور جب وہ دوسرے گاؤں پہنچا تو راستے میں ایک قبرستان تھا وہ اس قبرستان میں سے نکل کر سیدھا قبرستان کی قطع سے نکل کر گاؤں میں پہنچ گیا گاؤں پہنچ کر ایک لڑکی کہیں گاؤں سے گھاس کاٹ کر لارہی تھی سخاوت نے اس کو اوپر چھو پڑھ کر پھونکا تو لڑکی مدہوش ہوئی سخاوت اسے اٹھا کر جادوگر کے پاس لے گیا اور جب جادوگر نے سخاوت کے کندھے پر لڑکی کو دیکھا تو جادوگر خوش ہو گیا اور کہا

سالک تمہیں میں بڑی شکتی دوں گا تم اس شکتی سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکو گے اور جادوگر نے اس لڑکے کو طے خانے میں بند کر دیا سخاوت کو کہا

تم جادو دوسرے کمرے میں سخاوت دوسرے کمرے میں چلا گیا وہاں پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کب تک میرا چلہ ختم ہوگا اور کب میں اپنے مقصد کو حاصل کروں گا خیر وقت گزرتا رہا سخاوت روزانہ لڑکیاں لاتا رہا آج ساتویں دن تھا سخاوت چلے میں مصروف ہو گیا تھا تو اچانک ایک خوفناک قسم کا اڑدھا حاضر ہوا اور سخاوت کو کہا

انسانی آواز میں اے پتر نکل آ اس حصار

غزل

تو یہ بھی لکھتا

اداسیوں، مایوسیوں، بے وفاؤں کا سبب جو لکھتا

تو یہ بھی لکھتا

کہ چاند، ستارے، سیارے دل و دماغ، چاہت
الفت، آنکھیں اپنے پرانے جو کہتے تھے ہم آپ کے
سب بدل گئے وہ لمحے جو تیری راہوں میں تیرے

آنے

کے پھر تھے وہ تھک کر نا امید ہو کر سایوں میں ڈھل
گئے

ہیں! وہ تیری یادیں تیری باتیں خیال و صورت
تصورات تیرے

وہ رنج و غم انداز تیرے دلائل تیرے، وہ تیری

دہلی

حیرت آنکھیں سوال تیرے

وہ تم سے میرے تمام ناطے رشتے پھڑ گئے ہیں اب

گئے ہیں

ڈھل گئے ہیں تڑپ گئے ہیں اداسیوں کا سبب جو لکھتا

تو یہ بھی لکھتا کرتے ہوں توں پر لکھڑائی دعا کے

سورج پھل گئے ہیں

زاہد اقبال، سحر سمندری

تیرے پیار کی دھوپ ہو تیرے پیار کے سائے ہوں
بھی موسم مجھے چاہیے سب فضاؤں کے بدلے
فقط زندگی پیار سے غلوں سے نہیں چلتی
جانے کیا کیا کرنا پڑے زمانے کی رضاؤں کے بدلے
بے رخی کرو گے تو میری بات یاد رکھنا
جان بلی جائے گی تیری وفاؤں کے بدلے
تیرے خیال کی قید اور نگاہوں کی یہ زنجیریں
یہ سزا اچھی لگے گی مجھ کو سب سزاؤں کے بدلے

زاہد اقبال، سحر سمندری

سے در نہ تیری موت یقینی ہے سخاوت روزانہ جن
بھوت چڑیا میں دیکھ دیکھ کر عادی ہو گیا تھا مگر آج
اسے اس اثر دھا کو دیکھ کر ڈر لگ رہا تھا وہ اثر دھا
کو ڈراتا رہا مگر سخاوت نے ثابت قدم رہ کر اپنا
چلہ پالیا تھا جب چلہ ختم ہوا تو ایک دم اندھی چلنے
لگی اور سخاوت ہوا میں اڑنے لگا اڑتے اڑتے وہ
ایک انجان منزل کی طرف جانے لگا اور آگے ہی
آگے جا رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے سخاوت کہ پیچھے
کوئی بلا لگی ہوئی ہو اور سخاوت کا ذہن کنٹرول سے
باہر ہوتا جا رہا تھا آخر وہ بے ہوش ہو گیا جب اس کو
ہوش آیا تو جلتی آگ میں پڑا ہوا تھا مگر حیرت کی
بات یہ تھی کہ آگ اس کے جسم پر بالکل بھی اثر نہیں
کر رہی تھی پھر ایک دم وہ جادوگر حاضر ہوا حیرت
کی بات یہ تھی کہ جادوگر کے جسم کو بھی آگ لگی
ہوئی تھی اس کے بعد کیا ہوا جاننے کے لیے اگلا
شمارہ پڑھنا نہ بھولنے گا۔

غزل

قصہ تیرے فراق کا سنایا نہیں کیا
تیرے پیار کا زخم ابھی تک مٹایا نہیں کیا
اپنی اندھیری شب کو منور کرنے کیلئے
دل کا چراغ جلا کر بھجایا نہیں کیا
تیری قربت کیلئے پھولوں کو ترستے دیکھا
اک مدت سے بھی مسکرایا نہیں کیا
ہر بزم حیرا ہی تذکرہ تھا مگر آج
سن کے حیرا نام آنسوؤں کو چھپایا نہیں کیا
اس طرح اپنے نقوش چھوڑ گئے ہو میرے دل میں
کسی بھی چہرے کو دل میں بسایا نہیں کیا
رمضان ہمیں گھ نہیں کہ وہ روٹھ گیا ہم سے
مگر خسوس یہ ہے کہ ہم سے وہ مٹایا نہیں کیا

زاہد اقبال، سحر سمندری

پُر اسرار !

قیدی ---

میرے سامنے ایک بھیانک منظر تھا۔ فرش پر ایک عورت کے اعفاء بکھرے پڑے تھے اور ایک شخص تیغ سے اُس کے جسم کی بوٹیاں بنانے میں مصروف تھا، جسم کا گوشت کاٹتے وقت وہ ایک پیشہ ور قصائی لگ رہا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ میں نے کب اس شخص کے بارے میں سنا تھا۔ اس شخص کا نام کیا تھا۔ یہ احساس ضرور ہے کہ وہ پہلے دن سے ہی مجھے دوسروں سے کچھ الگ تھا۔ اور تھوڑا سا پُر اسرار لگا تھا۔ وہ تقریباً چالیس پچاس سال کا ایک دراز قد، سرخ و سفید اور صحت مند آدمی تھا۔ چہرے پر مٹھی موٹھیں تھیں جن میں سفید بالوں کا غلبہ تھا۔ عام طور پر وہ نفیس قسم کی سیاہ شیروانی اور کلف لگی سفید برائے شوالہ میں ملبوس نظر آتا۔ سر پر کبھی جناح کیپ ہوتی اور کبھی پٹا درمی کلاہ جس کا اکڑا ہوا شملہ اسے اور زیادہ بارعب بنا دیتا۔ خاصی عمر ہونے کے باوجود وہ تن کر چلتا اور چمکتے ہوئی میں اس کے پاؤں بڑی مضبوطی سے زمین پر پڑتے نظر آتے۔ اس کی دو عادتیں میں نے شروع سے ہی نوٹ کی تھیں۔ ایک تو وہ کبھی بگے سر نظر نہیں آتا تھا اور دوسرے زیادہ تر نظریں بھکا کر چلتا تھا میں نے کبھی اسے بار مقررہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نہیں پایا۔ پیشے کے اعتبار سے میں اخبار نویس ہوں اور ایک روزنامے میں کرائم رپورٹر کے طور پر کام کرتا ہوں۔ ہر جن کو گہری نظر سے دیکھنا میری عادت بن چکی ہے۔ میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہ قدرے خوشحال متوسط طبقے کی آبادی ہے۔ میرے گھر سے ایک گھر چھوڑ کر وہ ایک خوشنما اور نئے تعمیر شدہ مکان میں بطور کرایہ دار آیا تھا۔ میں جس وقت کام پر جانے کے لیے گھر سے نکلتا تھا۔ اس وقت عموماً وہ واپس آ رہا ہوتا تھا۔ پہلے وہ قریبی سٹاپ سے دیگن سے اتر کر تھوڑا سا پیڈل چل کر گھر آ رہا ہوتا تھا۔ پھر کچھ دن بعد اس کے پاس ایک پرائیویٹ موٹر سائیکل نظر آنے لگی۔

اس کے گھر کے سامنے سے موٹر سائیکل پر گزرتے وقت دو تین مرتبہ میں نے اس کی بیوی کو بھی برآمد سے



میں کھڑے یا مختصر سے لان میں کرسی پر بیٹھ کر ٹنگ کرتے یا کوئی رسالہ وغیرہ پڑھتے دیکھا۔ وہ پختہ عمر کی ایک لمبی
 تزنگی عورت تھی۔ گوری رنگت جس میں ہلکی سی زردی جھلکتی تھی۔ بالوں میں کہیں کہیں سفیدی نظر آتی تھی اور ان کا
 وہ بڑی مضبوطی سے جوڑا بنا کر رکھتی تھی۔ ایک بار وہ گیٹ کے قریب کھڑی تھی تو میں نے اس کے ماتھے پر بند
 یاد رکھی لیکن یہ بند یا بعد میں کبھی نظر نہیں آئی۔ اسی روز قریب سے گزرنے کی وجہ سے مجھے اس کی آنکھیں دیکھنے کا
 اتفاق بھی ہوا۔ ان آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے جیسے وہ کچھ عرصہ پہلے تک بیمار رہی ہو لیکن ان حلقوں کے درمیان
 اس کے آنکھیں۔۔۔! میں نے زندگی میں شاید ہی کبھی ایسی آنکھیں دیکھی ہوں۔ ان میں ایک برقی سی اداسی
 منجمد نظر آتی تھی لیکن اس اداسی کی تہہ میں ایک عجیب چمک تھی جیسے سرد ہواؤں کے عقب سے کبھی کبھی بجلی چمک
 اٹھتی ہے۔ میں ان آنکھوں کا مجموعی تاثر لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جب اس نے ان
 بڑی بڑی، اس، منجمد اور گہری آنکھوں سے میری طرف دیکھا تو میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سردی لہر دوڑ گئی
 تھی اور غالباً ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لیے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں در کہیں تاریک کھنڈرات کے ایک
 لامتناہی سلسلے میں دھکیل دیا گیا ہوں، جہاں ہر طرف حشرات الارض ریگتے پھر رہے ہیں اور سچے ہوائیں کانوں
 میں بیٹیاں بجاتی گزر رہی ہیں لیکن جیسے ہی میں گیٹ کو اس کر گیا، میرے حواس مجھے حقیقت کی دنیا میں لے آئے
 لیکن مزید کئی منٹ تک میری انگلیاں موٹر سائیکل کے ہینڈل پر مضطرب سی رہیں۔

ان دو اداس میاں بیوی کے ہاں اولاد کوئی نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے کوئی ملازم وغیرہ رکھا تھا۔ میں نے
 کبھی کسی تیسرے فرد کو ان کے گھر کی چار دیواری میں نہیں دیکھا۔ انہیں اس علاقے میں آئے ڈیڑھ دو ماہ گزر
 چکے تھے لیکن نہ تو میں نے مرد کو کبھی آس پاس کے کسی آدمی سے بات چیت کر کے دیکھا اور نہ ہی عورت کو کبھی کسی
 ہمسائی کی طرف متوجہ پایا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اپنی محدود دنیا میں گمن ہیں نہ ہی وہ کسی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں
 اور نہ کسی سے رابطہ و ضبط پیدا کرنا پسند کرتے ہیں۔ سودا سلف بھی مرد خود لاتا تھا۔ عورت کو کبھی میں نے گیٹ سے با
 ہر نہیں دیکھا۔

ایک رات دو بجے کے قریب میں اخبار کی آخری کاپی پرائس میں جانے کے بعد دفتر سے واپس آ رہا تھا۔
 اپنی کالونی کا موٹر سرنے کے بعد میں اس چھوٹی گلی میں ہولیا جو ہمارے مکان کے عقب میں پہنچتی تھی۔ یہ ایک
 طرح کا شارٹ کٹ تھا جس سے میں ذرا جلدی گھر پہنچ جاتا تھا۔ اپنی گلی میں پہنچ کر میں اس شخص کے مکان کے

عقب سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے پر پڑی۔ پورے مکان پر تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن اس کمرے میں روشنی تھی۔ کھڑکی کے عقب میں گرہوار پر وہ ایک لمبے کے لیے غالباً شیشے کی ہوا سے بھرا پتھر یا تھا اور اسی ایک لمبے مجھے روشن شیشے پر ایک سایہ نظر آیا تھا۔ جوڑے چمکے کندھوں والا ایک سایہ جس کا سر گول اور گردن بھی سر کی سیدہ میں اتنی ہی موٹی نظر آ رہی تھی۔ کچھ عجیب سی ہیبت تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، غالباً میری موٹر سائیکل کی آواز سن کر ایک لخت اس طرح ایک طرف کو ہو گیا کہ اس کا سایہ روشن شیشے پر سے غائب ہو گیا اور اسی لمبے کھڑکی پر پردہ بھی دوبارہ گر گیا۔ یہ سب کچھ بمشکل دو یا تین سیکنڈ میں ہوا اور میں نہٹھکتے نہٹھکتے بھی اپنے گھر کے عقبی دروازے تک پہنچ گیا۔ عقبی دروازے کو میں باہر سے تالا لگا کر جاتا تھا۔ تالا کھول کر جب میں موٹر سائیکل اندر لے جا رہا تھا تب بھی میرا ذہن اس سائے میں الجھا ہوا تھا جو مجھے اپنے سائے کی کھڑکی کے روشن شیشے پر ایک لمبے کے لیے دکھائی دیا تھا۔ وہ تھا تو یقیناً کسی آدمی کا سایہ لیکن اس کا سر اور گردن کچھ عجیب سی تھی۔ دفعتاً ایک خیال بجلی کے کوغذے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔ اگر کسی آدمی نے کندھوں تک پہنچنے والی اتھا ب پہنچ رکھی ہو تو اس کا سایہ بالکل ایسا ہو گا۔ اس کا مطلب ہے اس کمرے میں کوئی نقاب پوش موجود تھا۔ موٹر سائیکل اندر رکھ کر میں نے اپنے کمرے میں سے پستول نکال کر پتلون کی جیب میں رکھا، بڑی آہستگی سے دروازے کو دوبارہ تالا لگا یا اور گلی میں دسبے باؤں چلتا ہوا اسی کمرے کی کھڑکی تک آ گیا۔ کھڑکی کے کندھوں تک کی بلندی پر تھی۔ میں نے کھڑکی پر کان گا دیا۔ اندر کسی قسم کی کوئی آواز نہیں تھی۔ اگر وہ کوئی چور تھا تو لالچا اسے سامان کے ساتھ چھپڑ چھاڑ کرنا چاہئے تھی اور اس کی آواز یقیناً تھوڑی بہت مجھے سنائی دینا تھی کیونکہ کمرے میں سے کسی کے سانس لینے تک کی آواز مجھے ہلکی ہلکی سنائی دے رہی تھی لیکن یہ کسی خوابیدہ انسان کی آواز تھی۔ یکساں، ہموار اور قدرے کھکھراتی ہوئی!

پولیس عام طور پر جب کسی تھوڑے بہت پڑھے لکھے مجرم کو پکڑتی ہے تو اس سے یہ بات سننے میں آئی ہے کہ جی میں مار دھاڑ کی فلمیں دیکھ کر اور جاسوسی لڑچکر پڑھ پڑھ کر جرائم کی طرف راغب ہو گیا تھا۔ اتفاق سے میں انگریزی جاسوسی اور ایکشن فلمیں کثرت سے دیکھتا ہوں اور جاسوسی لڑچکر بھی بڑی پسندیدگی سے پڑھتا ہوں لیکن ان فلموں اور لڑچکر نے مجھے جرم کی ترغیب دینے کی بجائے مجرم کو ذاتی طور پر پکڑنے کا شوق بخشا ہے کیونکہ اکثر فلموں اور کہانیوں کا اختتام یہی ہوتا ہے کہ ملزم کس طرح ایک چھوٹی سی غلطی سے پکڑا گیا۔ میرے خیال میں تو جرم

وسر کی فلموں اور کہانیوں میں ترغیب کا پہلو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ جرم کار جحان تو ان مجرموں کے ذہنوں میں پہلے سے موجود ہوتا ہے جو پکڑے جانے کے بعد فلموں اور لڑ بچہ پر اپنی بد فطرتی اور بد اعمالی کا بوجھ لادنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کتابوں اور فلموں سے کوئی مجرم بن سکتا تو آج ڈیل کار نیگی کی کتابیں پڑھ پڑھ کر ہر آدمی دنیا کا ہر اعزیز، امیر ترین اور کامیاب ترین آدمی بھی تو بن سکتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں کھڑکی سے لگا، سانسوں کی آواز چند لمحوں تک سنتا رہا۔ پھر ان سانسوں کی آواز بے ربط اور غیر واضح سی ہو گئی اور میں نے مسہرے کی بہت ہلکی سی جڑ چرہٹ بھی محسوس کی۔ کہیں نقاب پوش ڈاکو، مسہری پر خوابیدہ انسان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کا گاتو نہیں گھونٹ رہا۔؟ اس خیال نے مجھے ایک لحظت بے چین کر دیا میں بھاگتا ہوا دیوار کے اس حصے تک پہنچا جہاں سے لان شروع ہوتا تھا۔ یہاں دیوار قدرے نیچی تھی۔ دیوار اور دانتوں میں دبا کر میں نے دیوار پر ہتھیلیاں بھنائیں اور جسم پر زور دے کر پھرتی سے دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کود گیا۔ لان سے بھاگتا ہوا میں برآمدے میں آیا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ سامنے دوسرا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ بچوں کے بل دوڑتے ہوئے مکان کے پیلو میں آیا۔ یہاں ایک چھوٹا دروازہ اور کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی کھڑکی تھی۔ یہ دروازہ بھی اندر سے بند تھا البتہ جب میں نے کھڑکی پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو وہ کھل گئی۔ اندر اندر میرا ہونے کے باوجود مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کچن کی کھڑکی ہے کیونکہ اندر سے ایک مخصوص مہک آئی تھی لائٹ جلا کر میں نے اندر کا جائزہ لیا فرش زیادہ نیچا نہیں تھا۔ لائٹ جلدی سے بجھا کر میں نے کھڑکی کی پوکٹ پکڑ کر پہلے اپنی ٹانگیں داخل کیں اور فرش پر پاؤں لگا کر جسم کو بل دے کر اندر پہنچ ہی گیا۔

کچن کا اندر والا دروازہ کھول کر جب میں نے پرلی طرف جھانکا تو دھم سی روشنی میں وہاں ڈرائنگ ٹیبل وغیرہ نظر آئیں۔ غالباً یہ ڈرائنگ اور ڈرائنگ روم تھا۔ اس کی وجہ سے شیشوں والی کھڑکی پر پردوں کے باوجود بہت ہلکی سی روشنی برابر والے کمرے سے آ رہی تھی۔ برابر والا کمرہ روشن تھا اور وہی میرے اندازے کے مطابق وہ کمرہ تھا جہاں کچھ ہو رہا تھا۔

دبے پاؤں ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر میں صوفوں اور کرسیوں سے بچتا بچتا اس دروازے تک پہنچا جو روشن کمرے میں کھلتا تھا۔ دروازے پر میں نے ہاتھ ہی رکھا تھا کہ وہ خاصا کھل گیا۔ میں جبکہ کرایک قدم پیچھے اوٹ میں ہو گیا کیونکہ کھلتے ہوئے دروازے پر یقیناً اندر موجود آدمی یا آدمیوں کی نظر پڑ سکتی تھی۔ کئی سیکنڈ تک میں

سانس رو کے کھڑا ہالین کوئی عمل ظاہر نہ ہوا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر ایک آنکھ دروازے کی درز سے لگا کر اندر جھانکا۔ اندر کوئی ٹھہری نہیں تھا میں نے آنکھیں مل کر دوبارہ اندر دیکھا۔ حقیقتاً وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ کھڑکی جس کے شیشے پر میں نے نقاب پوش کا سایہ دیکھا تھا، پردے میں چھپی ہوئی تھی لیکن محسوس یہی ہوتا تھا کہ وہ بند ہے۔ یہ کمرہ خوابگاہ تھا۔ درمیان میں ایک ڈبل بیڈ پڑا تھا جس کی چادر پر شکنیں بتا رہی تھیں کہ کچھ دیر پہلے تک یہاں کوئی محو خواب تھا۔ ایک گوشے میں سنگھار میز تھی جس پر میک اپ کا سامان بے ترتیبی سے پڑا تھا۔ بیڈ کے عین قریب زمانہ سلپرز پڑے تھے۔ ابھی میں غور ہی کر رہا تھا کہ اس کمرے میں موجود فرد یا افراد کہاں گئے، دفعتاً میری نظر کمرے کے ایک گوشے پر پڑی جہاں قالین اُٹا ہوا تھا۔ اس کے نیچے خلا نظر آ رہا تھا۔ اُلٹے ہوئے قالین پر ایک چوکور مونا سا تختہ رکھا نظر آ رہا تھا۔ تختہ بڑی نفاست سے ترشا ہوا تھا اور اس کی بالائی سطح پر ایسا پینٹ کیا گیا تھا کہ وہ فرش کا ہی ایک اکھڑا ہوا ٹکڑا نظر آتا تھا۔ اُسے اگر غلا پر رکھ دیا جاتا تو فرش بالکل ہموار اور بے جواز نظر آتا۔۔۔ یہ خلا یقیناً کسی تہ خانے کا راستہ تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے میں اس خلا تک پہنچا اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔۔۔ وہاں سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔۔۔ یہ گھر گزشتہ دنوں میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہی دیکھتے تعمیر ہوا تھا لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ اس میں کوئی تہ خانہ بھی تھا۔ تہ خانے سے روشنی تو مجھے زاویے سے سیڑھیوں پر پڑ رہی تھی۔ میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نیچے جھانکا لیکن تہ خانہ یقیناً سیڑھیوں کے اختتام سے شروع ہوتا تھا اس لیے یہاں سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تہ خانے میں اتنا خطرے کا باعث بھی ہو سکتا تھا لیکن اس انکشاف کی امید نے میرے خوف پر غلبہ پایا ہوا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اپنی مدد کے لیے کسی کو بلا کر لاتا۔ اتنی دیر میں نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔

اللہ کا نام لے کر میں نے ریوالور مضبوطی سے تھا، اور سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھ دیا۔ جب میں ساتویں سیڑھی پر پہنچا تو مجھے تہ خانے کا مظہر نظر آنے لگا اور یہ منظر بہت بھیانک تھا میرے سامنے فرش پر ایک عورت کے اعضاء بکھرے پڑے تھے۔ ایک طرف لاشیں جو بیروں سے محروم تھیں۔ ان کے پاس ہی پیر علیحدہ کئے پڑے تھے۔ برہنہ دھڑ جس سے بازو علیحدہ کئے جا چکے تھے۔ ایک طرف عورت کا سر کٹا پڑا تھا جس پر لمبے لمبے بال چھتری کی طرح پھیلے ہوئے تھے مگر چہرے کا کافی حصہ نظر آ رہا تھا اور یہ چہرہ میرے پر اسرار پڑوسی کی بیوی کا تھا۔ اس کی وہ آنکھیں جن میں جھانک کر ایک مرتبہ میرا وجود جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ اس وقت بند تھیں اور اس کے چہرے

پر کرب یا اذیت کا کوئی نقش نہیں تھا۔ یہ لگتا تھا کہ وہ بڑی گہری نیند سو رہی ہے۔ اپنے تمام تر خوف کے باوجود میں نے یہ بات محسوس کی کہ فرش پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے موسم کے مجسمے کو کسی نے تیز دھار آے سے تراش کر کھڑے کھڑے کر دیا ہو۔ اور تراشنے والا بھی فوراً ہی مجھے دکھائی دیا یہی غالباً وہ نقاب پوش تھا جس کا سایہ مجھے خواب گاہ کی کھڑکی کے شیشے پر نظر آیا تھا۔ وہ مضبوط تن و توش کا ایک چوڑا کلا آدی تھا جس کا چہرہ گردن سے لے کر سر کے بالوں تک سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ سفید شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور ان کپڑوں پر بھی خون کا ذرا سا دھبہ تک نہیں تھا۔ اس کا دایاں پہاؤ میری طرف تھا اور اس وقت وہ اپنے کام میں بڑی تندہی سے مشغول تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی چمکدار تینہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں مقتول عورت کا دوسرا بازو۔ اس کے سامنے لکڑی کا ایک بڑا سا گول کھڑا فرش پر رکھا تھا جیسا کہ عموماً تصانیف کے پاس قیرہ کوٹنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کھڑے پر وہ عورت کا کٹا ہوا بازو رکھ کر تیغ سے اس کی انگلیاں کاٹ رہا تھا۔ ٹھک ٹھک کی دو آوازوں کے ساتھ میرے سامنے عورت کی پانچوں انگلیاں کٹ کر فرش پر پھریں۔ نقاب پوش اکڑوں بیٹھا بڑی مہارت سے جلا دوں سے بھی زیادہ شقی اقلسی کا یہ کام انجام دے رہا تھا۔ وہ لکڑیوں بیٹھا ایک خون آشام درندہ لگتا تھا۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ بلند ہوا اور تیغ کی چمک منکس ہو کر میرے چہرے پر پڑی اور دوسرے ہی لمحے ٹھک کی آواز کے ساتھ کئے ہوئے بازو سے بغیر انگلیوں والا ہاتھ بھی کٹ کر فرش پر آ گیا۔

خوف نے میری رگوں میں خون بھجھ کر دیا تھا اور چند لمحوں کے لیے میں بھول گیا تھا کہ میں کون ہوں اور کس مقصد کے لیے اتنی تک و دو کر کے، جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں تک پہنچا ہوں، دفعتاً مجھے جھرجھری سی آئی۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کئے اور یو الوور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں لاکارا۔ خبردار۔ اپنی جگہ سے خیش نہ کرنا۔

وہ اس طرح اچھلا جیسے اس کے قدموں میں بم پھٹا ہو۔ تیز اس کے ہاتھ سے پھوٹ گیا۔ میری طرف مڑ کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نقاب کے دو سداخوں میں سے اس کی خونی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

”خونی اور درندے۔ اس بے گناہ عورت نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔“ ”میرے اندر جرات لوٹ آئی۔“ ”بچ۔ بچ۔“ نقاب پوش نے بچوں کی طرح مجھے بچکارا۔ ”اتنا غصہ ٹھیک نہیں ہوتا مسٹر راشد۔“

”تم میرا نام کیسے جانتے ہو ذلیل کتے۔“ مجھے اب خوف کی جگہ طیش آ رہا تھا۔ ”اس لیے کہ تمہارا رے دروازے پر تمہاری نیم پیٹ لگی ہے اور میں تمہارا پڑوسی ہوں۔“ اور ہاں دیکھو غصے میں آنے اور گالی گلو جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں درست کر رہا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے بالوں کی طرف سے اپنی نقاب پکڑ کر اوپر کھینچی۔ وہ اس عورت کا شوہر تھا۔

”بہت خوب۔“ میں نے ریوا اور کو جنش دی۔ ”کیا اب تم بتانا پسند کرو گے کہ کس مقصد کے لیے تم نے اس بے چاری کا خون کیا ہے اور اب اتنی بے درہی سے اس کے گلے کر رہے ہو۔“

”ضرورت بتاؤں گا لیکن پہلے مجھے اپنا کام کر لینے دو۔“ اس نے جھک کر عورت کا دوسرا کٹا ہوا بازو اٹھایا اور تیز اٹھانے ہی کو تھا کہ میں نے ریوا اور کے ٹریگر پر انگلی کا دبائو بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”بند کرو اپنی یہ ذلیل حرکت اور سیدھے کھڑے رہو۔“

”مسٹر راشد۔“ اس نے دوبارہ سیدھے کھڑے ہو کر پرسکون کھڑے ہو کر کہا۔ ”میں تمہارا مشکور ہوں کہ یہاں اکیلے ہی آئے ہو پولیس یا محلے والوں کو ساتھ لے کر نہیں آئے۔“ مجھے اپنی بیگناہی کا یقین دلانا مشکل ہو جاتا۔ بے فکر ہو میں اپنا کام مکمل کر کے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن میرے متعلق کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میری پوری بات ضرور سن لینا۔“

”خوفی کے پاس سنانے کے لیے ایک دلچسپ کہانی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن میں تمہارا یہ خوفناک ڈرامہ مزید دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے قریب آنے کا خطرہ بھی مول نہیں لوں گا۔ میں ایک ہوائی فائر کروں گا۔ فائر کی آواز سن کر یقیناً محلے والے جاگ اٹھیں گے اور بالآخر یہاں پہنچ ہی جائیں گے۔ جب میں تمہارے ہاتھ پیرسی سے باندھ کر پولیس اسٹیشن لے جائے گا تو خوش گوار فرض انجام دوں گا۔“

”یہ غضب نہ کرنا مسٹر راشد۔“ وہ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم بار بار مجھے خوفی کہہ رہے ہو کیا تمہیں یہاں خون کا ایک قطرہ بھی نظر آ رہا ہے؟“

”میں تمہیں اس رعایت سے کوئی نہیں کہہ رہا تھا کہ اس بے چاری کو گاڑی سے ہٹا کر ہر دے کر پہلے ہی ہلاک کر دیا ہو گا اب صرف لاش کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر رہے تھے۔ بہر حال تم اس کے قاتل ہو۔“

”میں قاتل۔“ وہ طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ بولا اور دفعتاً اس کے چہرے پر اداسی کا گہرا رنگ پھیل گیا میں تو

مقتول سے بھی زیادہ مظلوم ہوں مسٹر راشد۔ اور میری قاتل یہ ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بڑی حقارت سے فرش پر پڑے ہوئے عورت کے سر کو ٹھوکر ماری۔ سر لڑھکتا ہوا ایک گوشے میں چلا گیا۔

"قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے تم ذہنی مریض بھی لگتے ہو" میں نے کہا اور فیصلہ کن انداز میں ٹریگر پر دباؤ بڑھایا کہ ہوائی فائر کر سکوں۔ اچانک بجلی کی سی پھرتی سے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا عورت کا بریدہ بازو مجھ پر کھینچ مارا۔ ریو اور تو میرے ہاتھ سے نہیں چھوٹا لیکن سڑھی پر کھڑا ہونے کے باعث میں لڑکھڑا گیا۔ اور فوراً ہی وہ عقاب کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑا۔ اس نے میرا ریو اور والا بازو قابو میں کر کے پیچھے کی طرف موڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے گرد شکبہ ڈال کر وہ ریو اور چھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے پیٹ میں گھٹنے سے ضرب لگائی۔ یہ ضرب اگر کسی عام آدمی کو پڑی ہوتی تو وہ درد سے دوہرا ہو جاتا مگر اس نے آف تک نہیں کی دفعتاً ہم دونوں سڑھی پر سے لڑھک گئے اور اس لڑھکنی میں اس نے اپنے اپنی ہاتھ سے میری کلائی پر ایسی ضرب لگائی کہ ریو اور میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے ٹھوکر مار کر اسے وہر پھینچا دیا۔ میں اس کی گردن کو کلائی کی گرفت میں بکڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود اس میں بلا کی پھرتی تھی مٹھم گتھا ہو کر لڑھکتے لڑھکتے کبھی وہ نیچے آ جاتا اور کبھی میں ایک بار وہ نیچے آیا تو اس نے حیرت انگیز طریقے سے مجھے گھٹنوں پر اٹھا کر دوسری طرف اچھال دیا۔ میں دیوار سے جا ٹکرایا اور ایک لمحے کے لیے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ مجھے تو ایک لمحہ ہی لگا لیکن غالباً میں کئی منٹ کے لئے بے خبر ہو گیا تھا کیونکہ جب میرے حواس بحال ہوئے تو میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں ایک سنول پر دیوار کے سہارے بیٹھا تھا۔ میرے سامنے وہی شخص بیٹھا تھا اور اطمینان سے اپنے کام کے آخری مراحل پورے کر رہا تھا۔ اس نے عورت کی لاش کو ہر جوڑے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر لیا تھا۔

"تمہیں ہوش آ گیا" اس نے تیز ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "میں معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں شور شرابے سے باز رکھنے کے لیے مجھے تھوڑی سی جی کرنا پڑی ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں اور نہ ہی تمہیں کوئی نقصان پہنچاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ لاش کے ٹکڑے سیٹنے لگا۔ اس کے نرم لہجہ اور مہربان الفاظ کے باوجود مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ اب غالباً وہ مجھے ٹھکانے لگانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس تیغ کی تیز دھار کو دیکھتے ہوئے میرے جسم میں موت کی سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے چیخا چا ہا اور جب مجھے احساس ہوا کہ میرے منہ پر رومال بندھا

اس نے اٹش کے سارے کمرے جمع کر کے ایک چادر میں باندھے تیغ اور لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کر ایک کونے میں پڑے ہوئے صندوق میں رکھ کر اسے مقفل کر دیا۔ پھر اس نے ٹکڑوں کی گھڑی اٹھا کر اڑی اڑے کی طرف جانے لگا۔

”آؤ اب اوپر چلیں“ اس نے ایک ہاتھ سے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور آگے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں بے جان سے قدموں سے سیرھیاں چڑھنے لگا۔ لیکن اب مجھ میں زندگی بچا جانے کی امید پیدا ہو چلی تھی گو کہ بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ میں اس طاقتور آدمی کی کسی بھی حرکت سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں اب مجھے خطرے کا احساس کم ہو رہا تھا۔

اوپر خواہاں گاہ میں پہنچ کر اس نے گھڑی کھولی اور اٹش کے سارے کمرے بھر دیکھا دیکھے۔ پھر اسی گھڑی والی چادر میں سے اپنی بیوی کا لباس نکال اور ٹکڑوں کے اوپر ہی ڈال دیا۔ پھر اس نے مجھے بازو سے تھاما اور بڑی نرمی سے بولا ”آؤ چل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں یہاں اس ٹکڑے ٹکڑے لاش کی موجودگی میں تم میری باتیں توجہ سے نہیں سن سکو گے“

ڈرائنگ روم میں آ کر اس نے تبی جلائی اور مجھے ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا ”ابھی میں تمہارے ہاتھ اور منہ نہیں گھواؤں گا کیونکہ فی الحال تم مجھے قاتل ہی سمجھ رہے ہو اس لیے کہیں شور مچانا نہ شروع کر دو۔“

وہ میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ ایک مارلن، شراف اور معزز آدمی لگ رہا تھا جو اپنے بیڈ سے اٹھ کر کسی ملاقاتی سے ملنے ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھا ہو۔ کوئی اسے دیکھ کر کھان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تھوڑی ہی دیر قبل یہ شخص ایک تیز دھماکے سے ایک عورت جو اس کی اپنی بیوی تھی، کی لاش کے ٹکڑے کر رہا تھا۔

”آج سے چھ سال پہلے کی بات ہے اس نے خلا میں کسی انجانی چیز کی طرف گھورتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ میں ان دنوں کلکتہ کی ایک گمنجان آبادی میں رہتا تھا۔ یوں تو پورا کلکتہ ہی ایک گمنجان شہر ہے جس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہاں بارہ لاکھ آدمی فٹ پاتھ پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک پوری نسل ان فٹ پاتھوں پر جنم لے کر جوان ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شہر میں رہائش کا مسئلہ کتنا سنگین ہو گا لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ وہاں مجھے میری ضرورت سے زیادہ وسیع ایک مکان میسر تھا۔ کس طرح میسر تھا، یہ ایک علیحدہ کہانی ہے بہر حال وہ

میری ضرورت سے زیادہ وسیع اس لیے تھا کہ اس میں صرف میں اور میری بیٹی شامل رہتے تھے۔ شاملہ میری اکلوتی بیٹی تھی اور میری بیوی کا انتقال تقریباً پندرہ سال پہلے ہو چکا ہے۔ جس وقت کامیں ذکر کر رہا ہوں، اس وقت شاملہ لڑکپن سے نکل کر جوانی کی حدود میں داخل ہو رہی تھی اور میں اس کی طرف سے بڑا فکرمند تھا کیونکہ میں صبح ہی صبح کاروبار کے سلسلے میں گھر سے لگتا تھا تو رات گئے واپسی ہوتی تھی۔ اس دوران شاملہ مکان میں تنہا رہتی تھی۔ آبادی منجانب تھی ایک گھر دوسرے گھر میں گویا پوسٹ تھا، ارد گرد ہر طرح کے لوگ رہتے تھے۔ کلکتہ میں یوں تو دنیا کی ہر نسل و قوم کے لوگ آباد ہیں لیکن میرے محلے میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ مسلمانوں کے گھر دیو یا تین ہی تھے اور ان کا بھی آپس میں بہت کم رابطہ تھا۔ وہاں زندگی اس قدر کٹھن ہے کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے اور سماجی رابطہ و ضبط کی طرف دھیان کم ہی جاتا ہے خواہ لوگ اقلیت والے ہوں یا اکثریت والے۔۔۔!

وہ مکان جو میرے پاس تھا اور اس کے عقب میں ایک ہال نما وسیع کمرہ تھا جو غالباً اس ہندو کنبے کی عبادت کے لیے مخصوص تھا اس لیے کہ میرے قبضے میں آنے کے بعد اس میں ایک دو گھنٹیاں اور الماری سے ہنونا لے کر دیا اور کرشن جی کی دو صورتیں لگی تھیں جنہیں میں نے پچھلی طرف ہی واقع چھوٹے سے لان میں دفن کر دیا تھا۔

ان دنوں ستو ط مشرقی پاکستان کا سانحہ نازہ ہی تھا اور کتنی باہنی کے ہاتھوں سے بچ جانے والے بہاری مہا جرن کی خاصی تعداد در بدر کی ٹھوکریں کھاتی کلکتہ میں بھی آن بکھری تھی۔ کچھ عورتیں تھیں جو بازاروں میں بیچنی گئی تھیں، کچھ بچے تھے جو سڑکوں پر ڈھکے چھپے انداز میں بھیک مانگتے تھے، کچھ بوڑھے یا جوان تھے جن میں سے بیشتر بچے کسی نہ کسی جسمانی عضو سے محروم ہو چکے تھے اور فاقہ کشی کے عالم میں فٹ ہاتھوں پر لوگوں کے قدموں میں لیتے تھے اپنے ان بے حوج مسلمان بھائیوں کی حالت دیکھ کر دل خون ہوتا تھا۔ کلکتہ جیسے نامہربان شہر میں خدا نے تھوڑی بہت مالی آسودگی عطا فرمائی تھی سو میں اپنے وسائل کے مطابق ان مہاجرین کی جود دکر سکتا تھا، کر دیتا تھا۔

ایک دن میں طبیعت کی ناسازی اور کچھ شدید بارش کی وجہ سے کام پر نہ جاسکا۔ ناشتے کے بعد میں برآمد ہو کر سی ڈال کر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ ایک عورت نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ میری اجازت پا کر وہ اندر والاں تک آگئی۔ وہ بچی عمر کی ایک ہلکتہ حال عورت تھی کسی زمانے میں خوبصورت رہی ہوگی لیکن وقت

سانس لے کر عورت کی طرف دیکھا جو امید بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

”بیٹھ جاؤ۔“ میں نے کہا میں تمہیں ملازمہ رکھ لیتا ہوں۔ فی الحال ایک ماہ کے لیے آزمائشی طور پر اس کے بعد مستقل۔۔۔! تمہیں کھانا، کپڑا اور رہائش کے علاوہ ایک سو روپے ماہوار ملے گا۔ تمہارے فرائض یہ ہوں گے کہ۔۔۔“ اور میں نے اسے گھر داری کے سارے کام گنوائے، اپنے اور شامکے کے متعلق بتایا۔ وہ اظہار تشکر کے لیے میرے پاؤں چومنے کو بڑی مگر میں نے پاؤں پیچھے ہٹا لیے اور کہا۔ تم اس گھر میں عزت سے رہو گی کیونکہ تمہیں میری بیٹی کی عزت کی رکھوالی بھی کرنا ہو گی تمہارا کوئی عزیز رشتہ دار وغیرہ نہیں ہے۔“

سب مارے گئے حضور۔“ اسکی آنکھیں ایک بار پھر نم ہو گئیں۔۔۔

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔“ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔۔۔ اگر تم ایک اچھی عورت ثابت ہوئیں تو تمہیں اس گھر میں میری زندگی میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔“

اس نے مجھے اتنی دعائیں دیں، جتنی زندگی میں مجھے کسی نے نہیں دی تھیں۔ دن گزر گئے۔ گھر کی حالت سنورتی گئی، شامکے خوش رہنے لگی۔ میں کچھ کچھ اطمینان سے کاروباری دوروں پر جانے لگا۔ اور وہ عورت، اس کا نام رضیہ تھا، بڑے سلیقے کی عورت نظر آنے لگی۔ نئے صاف ستھرے کپڑوں اچھی خوراک اور گھریلو سکون نے اس کے رخساروں پر قند بلیں روشن کر دیں۔ وہ ہونٹ جو انجانے اندیشوں سے سوکھے رہتے تھے، اس بھرے نظر آنے لگے، وہ بال جو خود ہمسازیوں کی مانند الجھے ہوئے تھے۔ ریشم کے لمبے بن گئے۔ وہ آنکھیں جو وقت کے خوف سے بجھ گئی تھیں ستارے بن کر چمکانے لگیں وہ خدو خال جو بوسیدہ اور میٹھے کپے لباس کی قبر میں دفن تھے، حیات نو پا کر قوس و قزح بن گئے۔ وہ ایک بھرپور عورت نکل آئی اور خوبی یہ کہ بلا کی سلیقہ شعار، ہنرمند، سکھڑ اور شائستہ کام تھی۔ وہ گھر میں رہتے ہوئے جیتی تھی۔ کوئی سودا سلف بیچنے والی عورت گھر میں آتی تو اسے بیگم صاحب کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ شامکے اسے خالہ کہتی تھی۔

میں آپ سے جھوٹ نہیں بولاں گا، وہ مجھے اچھی لگنے لگی۔ رات کو جب وہ مجھے خوابگاہ میں دودھ کا گلاس دینے آتی تو برسوں کے میرے مدفون جذبے میری اینٹیوں پر ہتھوڑے برسانے لگے۔ مگر حرام کاری میری طبیعت میں نہیں تھی۔ میں سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ اور آخر کار ایک دن میں نے فیصلہ کر لیا۔

”سنور رضیہ میں چاہتا ہوں کہ تم زیادہ باعزت طور پر اس گھر میں رہو، شامکے سے تمہارا زیادہ قریبی رشتہ

استوار ہو جائے اور میں منافقت کا مریض نہ ہوں۔ تم مجھ سے نکاح کر لو۔“

اس کی لمبی پلکیں جھک گئیں، رخساروں کی شفق کچھ اور گہری ہو گئی اور ہونٹوں کے گوشے کنوارے پنے جیسی شرم سے کپکپا اٹھے۔

”اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو۔۔۔۔“ اس نے جھکاتے جھکاتے نظر بھر کر مجھے دیکھ اور بھاگ کر دو سرے کمرے میں چلی گئی۔

نکاح ہو گیا۔ برسوں کے جھلستے صحرائیں راتوں کو اداس پڑنے لگی۔ شام تک بھی بہت خوش تھی اور بیشتر وقت اپنی نئی ماں کے پہلو سے لگی رہتی تھی۔ وہ اب خیر سے سولہویں برس میں تھی مگر مامتا کو ترسا ہوا ذہن، ماں کو دودھ پا کر بچوں کی طرح لاڈ کرنے لگا، ناز اٹھوانے لگا اور رضیہ بھی اسے بچوں کی طرح ہی سینے سے چمکا کر رکھتی اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی معصوم ضد اولین فریضہ سمجھ کر پورا کرتی۔

مجھے یوں لگتا کہ کسی انجانی جنگی کے عوض مجھے جنت مل گئی ہے مگر میں سنکھ ہوتا تو کھڑے بڑی جنت بھی کوئی ہے۔ مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ جنت کے دھوکے میں درحقیقت میں نے اپنے گھر میں جہنم کے دروازے کھول لیے ہیں۔

ایک روز میں نے رضیہ کو بتایا کہ میں کاروباری سلسلے میں کتنی جا رہا ہوں، چار روز بعد واپسی ہوگی یا ممکن ہے ایک آدھ دن زیادہ ہی لگ جائے۔ اس نے سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ سبھی میں میرا کام ایک دن میں ہی ختم کیا اور میں دوسرے دن رات کی فلائٹ سے ہی واپس روانہ ہو گیا۔ رات کے تقریباً ایک بجے میں کلکتہ پہنچا۔ مکان کے صدارت دروازے میں فلاش لاک تھا جس کی ڈپٹی کیٹ چابی میرے پاس رہتی تھی کیونکہ میں رضیہ سے شادی کے بعد عموماً بے فکری سے رات گئے تک کام دھندے نہ کرنا کر واپس آیا کرتا تھا اور ماں بیٹی کے آرام میں غلط ڈالے بغیر اطمینان سے تالا کھول کر اندر آ کر لباس تبدیل کرتا اور کچن میں رکھا کھانا گرم کر کے کھانے کے بعد خواب گاہ میں مانیچتا۔ جب میں بیڈ پر لیٹا تب ہی رضیہ کو میری آمد کا پتہ لگتا۔

مجھے امید تھی کہ آج خلاف توقع مجھے بیڈ پر موجود پایا کر رضیہ بعد خوش ہو گئی لیکن جب میں نے اندر آ کر شام کی خواب گاہ میں جھانکا تو وہ بستر پر نہیں تھی پھر میں نے اپنی خواب گاہ میں جھانکا وہاں رضیہ بھی بیڈ پر نہیں تھی۔ یہ ایک خلاف معمول بات تھی ورنہ وہ دونوں اس وقت سے بہت پہلے سو جاتی تھیں۔ میں نے سوچا ممکن ہے وہ

دونوں میری عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے ہال کمرے میں آتش دان کے پاس جا بیٹھی ہوں اور گپ شپ کر رہی ہوں۔ میں ہال کی طرف بڑھا تو کچھ دور ہی سے ٹھٹھک گیا۔ ہال میں سے مدھم آوازیں کچھ اشلوک سے پڑھنے جانے کی آواز آرہی تھی۔ ہال کے قریب پہنچتے پہنچتے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ آواز رضیہ کی تھی۔ مگر رضیہ اور اشلوک ک پڑھ رہی ہو، یہ کیسے ہو سکتا تھا۔؟ میں دبے پاؤں ہال کی گھڑکی کی طرف بڑھا جو کھلی تھی اور دیوار سے لگتے لگتے گھڑکی کی پوکھٹ تک پہنچا اور ذرا سا سر آگے بڑھا کر اندر جھانکا۔۔۔ سب سے پہلے میرے نظر شاملہ پر پڑی جو ہال کے پختہ اور ٹھنڈے فرش پر چپت پڑی تھی اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کے جسم پر کوئی گرم کپڑا تنک نہیں تھا۔ بس ایک عام سی سوتی ساڑھی جو وہ کبھی بکھار کوئی کام کاج کرتے وقت پہن لیتی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اسے اس سردی میں یوں پڑے دیکھ کر بیتابی سے آگے بڑھتا، میں رضیہ کو دیکھ کر اپنی جگہ پر دم بخود رہ گیا۔ آج اس کا رنگ ڈھنگ ہی اور تھا۔ اس نے چار خانے کی ایک سوتی ساڑھی خاص ہندوانہ اسٹائل سے باندھی ہوئی تھی، مانگ میں سیندور اور ماتھے پر تلک تھا۔ وہ آتش دان کی کارنس کے سامنے دونوں ہاتھ باندھے، گردن جھکائے آنکلیں بند کئے گھڑی جھوم رہی تھی اور کچھ اشلوک پڑھ رہی تھی جو میری سمجھ سے بالاتر تھے اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ کہ اس کے سامنے کارنس پر ہنومان کی وہی مورتی رکھی تھی جسے میں باغیچے میں دفن کر چکا تھا۔ مورتی خوب صاف ستھری نظر آرہی تھی اور دور ہی سے چمکتی دکھائی دیتی تھی۔ دفعتاً رضیہ نے بڑھنا بند کر دیا لیکن ہاتھ بدستور باندھے رکھے اور آنکھیں بھی بند ہی رکھیں ذرا توقف کے بعد اس نے مدھم مگر صاف لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ”ہنومان مہادیو۔ تیری اس داسی نے تیری آگیا کا پالن کرتے ہوئے اس مسئلے کے گھر میں رسائی حاصل کر لی ہے اور آج وہ شبہ گھڑی بھی آن پہنچی کہ میں تیرے چرنوں میں آج ایک کنواری کنیا کا بلیدان کر رہی ہوں۔ شبہ گھڑی دیکھنے اور تیرے درشن کرنے کے لیے میں نے کیسے کیسے چلتے دکھا ئے ہیں وہ تو جانتا ہے۔ اب تو بھی اپنا وعدہ پورا کر اور آ کر مجھے درشن دے اور ایک ہزار سال کے لیے میری آتما کو میرے شریر میں قید کر دے۔ میں ایک ہزار سال تک زندہ رہ کر جیون کی عیش و عشرت دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہاں تیرے آشرم کو شت کرنے کا پائے میں نے کر دیا ہے۔ اب تو بھی اپنا وچن بھلا۔“

جب تک میں اس کی بات کا پورا مطلب صحیح طور پر سمجھا، اس وقت تک ہال کا فرش یوں شق ہوا جیسے پچھلے ہوئے موم میں ابال آیا ہو اور جہاں شاملہ لٹی تھی اس کے مین نیچے سے مینالے رنگ کی ایک گولی سی سطح اس طرح

ابھر نے لگی کہ شاملہ اس سطح پر ہی لیٹی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ بلند ہو رہی تھی۔ جب یہ سطح کچھ اور بلند ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑی کھوپڑی کا اوپری حصہ تھا۔ پھر وہ پوری کھوپڑی فرش سے باہر آ گئی۔ شاملہ اس کے اوپر ہی لیٹی تھی اور اس کی ایک ٹانگ نیچے جھول رہی تھی۔ یہ کھوپڑی کم از کم آٹھ فیٹ بلند تھی اور اس قدر بھیاٹک کہ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک پر بھی لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کے منہ کے بھیاٹک تاریک گڑھے میں دو مڑے ہوئے سیاہ دانت نظر آرہے تھے اور اس کی ایک آنکھ کی جگہ بھی تاریک خلا تھا مگر دوسری آنکھ زندہ تھی۔ اس آنکھ سے خون ٹپک رہا تھا اور ڈیا گویا شعلے برسا رہا تھا۔ یہ آنکھ رفتہ رفتہ کچھ سبز گئی اور کسی عظیم الجثہ بندر کی آنکھ سے مشابہہ نظر آنے لگی اور اس سے ٹپکتا ہوا خون منجمد ہو کر رہ گیا حتیٰ کہ جو قطرے کھوپڑی پر پھسل رہے تھے، وہ بھی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ رضیہ، یا جو بھی درحقیقت وہ تھی، جگہ سے میں گریز کرتی تھی۔

دفعتاً ایسی آواز آئی جیسے ہزاروں بندر ایک ساتھ فوخیائے ہوں۔ پھر ایک منمناتی ہوئی آواز نے کہا۔ ”جاداسی تیرے من کی کامنا پوری ہوگی۔“ اس کے بعد وہ کھوپڑی واپس فرش پر گرنے لگی۔ وہ پوری کی پوری واپس زمین میں دھنس گئی اور اس کے ساتھ شاملہ بھی چند لمحوں بعد میرے سامنے فرش جوں کا توں ہموار تھا اور کھوپڑی یا شاملہ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ آخر میں یوں دم بخود کیوں کھڑا رہ گیا۔ میری بچی میری نظروں کے سامنے غائب ہو گئی اور میں کھڑا رہ گیا۔ میری کہنیاں جھٹکتی لگیں، میں چند لمحوں تک شک اور یقین کے درمیان خلا میں جھولتا رہا، پھر تیرا کر زمین پر گر اور دنیا مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میرا سر رضیہ کے زانو پر تھا اور وہ حسب معمول میری وفا شعار بیوی کے روپ میں میرے چہرے کا پسینہ اپنی سادھی کے بندو سے پونچھ رہی تھی۔ میں اچھل کر اس کے زانو سے علیحدہ ہو گیا۔ ”شاملہ کہاں ہے۔“ میں نے چھٹی پھٹی آواز میں پوچھا۔ ہائے ہائے اتنی جلدی آپ بھول گئے شاملہ وا لی خبر سن کر ہی تو آپ بے ہوش ہو گئے تھے۔ رضیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

”کون سی خبر؟“ میں نے وحشت سے پوچھا۔

”میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ وہ کافی دنوں سے فلمی دھالے بڑی لگن سے پڑھنے لگی تھی۔ مجھ سے بھی اکثر فلموں اور ہیر و دنوں کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ آج میں سو کر اٹھی تو وہ غائب تھی۔ اپنے کپڑے اور زیور بھی لے گئی

ہے۔۔۔ ہائے کتنی سمجھ دار تھی مگر جانے کہاں سے اس کے دماغ میں بیروئن بننے کا بے ہودہ خیال پیدا ہو گیا۔۔۔ اتنا اچھا گھر چھوڑ کر جانے کس اندھیر مگری میں بھٹک رہی ہوگی۔۔۔ میں نے تو صبح سے کسی کے سامنے اسی ڈر سے زبان نہیں کھولی کہ اپنے کپڑے پھاڑیں گے تو اپنا ہی تن ننگا ہوگا۔ آپ کی عزت کا معاملہ تھا۔ وہ اپنے آنسو پونپھنے لگی۔

”بکواس بند کرو ذلیل عورت۔۔۔ دنیا تمہاری باتوں کا یقین ضرور کر لے گی مگر میں نے اپنی آنکھوں سے تجھے ہومان کی بھیٹ چڑھاتے دیکھا ہے۔۔۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔“

میں نے دیوانگی کے سے عالم میں کہا۔۔۔ میں اس وقت بھی اسی طرح شلووار کرتا پہنا کرتا تھا اور ایک معزز شریف اور کاروباری آدمی ہونے کے باوجود اپنی حفاظت کے لیے نیچے میں چا تو ضرور رکھتا تھا۔۔۔ وہی چا تو میں نے نکالا اور رضیہ کی پسلیوں میں گھونپ دیا اس کے باؤز میں سوار ہو گیا مگر اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہ نکلا میں نے پے در پے چھوا کیے مگر وہ کھڑی ہستی رہی اس کے جسم میں چا تو یوں اترتا تھا جیسے گند سے ہوئے آنے میں اترتا ہے اور دوسرے لئے اس کا زخم بھر جاتا تھا۔

میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ”اگر تم نے سب کچھ دیکھ ہی لیا ہے تو اب میرا کرو۔ اگر تم نے زیادہ شور مچایا تو میں دنیا کو یہی کہانی سناؤں گی، اور تمہاری جگہ ہنسائی ہوگی۔ تم اب میری ٹنسی میں ہو اور مجھے ایک ہزار سال تک کوئی نہیں مار سکتا جب ایک ہزار سال پورے ہونے لگیں گے تو میں ایک کنواری کنیا کا بلیڈان کر کے ایک ہزار سال کی عمر اور حاصل کر لوں گی۔۔۔ فی الحال تم میرے خوابگاہ کے ساتھ رہو گے جب تم بوڑھے ہونے لگو گے تو میں تمہیں جو سے ہوئے آم کی طرح اپنی دنیا سے نکال پھینکوں گی اور کوئی نیا تندرست و توانا مرد صوفیوں کی۔۔۔ تم اگر اپنی یہ کہانی جیج جیج کر پوری دنیا کو سناتے پھر و گے تو آج کے رتی یافتہ دور میں رہنے والے تمہیں پاگل سمجھ کر بھڑ ماریں گے۔۔۔ میں نے ایک ہاکا ساتھ لگایا اور اٹھ کر بڑے سلون سے خوابگاہ کی طرف چل دی۔۔۔ ہمیشہ کی طرح بل کھاتی، بکر پکاتی۔۔۔!“

اس کے جانے کے بعد میں نے ٹھنڈے دل سے غور کیا۔۔۔ میں ایک عجیب جال میں پھنس چکا تھا، میرے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ تھکے ہارے ذہن نے بالآخر مشورہ دیا۔۔۔ ”دلاور خان، اس غلیظ پھندے سے بھاگ نکل۔۔۔ بھاگ جا یہاں سے۔۔۔“ میں نے چپکے سے اپنا بریف کیس اٹھایا اور دبے پاؤں با

ہر کو چل دیا۔ ابھی میں نے باہر کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ ہی رکھا تھا کہ ایسا محسوس ہوا جیسے سینکڑوں لہجے گھر مضبوط، بالوں بھرے گھناؤ نے بازوؤں نے مجھے جکڑ لیا ہو میرے کانوں میں بندروں کے خوشیاں کی آواز گونجنے لگی اور وہ ان دیکھے بازو مجھے خوابگاہ کی طرف کھینچنے لگے میں تقریباً کھشتا ہوا خوابگاہ تک پہنچا۔۔۔ وہاں رضیہ لباس سے بے نیاز، بانہیں پھیلائے میری منتظر تھی۔

”بھاگ کر جا رہے تھے۔۔۔“ اس نے کھٹکھٹاتی آواز میں کہا ”اب مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے بھاگنے کی نیت لے کر کبھی گھر سے نہ نکلتا تم خواہ کہیں بھی چلے جاؤ لیکن اگر مجھے چھوڑ کر جانے کا ارادہ کر رہے ہو گے تو یہ نہ مانا جی کے چیلے تمہیں وہیں سے کھینچ آئیں گے۔“

اور غیر مرئی بازوؤں نے مجھے اس کی بانہوں میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد زندگی یوں گزرنے لگی جیسے میں کسی شیطانی قفس میں قید ہو گیا ہوں۔ شام کی یاد آتی تو کایہ پھلنے لگتا، اپنے آپ پر غور کرتا تو اپنے وجود سے گھن آنے لگتی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں، کدھر جاؤں۔۔۔؟ کام کاج کے لیے حسب معمول باہر جاتا تھا لیکن جب بھی گھر چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کیا، ان دیکھے سینکڑوں بازوؤں کی گرفت نے سڑک پر گھٹنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس خوف سے یہ کوشش ہی ترک کر دی کہ لوگ پاگل نہ سمجھے لگیں۔

ایک روز کام پر سے واپس آ رہا تھا۔ عشا کا وقت تھا۔۔۔ سائیکل رکشا ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ چابک ایک چھوٹی سی مسجد پر نظر پڑی۔ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، خدا کا کھر دیکھ کر مجھے بھی ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے تلاطم خیز سمندر میں راستہ کھودیا تھا اور اب مینار نور نظر آ گیا ہے۔ میں نے سائیکل رکشا کو ایسا۔۔۔ رکشا کھینچنے والے کو جلدی سے پانچ کونوٹے چھایا اور بقایا لیے بغیر جلدی سے مسجد میں گھس گیا کہ کہیں غیر مرئی بازو مجھے اندر جانے سے بھی نہ روک دیں۔

جماعت ہو چکی تھی اور اکا دکا نمازی مسجد میں رہ گیا تھا۔ میں نے وضو کیا اور زندگی میں پہلی بار اس قد رخشوع و خضوع سے نماز شروع کی کہ سکون قلب سے سینہ آشنا ہونے لگا، دل کے زخموں میں گویا ٹھنڈک سی پڑنے لگی۔

نماز نہ جانے میں نے کتنی دیر میں ختم کی اور اس کے بعد ایک مرتبہ اور سجدے میں گر گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ آنسو میری آنکھوں سے گر کر چٹائی کو بھگور رہے ہیں۔ میں صدق دل سے خدا کے حضور فریاد کرنے لگا کہ مجھے اس

دنیا دی جہنم کے عذاب سے چھٹکارا عطا فرما۔ غالباً دعا مانگتے مانگتے مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی تھی۔ مجھے کچھ خواب کی سی کیفیت محسوس ہوئی میں ایک لائق و دق صحرا میں کھڑا تھا جہاں بگو لے میرے چہار طرف رقص کر رہے تھے اور ہوا کانوں میں سیٹیاں بجا رہی تھی۔

دفعتاً سکوت چھا گیا، بگو لے زمیں بوس ہو گئے اور ریت کی چادر کو چاک کرتے ہوئے ایک بزرگ نمودار ہوئے۔ ان کا چہرہ میں غور سے نہ دیکھ سکا کیونکہ چہرے پر نظر پڑتی نہ تھی۔

”آج تیرے باطن میں سچی ایمانی قوت جاگی ہے اے دنیا دار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیری دعا کو شرف قبولیت حاصل ہوا ہے جو کچھ ہم اب بتانے والے ہیں اسے غور سے سن اور اس پر عمل کرنا تیرے گرد موجود سب بلائیں انشاء اللہ تیرے ہی ہاتھوں انجام کو پہنچیں گی۔“ یہ انہی بزرگ کی آواز تھی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے تین آستیں پڑھوائیں اور جب وہ مجھے حفظ ہو گئیں تو فرمایا۔

”ہر جمعرات کو جب وہ ملاکون عورت خوابیدہ ہو تو یہ آستیں پڑھ کر پھونکنا اور بلا خوف و خطر کسی تیز دھار آلے سے اس کے گلے کر ڈالنا۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر سالم وجود میں آجائے گی اور سانس بھی حاصل کرے گی۔“ جو طاقات اس نے حاصل کی ہے وہ بہت کم ہو چکی ہوگی۔ ہر جمعرات کو یہ عمل دہرانا ہوگا۔ اسے پتہ نہیں چلے گا کہ خوابیدہ حالت میں ہر جمعرات کو اس کا جسم گلے گلے ہو جاتا ہے۔ جس جمعرات کو یہ عمل ایک سو ایک مرتبہ مکمل ہو چکا ہوگا اس روز وہ عورت گلے گلے حالت ہی میں پڑی رہ جائے گی۔

”شیطانی روئے اس کے جسم میں داخل نہ ہو سکے گی، تب تم اگلی رات ان ٹکڑوں کو نذر آتش کر دینا اور رہائش بدل دینا۔“ تو آزار ہوگا اور سناہ چین کی زندگی گزارے گا۔ اگر تو نے دنیا داری کے ساتھ ساتھ دینی فرائض کو بھی اپنائے رکھا ہوتا تو کوئی شیطان قوت تجھ پر غالب نہ پاسکتی۔“ بہر حال ہم نے خدا کا حکم پورا کیا، اب ہم جاتے ہیں۔ خدا حافظ“ عین اس لمحے ہی نے مجھے کندھے سے تھام کر ہلایا۔۔۔

”بھائی، بعدے میں سو گئے ہو کیا۔۔۔؟ اب اٹھو، ہم نے مسجد کو تالا لگانا ہے۔ یہاں مسجد میں بھی چوریاں ہو جاتی ہیں۔“ میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ وہ ایک نمازی تھا جس نے مجھے چونکا یا تھا۔

”برادر، مجھے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھ لینے دو، اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔“ میں نے اس شخص سے

کہا۔

”بسر و چشم۔۔۔“ اس نمازی نے کہا۔۔۔ ”میں انتظار کئے لیتا ہوں۔۔۔“ خوشی سے میرا رواں رواں کانپ رہا تھا مجھے نجات کی راہ مل چکی تھی۔

چنانچہ۔۔۔ اے میرے نوجوان دوست! میں ہر جمعرات کو اس عورت کے ٹکڑے کرتا ہوں۔ وہ صبح کو پھر صبح سالم میرے سامنے ہوتی ہے لیکن اب وہ روز بروز مضمل ہوتی جا رہی ہے چھپا نوے جمعراتیں گزر چکی ہیں۔ پانچ ہفتوں کی بات اور ہے کہ میں نجات پا جاؤں گا۔۔۔ اب تمہیں پتہ چلا کہ جو کچھ تم نے دیکھا اس کا پس منظر کیا تھا۔۔۔؟“

اس شخص نے اٹھ کر میرے منہ پر سے رومال ہٹول دیا اور بولا۔۔۔ ”اب تم میری سنائی ہوئی آپ جی پر اظہار رائے کر سکتے ہو۔“

مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آ رہا۔۔۔ ”میں نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کسماتے ہوئے کہا۔۔۔“ آج کے سائنسی دور میں کوئی بھی اس کہانی پر یقین نہیں کر سکتا۔۔۔“

”پھر میری صداقت کا ثبوت دیکھنے کے لیے تمہیں صبح ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا تاکہ تم اس عورت کو، جسے میری بیوی کی حیثیت حاصل ہے، زندہ اور صبح سلامت دیکھ سکو۔۔۔ صبح کاذب کے آغاز نمودار ہو رہے ہیں، تھوڑی دیر تمہیں اور تکلیف اٹھانا پڑے گی۔“ اس شخص نے صوفے کی پشت گاہ سے سر کاٹا۔ اس کے چہرے پر تحسین کی تہہ میں اطمینان اور راست گوئی کی جھلک تو محسوس ہو رہی تھی مگر میرا ذہن اس کی بات کو قبول کرنے میں تذبذب کا شکار تھا۔

”تمہیں اندیاز ہے آئے کتنا عرصہ گزرا ہے۔۔۔؟“ میں نے وقت گزاری کی خاطر باتیں شروع کر دیں۔

”تین ماہ۔۔۔“ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

”بالفرض تمہاری کہانی پر یقین بھی کر لیا جائے تو۔۔۔“ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”تب تمہیں ایک الجھن پیش آ سکتی ہے۔ بقول تمہارے جب تمہارا عمل ایک سو ایک مرتبہ مکمل ہو چکا ہوگا۔ اس دن تمہاری بیوی زندہ نہیں ہو سکے گی اور تم اس کی لاش کے ٹکڑے بکڑے تشر کر دو گے تو پاس پڑوس کے لوگ آئندہ جب اسے موجود نہیں پائیں گے تو ہو سکتا ہے، کوئی پولیس کو مطلع کر دے۔ تب کیا ہوگا۔؟“

"ہاں۔۔۔۔۔ یہ تم نے کام کی بات پوچھی ہے لیکن میں نے اس کا حل سوچ رکھا ہے۔ میں اس سے کئی دن پہلے اپنے مالک مکان کو باتوں باتوں میں بتا دوں گا کہ میں نے عنقریب اپنی بیوی کو کسی بیماری کے مارنے کے سلسلے میں لندن بھیجا ہے۔ اس کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں بتا دوں گا کہ وہ لندن چلی گئی ہے اور کاروباری مصروفیتوں سے ذرا فراغت پا کر میں بھی جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس کے چند دن بعد مجھے لندن سے ایک نیلی گرام آنے لگا کہ تمہاری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ نیلی گرام میرا ایک دوست بھیجے گا۔ وہ نیلی گرام مالک مکان کو دکھا کر میں رو تا پیٹنا لنڈن روانہ ہو جاؤں گا اور حقیقتاً میں کچھ عرصے بعد مالک مکان کو خط لکھوں گا کہ اب میرا آپس آ نے کا کوئی ارادہ نہیں۔ میں یئیں کی شہریت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جہاں میری بیوی کا مدفن ہے اور اس مکان میں جو سامان ہو گا وہ میں تحفۃً مالک مکان کے نام کر دوں گا۔۔۔۔۔ وہ یقیناً ایک کرایہ دار کے اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہو گا میں لندن سے واپس ضرور آؤں گا مگر اس شہر میں نہیں، یہی اور شہر میں رہوں گا۔۔۔۔۔ پیسے میرے پاس کافی ہیں، میں کہیں بھی کوئی کاروبار شروع کر سکتا ہوں، کاروباری آدمی ہوں۔۔۔۔۔ وہ یہ بتا کر مسکرایا گویا آنے والے نجات یافتگی کے دنوں کے تصور سے محظوظ ہو رہا ہو۔

اس کے بعد ہم خاموش ہو گئے۔ دیوار کی کھٹک کی ٹنگ ٹنگ سکوت کو مرتعش کر رہی تھی۔ لہجہ صحتیابا
 حتیٰ کہ ساڑھے چھ بج گئے۔ اس وقت چھ بج کر چونتیس منٹ ہوئے تھے جب میں نے خوابگاہ میں سے ایک سوا
 فی آواز سنی۔ کسی نے نیند کے خمار سے بوجھل لہجے میں پکارا تھا۔ دلاور، کیا تم غسل خانے میں ہو۔۔۔؟“
 میں اپنی جگہ اچھل پڑا۔ دلاور خان نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بیٹیں سے جواب دیا
 ”نہیں جان! میں یہاں ڈرائنگ روم میں ہوں، ہمارے ایک پڑوسی آئے ہیں۔“

اس نے اُنکھ کر جلدی سے میرے ہاتھ کھول دیئے اور مجھے پر سکون انداز میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں بعد اس کی بیوی سیلپر گھسیٹتی ہوئی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑی ہوئی اور چند ہیائی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ وہ بلاشبہ وہی عورت تھی جس کا جسم میں نے کھڑے کھڑے ہوتے دیکھا اور اس کے جسم پر وہی لباس تھا جو دل اور خان نے اس کی لاش کے ٹکڑوں پر ڈال دیا تھا۔

”یہ ہمارے پڑوسی راشد صاحب ہیں۔“ دلاور خان نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
ان کا کتا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ پوچھنے آئے تھے کہ ہمارے گھر میں تو نہیں آیا۔ میں نے انہیں بٹھالیا کہ چلو

اس بہانے تعارف وغیرہ ہی ہو جائے۔

میں اس تمام تر زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔“ اس نے انتہائی ملنساری سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں مجبور تھا، اگر ایسا نہ کرتا تو میری ساری کوشش پر پانی پھر جاتا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے اس مصیبت زدہ بھائی کو معاف کر دو گے۔“

اس نے اپنے نیپے سے میرا رپوالور نکال کر مجھے پیش کیا اور رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آیا۔ آج اس واقع کو 57 سال گزر چکے ہیں۔ دادا درخان اب نہ جانے کہاں ہوگا۔ اس نے نجات حاصل کر لی تھی اور اپنے منصوبے کے مطابق رخصت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔ اس کے ساتھ اس رات کشتہ کشتی میں میری ہڈیوں پتلیوں کو واقعی زحمت تو بڑی ہوئی تھی لیکن میں پھر بھی اس کا مشکور ہوں کہ مجھے ایک محیر العقول کہانی دے گیا ہے 000

ایس۔ اشیان احمد (کراچی)

غزل

کے ترک حیرگی اب اجالوں میں لوٹ آ
آ جا تو پھر سے میرے خیالوں میں لوٹ آ
مکام بڑھتے جاتے ہیں اہل ستم بہت
موقع ہے پھر سے چاہنے والوں میں لوٹ آ
فرسودہ موسم و راہ کی تقلید چھوڑ دے
چٹائیوں کے سچے خوابوں میں لوٹ آ
اپنا لے مشورہ ہے خواہ قلندری
پھر اس و آشی کی مثالوں میں لوٹ آ
نہ بول رہے دے تو اغیار کی خطاں
کر مہربانی پہلے سوالوں میں لوٹ آ
تہذیب غیر سے اتنا شغف نہ رکھ
پہچان خود کو اپنی چالوں میں لوٹ آ
جانی تک کرے نہ ہنگامہ سخن
کہتا ہوں سچ کے لکھنے والوں میں لوٹ آ

زاہد اقبال، سحر سمندری

غزل

خونفاک ڈائجسٹ 103

کوئی چاند رکھ میری شام پر
خولچہ عاصم سرگودھا

تم۔۔۔ ماروی نے حیرت سے سوال کیا۔
جی بی بی جی میں۔۔۔ وہ شرما کر اور سر جھکا کر بولا۔
تم وہی ہونا۔۔۔ ماروی پھر بول اٹھی۔
جی میں وہی ہوں۔۔۔ اس کی آواز بڑی تیز اور بھاری تھی جیسے گلے میں کچھ بٹخ
کر بول رہا ہو۔
تم تو بھیک مانگتے تھے۔۔۔
جی۔۔۔ مانگتا تھا جی۔۔۔ وہ ریل بسکرا کر بولا۔
مگر یہ ریز می۔۔۔
جی یہ ریز می۔۔۔ وہ پھر سر جھکا کر بولا تھا۔
کسی کی ہے۔۔۔ تنگ آ کر ماروی چیخ پڑی۔
میری ہے جی۔۔۔ اس نے سراٹھا کر کہا اب کی بار اس کے چہرے پر خوف تھا
شائد ماروی کے چیخ کر بولنے سے وہ ڈر گیا تھا۔
ماروی اس کے ہونٹ انداز پر ہنس پڑی۔
وہ بھی ماروی کو ہنسا دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور گہری ہونٹیں۔ وہ
ماروی کو دیکھتا ہوا ایک بار پھر مسکرایا تو ماروی کو وہ بہت عجیب سا لگا۔
وہ جلدی سے بولی ”بہت اچھا کیا تم نے کہ بھکاریوں والا پیشہ چھوڑ کر یہ باعزت
پیشہ اپنا لیا خود کماؤ گے خود کھاؤ گے کسی پر بوجھ تو نہیں بنو گے، خدا بھی خوش ہوگا۔۔۔۔ اور
ہاں وہ جو تمہارے ساتھ ایک اور تھا۔۔۔۔ وہ۔
بی بی جی میں نے تو جی پورے خاندان سے لڑائی کر کے اپنا کھانا علیحدہ کر لیا ہے



خونفک ڈائجسٹ 105

جی۔۔۔۔۔ پر اس نے بڑا جھگڑا کیا میرے ساتھ، وہ نہیں مانتا جی۔۔۔۔۔ پر مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ اب کی بار بھی جملہ ختم کر کے وہ نظریں جھکا کے کھڑا ہو گیا جیسے مارونی سے شرمارا ہو۔

بھئی مجھ سے اس طرح گھبرانے یا شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل تمہاری طرح ایک عام سی چیز ہوں۔۔۔۔۔ ماروی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بولی تھی۔
جی۔۔۔۔۔ وہ نظریں اس کے چہرے پر رکھ کر بولا۔۔۔۔۔ آپ آپ ہیں جی۔
۔۔۔۔۔ میں میں ہوں۔

ماروی کو اچانک یاد آیا کہ اسے دیر ہو رہی ہے وہ پلٹنے ہی والی تھی کہ اس کی نظر اس کی ریڑھی کے پاس نیچے زمین پر پڑے رباب کی طرف پڑی۔ اسے اچانک کل کی رات کو اپنے نیند سے اٹھ جانے والی بات یاد آ گئی۔ کہ کس طرح ایک مدھر سائے، اس کی نیند چھین لی تھی۔۔۔۔۔ اسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ رباب کی ہی آواز تھی۔

یہ کس کا ہے اس نے حیرت سے پوچھا۔
میرا ہے جی اس نے جلدی سے جواب دیا۔
تم رات کو کہاں تھے۔
یہیں تھا جی اسی باغ میں آ کے سو گیا تھا جی۔
لو رات کو۔۔۔ اس نے نہ جانے کیوں ہلکی لہجہ میں پوچھا۔۔۔ تم یہ بجا
رہے تھے۔
آپ نے سنا تھا جی۔

ہاں۔۔۔۔۔ وہ حیرت کو چھپاتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔ ہاں۔ میری آنکھ کھل گئی تھی۔ دراصل وہ اس قدر مدھرا دیکھنے سے اس کی توقع اس جیسے آدمی سے نہ کر رہی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اچانک اس نے سوچا کہ فن اور ہنر اگر ذات پات اور اونچ نیچ میں بٹا ہوتا تو بڑے بڑے لوگوں میں فقیروں کے، چولے پہننے والے کبھی شامل نہ کیے جاتے۔ اور ایسا نہیں تھا۔

بی بی جی آپ میری پہلی گاہک ہیں۔۔۔۔۔ کتنے چنے دوں بی بی لہا کو۔۔۔۔۔ وہ

عجیب لہجے میں بولا تو ماروی کا دھیان رہا ب سے ہٹ گیا۔
 صبح ہی صبح میں چنے کھاؤں گی۔۔۔۔۔ دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔۔۔ ابھی میں
 نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ اب کی بار ماروی حیرت سے ان مصالحوں دار چنوں اور پھر اس
 آدنی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

بی بی۔۔۔۔۔ ایسا نہ کہیں۔ اگر آپ نہیں لیں گی تو میں مال نہیں بچوں گا۔۔۔۔۔
 جب تک آپ نہیں لے کر جائیں گی میں پچھا شروع نہیں کروں گا۔ وہ سختی سے بولا۔
 ارے ارے۔۔۔۔۔ ماروی ایسے میں سنائی
 اچھا ایسا کرو۔۔۔۔۔ کیا نام بتایا تھا تم نے۔۔۔۔۔ ماروی ذہن پر زور ڈالتے
 ہوئے بولی۔

جی میں نے تو نہیں بتایا۔ وہ معصومیت سے بولا۔
 تو بتا دو نا۔ اب کے ماروی بے زاری سے بولی اسے دیر ہو رہی تھی۔
 جی سلطان۔۔۔۔۔ سلطان نام ہے میرا۔۔۔۔۔ اس نے تیزی سے کہا۔
 ہاں سلطان تم۔۔۔۔۔ ایسا کرو کہ میں ساتھ میں پیسے نہیں لائی تم چنے پکٹ میں
 ڈالو جس چوکیدار بابا کے ہاتھ پیسے بھیج کر منگوا لیتی ہوں۔ ماروی نے جان چھڑا کر آگے
 بڑھ جانا چاہا۔

سلطان نے جلدی سے ایک کاغذ کے لفافے میں چنے ڈالے اوپر سے معاملہ
 چھڑکا اور اوپر سے کھنا پانی ڈال کر ماروی کے پیچھے آگیا ابھی ماروی نے سڑک کر اس نہیں
 کی تھی۔

آپ لے جاؤ بی بی۔۔۔۔۔ آپ سے پیسے نہیں لوں گا۔۔۔۔۔ آپ سے پیسے
 کیسے لے سکتا ہوں۔۔۔۔۔ آپ ہی لے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ آپ سے پیسے
 لیے تو مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ وہ تعبداری سے بولتا چلا گیا۔

ماروی کو دیر ہو رہی تھی اس نے جلدی سے پکٹ پکڑا اور سڑک کر اس کر آئی اوپر
 پہنچتے ہی اس نے دس روپے کا نوٹ چوکیدار بابا کے ہاتھ سلطان کو بھجوا دیا۔
 آفس جاتے وقت وہ اسے نظر نہ آیا تو ماروی نے سکون کا سانس لیا۔ عجیب سا

شادی شدہ بھی اور ایک عدد بچی کی ماں بھی۔۔۔۔۔ وہ مسکرا کر بولی۔
 واقعی۔۔۔۔۔ ماروی پھر حیرت سے بولی۔۔۔۔۔ اچھا تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں ہے۔
 Any way تم یہاں کیوں ہو اگر تمہاری Family ہے تو۔۔۔۔۔ اب کی بار
 ماروی نے ذرا دھیسے لہجے میں سوال کیا۔۔۔۔۔ نہ جانے انیتا اس سوال کو پسند کرے نہ
 کرے۔ یہ بات اس کے ذہن میں تھی۔

میری اور میرے شوہر کی لڑائی ہو گئی تھی۔ میں گھر چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جانے
 کے بجائے یہاں چلی آئی۔۔۔۔۔ اب دو تین ماہ یہاں آرام سے رہوں گی۔۔۔۔۔
 سارے گھر کے جھگڑوں اور ذمہ داریوں سے دور۔۔۔۔۔ جب دل چاہے گا چل جاؤں
 گی۔

دو تین ماہ۔۔۔۔۔ تو تمہارے گھر والے اتنا عرصہ تمہیں۔۔۔۔۔ ماروی کو وہ کوئی
 خطیلی قسم کی مخلوق معلوم ہوئی جس کی باتیں سمجھ سے بالاتر تھیں۔

پتہ ہے۔۔۔۔۔ سب کو میرا پتہ ہے۔۔۔۔۔ کہ میرا دماغ بہت الٹا کام کرتا ہے۔
 لیکن اتنا بھی سب جانتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں Safe ہوں۔
 میری ماما۔۔۔۔۔ یعنی میری ریشل ماما یہاں میری موجودگی سے واقف ہیں۔
 وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔۔۔ ماروی۔۔۔۔۔ کو اس کا مسئلہ اب بھی سمجھ
 میں نہ آیا۔ I know کہ تم Surprise ہو لیکن میں ذرا مختلف لڑکی ہوں میں آرام کرنا
 چاہتی تھی۔ اور میری ماں کے گھر میرے سسرال والوں نے مجھے ہرگز آرام سے نہ رہنے
 دینا تھا۔۔۔۔۔

آرام۔۔۔۔۔ اب کی بار ماروی کا دل چاہا کہ اس پزل PuZZu کو کمرے
 سے نکال کھڑا کرے جس کی کوئی بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

ہاں آرام۔۔۔۔۔ تین نندیں چار دیوڑیاں سسر شوہر بنی۔۔۔۔۔ اف اتنی بڑی
 فیملی کی دن رات خدمت کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔۔۔۔۔ اسی لئے سب سے فرار
 حاصل کر کے میں اپنی آزاد زندگی جیسے شادی سے پہلے تھی اس کو یاد کرنے یہاں آئی
 ہوں۔۔۔۔۔

ادہ۔۔۔۔۔اب کی ہار ماروی کچھ بات کی تہہ تک پہنچی۔

آخر کو پھر وہی بھاڑ جھونکنا ہے۔۔۔۔۔وہ چلتی ہوئی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔
ایسے تو نہ کہو آخر وہ تمہارا گھر ہے۔اب کی ہار ماروی نے اسے خطی تسلیم کر کے
مزید کریدنے سے خود کو باز رکھا اس لیے مزید کچھ نہ پوچھا۔

پلیز ماروی۔۔۔۔۔وہ تیزی سے پلٹی۔۔۔۔۔پلیز میں تم سے امید کرتی ہوں کہ تم
مجھے بڑی بوڑھیوں کی طرح Treat نہیں کرو گی اور سمجھانے نہیں بیٹھ جاؤ گی کیونکہ
بحر حال اس جنگل سے جسے میری سسرال کہتے ہیں میں آئی ہوں اور میرا اندازہ کہہ رہا ہے
کہ تمہاری ابھی شادی نہیں ہوئی تو میں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔۔۔۔۔ماروی نے جواب
دینے کے بجائے مثبت میں سر ہلایا تو وہ دوبارہ بول اٹھی hope اتم مجھے دوستوں کی
طرح سمجھو گی میری بڑی نہیں بنو گی۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔Sure لیکن کیا بیٹی یاد نہیں آئے گی۔۔۔۔۔
صرف میری بیٹی نہیں ہے اپنے باپ کی دادا دادی چھو چھو چا کی بھی کچھ گنتی ہے
ہلکے چہیتی ہے۔۔۔۔۔سب سنبھال لیں گے۔She is in safe hands۔۔۔۔۔
وہ مطمئن تھی۔

Okay۔۔۔۔۔تو کیا لڑائی ہوئی تھی۔ماروی نہ رہ سکی تو پھر پوچھ بیٹھی وہ بھی
کھڑکی کی طرف آ گئی۔

وہ تو ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔در اصل میں اپنے موڈ کی لڑکی ہوں سب جانتے ہیں
میری ماما سب سنبھال لیں گی۔اور میں یہاں سکون سے رہوں گی۔۔۔۔۔تم نے کہیں
ماروں کی اپنی پسند سے کھاؤں گی اپنی مرضی سے سوؤں گی انٹوں گی مجھے کوئی روکنے والا
نہیں ہوگا۔وہ مسکرا کر آسمان کو دور تک دیکھتی ہوئی بولی۔

ماروی اسے چند لمے دیکھتی رہی اسے اس کی باتیں ہی نہیں وہ بھی عجیب سی لگ
رہی تھی۔پھر سوچا کہ اسے کیا ضرورت ہے اسے سمجھانے کی جو جیسا کرتا ہے ٹھیک سمجھ کر ہی
کرتا ہے چند لمے توقف کر کے وہ بولی ایک تم ہو جو گھر ہوتے ہوئے بھی بے گھر ہو ایک۔
ہم ہیں کوئی گھر ہی نہیں ہے۔۔۔۔۔ماروی پلٹتے ہوئے بول رہی تھی۔

اچھا ہے نا اتنی آزاد زندگی کسے نصیب ہوتی ہے۔۔۔۔۔ وہ رشک سے بولی۔

ماروی کو اس کی بات پر ہنسی آگئی اس نے دل میں سوچا کہ یہ تو محسوس کرنے کی بات ہے کچھ لوگوں کے لیے شائد بھر کی کوئی اہمیت نہ ہو مگر کوئی چیز نہ ہو لیکن میرے لیے تو اپنا گھر اس دنیا کی سب سے خوبصورت اور سب سے حسین چیز ہے۔

کیا سوچنے لگیں انیتا اونچی آواز میں بولی تو ماروی کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔
کچھ نہیں۔۔۔۔۔ چائے چلے گی وہ چونک کر بات بدل کر بولی تو انیتا نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔ بالکل چلے گی اور دوڑ دوڑ کے چلے گی۔

ابھی لاتی ہوں۔۔۔۔۔ ماروی مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ وہ آفس سے
صحی ہوئی آئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اس طرح کام کرنا پڑا تھا وہ آفس ورک سے
واقف نہ تھی سارا دن ایک کرسی پر پابند بیٹھے رہنا ماروی کے لیے مشکل ہو رہا تھا وہ تو کشمیر
کی آزاد فضا کی آزاد دلچسپی تھی۔ جس نے دور آسمانوں میں سفر کرنا سیکھا تھا جس نے اجلی
دادیوں میں اجلی فضاؤں سے دوستیاں کی تھیں ایک محدود آفس کی محدود میز پر اس کے
لئے زندگی کی تلخیوں میں اضافے کے علاوہ صرف دور دردی کا ذریعہ تھی اور اس دور دردی کے
لیے ایسے تلخ ذریعوں کو اپنی زندگی میں وسیع جگہ دینی تھی یہ بات اسے آہستہ آہستہ سیکھنی
تھی۔ اور وہ سیکھ رہی تھی۔ آج واپس آتے وقت وہ شامل کے لیے سوچ رہی تھی کہ جب
وہ واپس آئے گی تو یہ کمرہ اسے مل سکے گا یا نہیں البتہ اب انیتا کے آنے اور بقول انیتا کے
دو تین ماہ تک یہاں رہنے کا یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

ماروی نے انیتا کو وہی سب بتایا جو اس نے شامل کو اپنے بارے میں بتا رکھا تھا۔
انیتا کافی باتونی لڑی تھی ماروی کا دل لگا رہا۔ انیتا کو آئے ابھی دو دن ہوئے تھے کہ بالکل
ویسا گلہ ستہ جیسا اسے شامل کی موجودگی میں ملا تھا جس میں ایک اکلوتا سفید گلاب مہک رہا
تھا پھر ملا۔

ماروی آفس کے لیے تیار تھی۔ ناشتہ بھی کر چکی تھی وہ کئی لمحوں تک بغور اس
گلہ ستے کو دیکھتی رہی۔ انیتا جو چند لمحے پہلے بیدار ہوئی تھی اس کی نظریں بھی گلہ ستے پر
تھیں چند ثانیے بعد وہ گلا کھٹکھٹا کر بولی۔ کس نے بھیجا ہے نام نہیں بتاؤ گی۔

نہیں۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ماروی تیزی سے بولی۔

اجی ماروی صاحبہ مجھ سے جھوٹ مت بولو۔۔۔۔۔ تم جیسی پیاری اور محسوس لڑکی کے تو ہزار عاشق ہوں گے۔۔۔۔۔ مجھے بچی نہ سمجھنا۔۔۔۔۔ سب سمجھتی ہوں۔۔۔۔۔ وہ معنی خیز لہجے میں بول رہی تھی۔

ایک لمحے کو تو ماروی کو اس کا انداز برا لگا پھر اس نے سوچا کہ جب وہ اسے جانتی ہی نہیں تو غصہ کرنا فضول ہے اور سچ تو سچ ہی ہوتا ہے بھلے کوئی یقین کرے یا نہ کرے وہ لہجہ کو سادہ بنا کر بولی۔۔۔۔۔ یقین مانو انیتا۔۔۔۔۔ یہ مجھے دوسری بار ملا ہے۔ مگر کہنے نے نام وغیرہ نہیں لکھا تھا۔۔۔۔۔ میں قسم کھا کر کہہ رہی ہوں۔

اچھا تو یہ کوئی غلط لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ انیتا نے سرخ ربن کے قریب ایک سفید رنگ کے لفافے پر نظر ڈال کر کہا جس پر ابھی تک ماروی کی نظر نہ پڑی تھی۔

ماروی نے اچک کر وہ لفافہ نکال لیا۔ وہ کشمکش میں تھی۔

خط۔۔۔۔۔ اسے مسائل کی بات یاد آگئی۔۔۔۔۔ کوئی حسین شہزادہ تمہیں دل و جان سے پسند کر بیٹھے اور کل اس کا ایک عدد خط تمہیں ملے۔ وہ تمہارے لئے دل کی دنیا کا ہر دروازہ کھول دے ہر پہرے دار ہٹا دے اور کہے کہ آؤ ملکہ اس دل پر حکومت کرو مسائل کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

کھولو بھئی۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو۔۔۔۔۔ انیتا جلدی سے بولی ماروی سے جلدی اسے تھی۔

کبھی کبھی بہت چھوٹے عمل بہت بڑے بڑے مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔ انیتا ہو سکتا ہے اس خط کو پڑھ کر اس کا جواب دینا پڑے پھر اس کا جواب آئے بات بڑھے میں کسی مصیبت کسی مسئلے میں نہ پھنس جاؤں۔۔۔۔۔ اس نے انیتا کو بغور دیکھا اس کے ماتھے پر بل آگئے۔۔۔۔۔ بہتر ہے اس چکر کو چلنے سے پہلے روک دیا جائے۔۔۔۔۔ مارو! کا ارادہ اس خط کو چاک کر دینے کا تھا کہ انیتا نے بڑھ کر وہ لفافہ پکڑ لیا۔

بے وقوف ہو تم۔۔۔۔۔ پہلے اس شخص کے ارادے تو معلوم کر لو ضروری تو نہیں

بات آگے بڑھنے پر تم کسی مصیبت میں ہی پھنسو۔ بات آگے بڑھنے پر تمہاری بہت

معیشتیں ختم بھی تو ہو سکتی ہیں۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کوئی سچا شخص ہو شریف انسان ہو۔۔۔۔۔
 سبھی کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالو گی تو پلڑا برابر کبھی بھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ وہ بولتے
 بولتے لفافہ چاک کر کے اس سے کاغذ نکال چکی تھی۔۔۔۔۔ اگر تم مائنڈ نہ کرو تو میں
 پڑھوں۔

ماروی نے چند لمحے سوچا اور پھر جب وہ لفافہ چاک کر ہی چکی تھی تو اس نے
 سادگی سے سر مثبت میں ہلایا انیتا نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔
 مس ماروی۔۔۔۔۔ ہنہ طرز خطاب تو معقول ہے انیتا نے comment کیا
 اور پھر پڑھنے لگی۔

آپ کو پہلی بار مخاطب کرنے کی ہمت کر رہا ہوں یہ دوسرا گلدستہ اپنے ہاتھوں کو
 لہو لہو کر کے بھیج رہا ہوں۔۔۔۔۔ دل نے اس آگ میں کودنے کی ضد کی سو کو دیا اب دل
 کندن ہونے کی ضد کر رہا ہے۔ جانتا ہوں کندن ہونا میرے بس کی بات نہیں کیونکہ کوئلہ
 جل کر راکھ تو ہو سکتا ہے کندن نہیں ہو سکتا مگر آپ کی قسم میں اتنا جلا ہوں جتنا کندن بننے
 کے لیے لوہا جتا ہے۔ ہر قسم ہوں نصیب کو ملنے کا لے کر آیا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں آپ
 کو دیکھ کر زندگی کی ہر تلاش ختم ہو چکی ہے۔ میں تو خاک ہونے چلا تھا زندگی کو سوکھی لکڑی
 کی طرح جلانے پر تلا بیٹھا تھا۔ مگر آپ رم جھم برستے ٹھنڈے ساون کی طرح اچانک
 چلی آئیں۔ مجھے زندگی دے کر احسان کیا۔ لیکن میں آپ کو کچھ نہیں دے سکوں گا حتیٰ کہ
 مل بھی نہیں سکوں گا۔۔۔۔۔ آپ میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک معمولی انسان

اسفندیار

سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ خط مکمل کر کے انیتا نے ماتھے پہ پل ڈال
 کر کہا۔ مل نہیں سکتا تو بھائی پھول، وقت اور کاغذ کیوں ضائع کر رہے ہو۔

ماروی خاموشی سے ان لفظوں پر غور کر رہی تھی دو دن پہلے جب شامل نے کوئی
 پرانا جاننے والا کہا تھا تو دل میں شک کے ناگ پھرنے لگے تھے اس خط نے ان خیالوں کو
 تو تھپک تھپک کر سلا دیا مگر یہ بات تو سراسر خود ہی ایک مسئلہ تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ

سامان سیٹ رہا تھا۔ ماروی نے اثبات میں سر ہلایا اور شاپ کی جانب چل دی۔
شام کو انیتا نے اسے اخبار میں ایک اشتہار دکھایا۔ کسی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کو ایک
فی میل سیکٹری کی ضرورت تھی۔۔۔۔۔ ماروی حیرت سے بولی۔

مگر میرے پاس تو جاب ہے۔۔۔۔۔ میں کیوں جاؤں۔۔۔۔۔
تنخواہ ماروی تنخواہ۔۔۔۔۔ دیکھو تو تمہاری تنخواہ سے تین گنا زیادہ ہے پھر کتنی
مراعات ہیں فلیٹ ملے گا گاڑی ملے گی الاؤنسز الگ۔۔۔۔۔ انیتا اسے سمجھانے لگی۔

مجھے ان تعیشات کی ضرورت نہیں۔ میری جاب میرے لئے کافی ہے۔۔۔۔۔
ماروی ایک میگنیزین پڑھتی ہوئی بولی انیتا کو ایک دم غصہ آ گیا۔۔۔۔۔ ندی کا مینڈک مت
ہوا اپنے لئے ترقی کرنے کے لیے ہر شخص کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں مارے
۔۔۔۔۔ تم آخر اتنی قنوطی کیوں ہو۔ مختصر مختصر ہر خوش رہنے والی۔۔۔۔۔

میری نیچر اگر ایسی ہے تو میں کیا کروں، ماروی ماتھے پر ہاتھ ڈال کر بولی اب کی بار
وہ اس کے غصے کو نظر انداز کر کے مسکرا رہی تھی۔

لیکن ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے ویسے بھی اتوار کو تمہاری چھٹی ہوتی ہے اور
انٹرویو اتوار کو ہے۔

انیتا جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس کے لیے سر کھپانے سے فائدہ۔ اس کی نظریں
پھر میگنیزین پر تھیں۔

دوسری طرف چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر اچانک انیتا بولی۔
اچھا تو تم میرے ساتھ تو چل سکتی ہوتا۔۔۔۔۔ ماروی نے سراٹھا کر اسے دیکھا

جیسے اس کی بات نہ سمجھ سکی ہو۔۔۔۔۔ میں ضرور انٹرویو دوں گی۔۔۔۔۔ تم بس میرے ساتھ
چلنا۔۔۔۔۔ میں کروں گی یہ نوکری۔۔۔۔۔ انیتا سکون بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

ماروی نے پہلے گھور کر اسے دیکھا پھر مکمل متوجہ ہو کر چند ثانیے بعد بولی۔۔۔۔۔
تم۔۔۔۔۔ تم عموماً مجھے بہت حیران کر دیتی ہو۔۔۔۔۔ تم کیا کرو گی نوکری کا۔۔۔۔۔

کچھ تو کروں گی۔۔۔۔۔ آدھا دن کرسی پر بیٹھ کر آرڈر آرڈر کروں گی اس طرح
آدھا دن تو اس چڑیا گھر یعنی میرے سسرال سے باہر رہ سکوں گی۔۔۔۔۔ کچھ کماؤں گی تو

independent بھی ہو جاؤں گی۔۔۔۔۔ مگر کی ذمہ داری بھی کم ہو جائے گی
۔۔۔۔۔ انیتا مزے سے پلاننگ کر رہی تھی۔

ہنہ۔۔۔۔۔ اب بات کچھ سمجھ میں آتی ہے۔۔۔۔۔ اچھا میں چلی چلوں گی۔۔۔۔۔
ماروی نے جان چھڑانے کو کہا۔

اچھا جب چلوگی تو اپلائی کرنے میں کیا حرج ہے۔۔۔۔۔ انٹرویو ہی تو ہے۔۔۔۔۔
انیتا تیزی سے بول اٹھی۔

پھر وہی۔۔۔۔۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں مجھے نہیں۔ ماروی تنک اٹھی۔

تو مت کرنا لیکن انٹرویو دینے میں کیا حرج ہے۔۔۔۔۔ تجربہ ہی سہی۔ مجھے ذرا
ڈھارس ہو جائے گی۔ مجھے ڈر نہیں لگے گا۔ تم انٹرویو پہلے دینا مجھے پتا چل جائے گا کہ کس
قسم کا انٹرویو ہے میں Mently prepare ہو جاؤں گی۔

کبھی کبھی تم بالکل بچوں کی طرح سوچتی ہو۔۔۔۔۔ ماروی اسے مت خیال کر رہی
تھی۔۔۔۔۔ مگر

ایک تو تم اگر مگر بہت کرتی ہو اگر اپنی چھٹی کا ایک گھنٹہ مجھے دے دو گی تو کیا ہو
جائے گا۔

میرے لیے تم اتنا بھی نہیں کر سکتیں، انیتا ممکن صورت بنائے اسے دیکھنے لگی، تو
ماروی ہنس پڑی۔

اچھا بابا چلوں گی۔۔۔۔۔ بس، اس نے انیتا کے آگے ہار مان لی۔
Very good یہ، دوئی نا اچھے بچوں والی بات۔ انیتا خوش ہو کر بولی۔

راتوں کا سلطان کار باب بجاتا اب معمول ہو گیا تھا۔ لگتا تھا اس نے اسی بارٹ میں
رات کو ڈیرہ جمالیا تھا۔ اکثر و بیشتر ماروی کی آنکھ کھل جاتی۔ وہ بہت دیر تک اس ترنم میں
ڈوبے ساز کو سنتی رہتی تھی۔ سلطان شکل و صورت کا جیسا بھی تھا اس کے دل میں باتوں میں
اور ہاتھوں میں بہت منہاس تھی وہ جن انگلیوں سے رباب بجاتا تھا دنیا جہاں کی منہاس
کشید کر لاتی تھیں۔ رات کا سنا نا جیسے بہت ساری روشنیوں رنگوں اور حسن کے سمندر میں
ڈوب جانا اور حسن بھی وہ جس سے ماروی کو ازلی لگاؤ تھا۔

اتوار کو ماروی اور انیتا سینز ایڈورٹائزنگ ایجنسی پہنچ گئیں۔ وہاں اور بھی لڑکیاں موجود تھیں چونکہ ماروی نے پہلے اپنا نام ریسپشن پر دیا تھا تو اسے پہلے Call کیا گیا۔

ماروی انٹرویو دینے کے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ پہلی نظر میں اس نے کمرے کا جائزہ لے لیا سیٹ پر ایک اوجیز عمر کا شخص بیٹھا تھا رنگت صاف اور کھلتی ہوئی جب کہ آنکھیں اور بال دونوں ہی گرے تھے ارد گرد کی ہر چیز سے ظاہر تھا کہ یہ ایجنسی اچھا بزنس کرتی ہے۔ بیٹھو۔۔۔۔۔ اس شخص نے ماروی کو گھورتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کی آواز گنگنائی ہوئی تھی۔ ماروی کو اس کا گھورنا اور اس کی آواز دونوں ہی ناگوار گزرے لیکن وہ نظر انداز کر کے بیٹھ گئی۔ اب اسے احساس ہوا کہ انٹرویو میں کوئی بھی سوال پوچھا جاسکتا ہے لیکن اس نے خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ کون سا اسے یہ جاب کرنی ہے وہ تو انیتا کا حوصلہ بڑھانے کو چلی آئی تھی۔ اسی اثنا میں اس نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ جب سے وہ کمرے میں داخل ہوئی ہے وہ بوز ہا شخص مسلسل اسے گھور رہا تھا۔

بس ماروی۔۔۔۔۔ وہ پھر اپنی گنگنائی آواز میں بولا۔

جی۔۔۔۔۔ یہی نام ہے میرا، اس نے ادب سے جواب دیا مگر لہجہ تھوڑا سخت تھا۔

آپ کو یہ نوکری مل گئی ہے۔۔۔۔۔ اب کی بار اس نے بیٹھے لہجے میں جواب دیا۔

ماروی حیرت سے بول اٹھی۔۔۔۔۔ جی کیا مطلب سر۔۔۔۔۔ ابھی تو میں نے

انٹرویو بھی۔۔۔۔۔

انٹرویو تو ایک Formality تھا۔۔۔۔۔ ہمیں اہلیت نہیں صورت چاہیے تھی

۔۔۔۔۔ وہ ذرا حنی لہجے میں بولا۔۔۔۔۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی سر۔۔۔۔۔ اب کے وہ پھر حجت لہجے میں بولی تھی۔

دیکھو ماروی۔۔۔۔۔ وہ فرینک ہو رہا تھا۔ ہمیں ایک جوان اور ہوشر با حسن کی

مالک لڑکی کی ایب مرصے سے تلاش تھی۔ تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی میری تلاش ختم ہو

گئی۔ تم اس جاب کے لئے بہت سوزوں ہو۔ اوکے۔۔۔۔۔ تم کل سے آ سکتی ہو۔۔۔۔۔

اپا کمنٹس لیزر تمہیں کل ہی مل جائے گا وہ خوشدلی سے بولتا چلا گیا۔

میرا کام کس نوعیت کا ہو گا سر۔۔۔۔۔ اب کی بار ماروی اس کی ہر بات سمجھ چکی

تھی۔ لیکن دانت میں کرسوال کر بیٹھی۔

۔۔۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ ماروی کی کرسی کے قریب آ گیا نیبل سے ٹک لگا کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔ کام۔۔۔۔۔ تم کام کرو گی۔۔۔۔۔ دنیا میں کام کرنے والے مر گئے ہیں کیا جو تم اپنے ان برمریں ہاتھوں سے۔۔۔۔۔ اس نے ماروی کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ۔۔۔۔۔

ایک زمانے کا تھپڑ اس کے منہ پر لگا تھا۔ یہ سب اچانک اور آنا فانا ہوا تھا۔ ماروی نے سوچ سمجھ کر کچھ بھی نہ کیا تھا۔ ماروی کچھ بھی تو نہ کر سکی سوائے اس کے تھپڑ مارنے کے۔۔۔۔۔ وہ شخص ہنسنے لگا۔ ماروی اپنے حواسوں میں آئی تو دروازے پر کھڑی تھی۔

سب سے پہلے اپنی عمر کا لحاظ کرو۔۔۔۔۔ اس کے بعد انسان دیکھ کر ہاتھ کرنا اپنی سرشت میں ہاندھ لو میں تھوکی جوں تبھاری نوکری پر اور تم پر اس سے بہتر ہے کہ میں فاتوں مر جاؤں۔۔۔۔۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی انیتا اسے باہر جاتے دیکھ کر اس کے پیچھے لگی وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی گئی انیتا نے اسے پکارا وہ پھر بھی نہ رکی سڑک پر آ کر اس نے دم لیا جب اس کے حواس مکمل طور پر قابو میں آئے تو اس نے مڑ کر اس براؤن رنگ کے شیشوں سے بنی اس بلند و بالا عمارت پر نظر ڈالی جس کے پانچوں فلور سے وہ ابھی نیچے آئی تھی وہاں سفید روشنائی سے بہت نمایاں کر کے Sans Advertising لکھا ہوا تھا۔ ماروی نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور ٹیکسی کورکنے کے لیے ہاتھ دے دیا۔

اتنے میں انیتا اپنی بولی اس کے قریب پہنچ گئی۔ "کیا ہو گیا" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں" ماروی تلخی سے بولی۔ مگر ابھی مجھے انٹرویو دینا ہے۔ انیتا جو حیرت سے بولی تھی۔

کوئی انٹرویو نہیں دینا تم نے۔۔۔۔۔ ہاشل چلو۔۔۔۔۔ وہ پھر تیزی سے بولی۔ مگر کچھ پتہ تو چلے۔۔۔۔۔ اب کی بار انیتا کے سوال کا جواب دینے کی بجائے ماروی ٹیکسی میں بیٹھ چکی تھی مجبوراً انیتا کو اس کی تقلید کرنی پڑی۔

تو کیا مجھے پتہ تھا وہ ایسے لوگ ہوں گے۔ ہاسٹل پہنچ کر انیتا کو ساری حقیقت کا پتہ چلا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی وہ شرمندہ تو تھی لیکن یہ تو جی تھا کہ ماروی کی طرح حقیقت سے وہ بھی بے خبر تھی۔

مکراتی مراعات دینے والوں کے مقاصد کا اندازہ تو ہونا چاہیے تھا۔۔۔ تمہارا شوہر اس جگہ کام کرنے پر تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر سے چھٹی دے دے گا۔ اور وہ بڑھا۔۔۔ وہ فضول بڑھا۔۔۔ گھنیا۔۔۔ لفنگا۔۔۔ دل چاہ رہا تھا دو چار اس کے منہ پر اور جزدیتی۔۔۔ ماروی کی آنکھوں میں شدت جذبات سے پانی تیر گیا اس نے سوچا۔

کیا یہ حیثیت رہ گئی ہے میری کہ کبھی کوئی آنکھ پکڑتا ہے کبھی کوئی ہاتھ۔ اتنی بے وقعت بے حیثیت ہو گئی ہوں کہ کوئی میری عزت نہیں کرتا گاؤں کی وہ الٹا ماروی جو دنیا جہاں میں گھومتی پھرتی تھی مگر کوئی بھی اسے قریب سے گزرتا دیکھ کر عزت سے نظریں جھکا لیتا تھا۔ اور اب ہزار برا غیر نگہور کر دیکھتا ہے۔ ہاں۔ ایسا ہی ہونا چاہئے۔۔۔ ادا۔ ادا۔ کچھ اچھا نہیں کیا مجھے بے آسرا کر کے۔ بھڑیوں کی کالی دنیا میں بھیج کے۔ ماروی کے پر بھی نوٹ گئے کہ اڑ نہیں سکتی۔ کیسی حسین تھی تیری ماروی بیچ پھلاں رانی تیری کشمیر کی شہزادی، تیری پنگی۔ اب ساری دنیا مجھے بھیک میں ملا سکے سمجھ کر اچھالتی پھرتی ہے۔ میری کوئی حیثیت نہ رہی۔ اتنی اکیلی ہو گئی ہوں کہ ہر رنگی کو مجھ پر انھنے کا حق خود بخود مل گیا ہے۔ وہ مسلسل سوچوں میں ڈوبی تھی۔

تو جزدیتیں نا۔۔۔ کس نے منع کیا تھا۔۔۔ انیتا جو ہاتھ روم میں اس کی باتیں سن رہی تھی تو لیے اسے ہاتھ پونچھتی باہر نکلی۔

چند ثانیے وہ انیتا کو گھورتی رہی۔ "اس کی عمر نے"

اگر کوئی جوان آدمی ہوتا تو۔۔۔ وہ دلچسپی سے کھوجتی ہوئی بولی۔

تو ضرور اور جزدیتی۔۔۔ اب ختم کر دو۔۔۔ ایسے مزہ لے رہی ہو جیسے فلم دیکھ کر آئی ہو۔۔۔

ماروی دکھ سے بولی اور تیزی سے کمرے سے نکل کر ہاسٹل کے بیچ بنے لان میں

چلی آئی۔ اس نے دل سے سوچا کہ انیتا تو کیا کوئی بھی میری اس ہنک کو نہیں سمجھ سکے گا دل کی بات دل کا عہد وہ کسے سنائے کاش کہ کوئی ہمدرد ہوتا جو اسے اس واقعے کے بعد تسلی دیتا۔ انیتا تو مذاق اڑانے لگی تھی۔ ماروی کو شائل اور صدف یاد آ گئیں مگر وہ ابھی اب تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو انیتا موجود نہ تھی اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا دو پہر کا وقت تھا باغ میں ہلکی ہلکی سنہری دھوپ تھی جسے بہت سے لوگ اور بچے Enjoy کر رہے تھے ایک کونے پر سلطان بھی کھڑا تھا۔ ماروی اس کے پاس چلی آئی۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں وہ ہمیشہ بیٹھتی تھی۔ ماروی کے چہرے کی اداسی کو سلطان نے محسوس کر لیا اس کے قریب آ کر بولا ”بی بی“

”ہنہ“ ماروی نے اس کے چہرے کو دیکھ کر جواب دیا۔

”کیا پریشانی ہے بی بی“

ماروی نے ہر خندہ ہنسی ہنس دی۔ پریشانی۔ زندگی پریشانی ہے سلطان۔ اس سے زیادہ کچھ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔۔۔۔۔ تم بناؤ سلطان تم بھی تو پریشان ہو رات کی تاریکی میں جب تم اپنا رہا باب چھینڑے ہو تو ایسا کیوں لگتا ہے کہ دل کا بہت سادہ و انہی سازوں سے نکل رہا ہو۔۔۔۔۔

مجھے تو غم ہے نا بی بی۔ بہت سے اچوں کو کھویا ہے۔ دھوکا کھایا ہے۔ ایک بھائی بڑا پیارا تھا مجھے۔۔۔۔۔ اسے کھو بیٹھا۔ سب کو چھوڑ آیا۔۔۔۔۔ پوری برادری۔۔۔۔۔ تو درد تو دل میں اٹھے گا ناجی۔۔۔۔۔ مگر بی بی۔۔۔۔۔ وہ سوچوں میں ڈوبتا ابھرتا پھر اسی کی غمگساری میں لگا تھا۔ تجھے کیا غم ہے تو اتنی اداس کیوں رہتی ہے سلطان کے چہرے پر دنیا جہان کی ہمدردی اتر آئی وہ اس کے قدموں سے چند قدم کے فاصلے پر زمین پر بیٹھا تھا۔

بہت سارے غم ہیں سلطان اتنے کہ جھولی تنگ پڑ جاتی ہے۔ کسی سے بات کرتے ڈر لگتا ہے نہ جانے کون کس بھوس میں مل جائے۔ مگر تمہاری آنکھوں میں نہ جانے کیا ہے۔۔۔۔۔ جو مجھے تم سے کبھی ڈر نہیں لگا۔ تبھی تو تمہارے پاس آ جاتی ہوں۔

بی بی ان غموں کا علاج کیوں نہیں کرتی۔

”علاج“

ہاں بی بی۔۔۔۔ چاند جیسی صورت ہے تیری۔۔۔۔ شادی کر لے کوئی دکھ
 بانٹنے والا مل جائے گا۔۔۔۔ وہ سادہ لہجے میں مگر نظر جھکا کر بہت بڑا مشورہ دے گیا۔
 کیا:- کیا کروں! ماروی نے حیرت سے پوچھا۔

شادی بی بی۔۔۔۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اس کا چاند چہرہ سورج کی کھلتی ہوئی روشنی میں مزید کھل گیا۔
 ”شادی“۔۔۔۔ اس نے اس لفظ کو دھیرے سے دہرایا جیسے جانتی ہی نہ ہو۔ میرے پاس
 کسی کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے سلطان۔ اور پھر کون ہے جو مجھ سے شادی کرے گا۔ یہ
 زر کی دنیا ہے اور میرے تو دونوں ہاتھ خالی ہیں سلطان۔۔۔۔
 مگر اتنی سندر تو ہے تو۔

کس کام کی یہ سندر تا۔۔۔۔ جو بھی دیکھتا ہے ہاتھ پکڑتا ہے کوئی بھی آنچل سر پر
 نہیں ڈالتا۔ میں تو روایتوں کی گود میں پلی ہوں۔ شرم دھیا کا آنچل میرے سر پر عرصے
 سے پڑا ہے۔ مگر اب اس کی حفاظت کرنے والا کوئی بھی نہیں رہا۔ کوئی ہو بھی نہیں سکتا
 ۔۔۔۔ سارے غیرت مند تو بچے چھوڑ آئی ہوں۔۔۔۔ ہر پل ڈرتی رہتی ہوں کوئی غلط
 قدم نہ اٹھ جائے۔ مگر بد نصیبی ہمیشہ ہمیں بدل کر دھوکہ دیتی ہے۔ ماروی اپنی دھن میں
 بولے جا رہی تھی۔ اسے سلطان کا خیال ہی نہ آیا جو اس کے دکھ سے بے کلم ہو گیا تھا۔ اس
 کی گہری کالی آنکھوں میں بے چینی کی ناؤ غوطے کھا رہی تھی۔ ماروی نے اچانک سوال
 کیا۔

تم۔۔۔۔ تمہاری شادی ہو گئی سلطان۔۔۔۔

جی۔۔۔۔ وہ ایک دم شرمایا۔۔۔۔ نہیں جی پر۔۔۔۔

پر کیا۔۔۔۔ وہ سوڈ بدل کر بولی۔

پر جی دل مل گیا ہے جی۔۔۔۔

اچھا۔۔۔۔ کیا کوئی پسند آگئی۔

جی۔۔۔۔ وہ اپنے انداز میں سر جھکا کر بولا۔

کیسی ہے۔۔۔۔ اب کی بار وہ دلچسپی سے بولی اسے نہ جانے کیوں سلطان میں

سفیر کی مٹی دکھائی دیتی تھی۔ اپنائیت کی، اپنے پن کی، قربت کی اور اپنے دیس کی۔
 بڑی سوئی ہے جی۔۔۔۔۔ بڑی سندر ہے۔۔۔۔۔ وہ شرمارہا تھا اس کا سانولارنگ۔
 چمک اٹھا۔

کیا نام ہے۔۔۔۔۔ اس نے پھر مسکرا کر سوال کیا۔
 جی۔۔۔۔۔ ملکہ۔۔۔۔۔ سلطان کی ملکہ۔۔۔۔۔
 واہ۔۔۔۔۔ کیا میچ ہے میرا مطلب ہے سوچ سمجھ کر نام رکھا ہے۔ تمہارے قبیلے کی
 ہے۔۔۔۔۔

انسانوں کے قبیلے کی ہے جی۔۔۔۔۔ وہ سمجھ لہجے میں بولا۔
 ہنہ۔۔۔۔۔ اچھا تو کب کر رہے ہو شادی۔
 بس جی ہونے والی ہے۔۔۔۔۔ وہ مسلسل شرمارہا تھا ماروی کو اچھا لگ رہا تھا۔
 بہت مبارک ہو تمہیں۔۔۔۔۔ خدا کرے کہ وہ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے
 اتنی کہ دامن تنگ پڑ جائے۔ ماروی نے سچے دل سے دعا دے ڈالی۔
 بی بی۔۔۔۔۔ وہ سراٹھا کر بولا۔ جو تیرے گلے میں چنی زنجیر ہے نا۔۔۔۔۔ یہ بڑی
 پیاری ہے۔۔۔۔۔ وہ زنجیر پر نظر ڈال کر بولا۔

یہ میری بہن کی نشانی ہے۔ ماروی نے زنجیر کو چھوتے ہوئے اسے بتایا۔
 بی بی مجھے ایسی زنجیر بنوادے میں۔۔۔۔۔ اے دوں گا جی۔۔۔۔۔ اپنی ہونے
 والی گھر والی کو۔۔۔۔۔ ملکہ کو۔۔۔۔۔ وہ اشتیاق سے بول رہا تھا۔
 ماروی ایک دم سوخ میں پڑ گئی۔ یہ زنجیر تو سنار چاچا نے بنائی تھی۔ یہاں شہر میں تو
 وہ کسی سنار کو نہیں جانتی تھی اور پھر پتہ نہیں ایسی چیز یہاں کوئی بنا پائے یا نہ۔۔۔۔۔ مگر
 سلطان یہ تو میرے گاؤں کے سنار نے بنائی تھی۔۔۔۔۔ یہاں شہر میں تو۔۔۔۔۔ ماروی
 بات بناتے لگی۔

اچھا جی۔۔۔۔۔ چلو جی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ وہ بے دلی سے بولا۔
 ماروی کو اس کا یہ انداز اچھا نہ لگا اس نے پہلی بار سلطان کی آنکھوں میں مایوسی
 دیکھی تھی۔ اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ زنجیر اتاری اور سلطان کے آگے کر دی۔ اچھا تو
 خوفناک ڈانچسٹ 122

بھریہ تم لے لو ہلکے میری طرف سے اپنی ملکہ کو یہ تحفہ دے دینا۔۔۔۔۔ سلطان مٹی ہاتھیں خوشی سے کھل گئیں۔

جی بڑی مہربانی بی بی۔۔۔۔۔ وہ دیکھے گی تو بڑی خوش ہو جائے گی۔ سلطان نے اس کے ہاتھ سے وہ زنجیر لے لی۔

سلطان کو وہ زنجیر پکڑاتے وقت اس نے آخری بار اس کے کندھے کو چھوا جو سونے کا تھا اسے ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔ یہ تو زینب کی آخری نشانی تھی اس وادی کی آخری یاد تھی اس کے پاس۔ مگر اب وہ سلطان کو دے چکی تھی اب سوچنے سے کیا فائدہ تھا۔

اگلے دن اسے جو تحفہ ملا وہ اس کی توقع کے اس قدر خلاف تھا کہ ایک ہل کو وہ ڈر گئی کون تھا جو اسے اتنا چاہتا تھا۔ پہلے سفید گلدستے میں ایک نیلا پھول اور اب یہ۔ وہ ضرور کوئی بھیدی تھا ورنہ ماروی کو اس کی پسند کون یاد دلا سکتا تھا۔

وہ سنگ مرمر سے تراشا ہوا سفید تاج محل تھا جس کا سائز 16 انچ کے نیلی ڈیشن کے برابر تھا۔ کاغذ ہٹاتے ہی اس کی آنکھوں میں روشنی سی بھر گیا۔ چوکیدار بابا کا چھوٹا لڑکا وہ پیکٹ کھینچ کر اس کے کمرے میں دے گیا تھا۔ ماروی نے جیسے ہی اسے دیکھا اس کا اندر کا سانس اندر اور باہر کا باہر رہ گیا۔ انیتا بھی اپنے بستر پر بیٹھی نگر نگر اس عمارت کو دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے سائیز پر نگے ایک کاغذ کے پرزے کو اٹھا کر پڑھا لکھا تھا اسفند یار۔۔۔۔۔ مان لو ماروی کہ اسفند تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے تمہارے پسندیدہ رنگ کے پھول اور اب تمہاری پسند کی یہ عمارت۔ لگتا ہے وہ تمہیں بہت قریب سے جانتا ہے۔۔۔۔۔ مگر حیرت ہے کہ سامنے نہیں آتا۔

مجھے حیرت اسی بات پر ہے کہ وہ یہ سب کیسے جانتا ہے۔ ماروی کی نظریں مسلسل اس عمارت پر تھیں حقیقت تو یہ تھی کہ اس مازل پر سے نظریں ہٹانے کو دل ہی نہ چاہ رہا تھا۔ اس دن سے اس نے سنجیدگی سے اسفند کے بارے میں سوچا اس کا خط نکال کر کئی

ہار پڑھا۔ جس میں صاف لکھا تھا کہ وہ اس سے مل نہیں سکتا۔ کیا مجبوری ہو سکتی تھی یہ بات اس نے کئی بار سوچی آفس کے فارغ اوقات میں بھی اس کا ذہن انہی خیالات میں الجھا رہا۔ ہاسٹل واپس آئی تو انیتا کے پاس ایک خط موجود تھا۔

ابھی ابھی تمہارے لیے آیا ہے۔۔۔۔۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اسفند کا ہے۔۔۔۔۔ جلدی کھولو۔۔۔۔۔ وہ بے چینی سے بولی۔

مگر تمہیں یقین کیسے ہے۔۔۔۔۔ وہ لفافہ چاک کرتے ہوئے بولی۔
 پچھلی بار بھی یہی لفافہ آیا تھا۔ سفید لفافہ جس کے کونے میں دو چھوٹے چھوٹے نیلے شار بنے ہوئے تھے۔ ماروی نے خط پڑھنا شروع کیا۔
 مس ماروی۔۔۔۔۔

جانتا ہوں جو تحفہ آپ کو بھیجا ہے آپ اس کی قدر کریں گی۔ یہ محبت کی یادگار عمارت ہے اور مجھے بے حد پسند ہے۔ نہیں معلوم آپ کو پسند ہے یا نہیں۔ بس یہ مت سوچئے گا کہ یہ کسی کا مقبرہ ہے۔ بلکہ یہ کسی کی حسین خواہش کا حسین عملی جامہ ہے۔
 ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں آپ کا غم میرے دل کو بہت جلاتا ہے۔ کاش میں آپ کے ہر دکھ کو اپنی باہوں میں سمیٹ کر امر ہونے کی طاقت رکھتا مگر مجبور ہوں میں آپ کے لائق نہیں ہوں۔ آپ میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے میری دنیا تنگ دلوں اور تنگ دستوں کی دنیا ہے اور آپ قدرت فطرت محبت اور پاکیزگی سے گندھا ہوا سمندر۔۔۔۔۔ یقین مایے اس دل کو رواپتی پن سے نفرت تھی آپ کی محبت میں میں اس قدر رواپتی ہو جاؤں گا اگر پتہ ہوتا تو زندگی کا پہلا کام ہی آپ کی پرستش ہوتا۔

اسفندیار

۱۔۔۔۔۔ ماروی۔۔۔۔۔ یہ بندہ تو سیرین ہو گیا۔۔۔۔۔ انیتا خط سن کر حیرت سے بولی۔
 لیکن انیتا وہ مجھے اتنے قریب سے کیسے جانتا ہے۔ میں خوش ہوں یاد رکھی اسے کیسے پتہ چل جاتا ہے۔۔۔۔۔ انیتا یہ تو مجھے ڈرائے دے رہا ہے۔۔۔۔۔ ماروی کی انہی سوچوں میں انیتا بھی شامل تھی۔

ایک دن سے اس نے اپنے ارد گرد پر سختی سے نظر رکھنا شروع کی مبادا کسی آنکھ
 زمین کوئی چمک دیکھ سکے کسی نظر میں کوئی کہانی پڑھ کر۔ پہچان لے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔
 وہ اسفند کو ڈھونڈنا چاہتی تھی روبرو بیٹھ کر اس کی وہ باتیں سننا چاہتی تھی جو وہ خط
 میں لکھتا تھا۔

ماروی غیر محسوس انداز میں بہت وقت اس کے بارے میں سوچنے لگی مگر اس کا
 ذہن الجھتا جاتا اس نے کیوں لکھا تھا کہ وہ ماروی کے قابل نہیں ہے۔ ماروی اس کے خط
 کئی بار پڑھ چکی تھی اور کئی بار خوش ہوئی تھی کہ زندگی میں کوئی ہے جو اس کے لئے سوچتا ہے
 اس کے بارے میں اپنے دل میں کچھ رکھتا ہے۔

ایک دن انیتا اسے شاپنگ کے لیے مارکیٹ لے گئی ماروی ملک صاحب کے
 کہنے کے مطابق ہاسٹل سے زیادہ دور جانا نہیں چاہتی تھی لیکن انیتا کو وہ کئی دن سے انکار کر
 رہی تھی اس کے پاس اب کوئی بہانہ بھی نہ تھا سو مجبوراً اس کے ساتھ آنا پڑا۔
 انیتا کے گلے کی سونے کی چین ٹوٹ گئی تھی وہ دونوں ایک جیولری کی دوکان میں
 داخل ہوئیں چین دینے کے بعد انیتا دوکان کے مالک سے سونے کے ریٹ کے بارے
 میں بات کر رہی تھی کہ ماروی کی نظر سامنے پڑی ایک انگوٹھی پر جا بکی۔

نیلا رنگ شامید وہ نیلم تھا سونے کی انگوٹھی میں بہت حسین نیلم سے آرائش کی گئی
 تھی۔ ایسی کہ ماروی نظر ہٹانا بھول گئی۔ وہ اس کا دل کاٹ چکا تو دوکاندار سے ماروی نے
 وہ انگوٹھی نکالنے کو کہا۔ دوکاندار نے انگوٹھی نکال کر اس کے آگے کر دی۔

ماروی نے الٹ پلٹ کر دیکھی انگلی میں ڈال کر جب اس نے ہاتھ سامنے کیا تو
 دوکان میں موجود بے شمار روشنیوں میں اس کا ہاتھ سنگ مرمر سے زیادہ چمک اٹھا اس
 انگوٹھی نے اس کے ہاتھ کو سجاد یا تھا یا اس کے ہاتھ نے اس انگوٹھی کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا
 تھا۔

کیا قیمت ہوگی اس کی۔ ماروی نے سادگی سے سوال کیا۔ دوکاندار نے جو قیمت
 بتائی وہ اس کی پہنچ سے باہر تھی۔ سونے کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ زندگی میں پہلی بار ماروی
 کو پیسے کی اہمیت کا احساس ہوا۔ اگر اس کے پاس اتنے پیسے ہوتے تو وہ ایک ہل لگائے

دیکھا تو میں نے بھی نہیں تھا۔۔۔۔ اور کیوں نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر جھنجھلا کر بول اٹھی۔

آئیڈیا۔۔۔۔ انیتا نے چٹکی بجا کر کہا ماروی نے اسے دیکھا تو وہ چند لمبے رک گئی۔

اتم اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہوتا کہ وہ کیسا ہے۔

ہاں۔۔۔۔ ماروی نے اثبات میں سر ہلایا

تو چلو یار۔۔۔۔ یہ بالکل وہی انگوٹھی ہے اس دوکان والے سے جس نے خریدی ہم اس کے بارے میں اس دوکان والے سے تو پوچھ سکتے ہیں کہ کیسا تھا کون تھا۔ کچھ نہیں تو حلیہ تو پتا چلے گا۔

پھر ہم دیکھ لیں گے کہ آپ کے یہ عاشق میاں کتنے پانی میں ہیں۔ ہماری چاندی ماروی کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ انیتا خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بال تولیے سے خشک کرتی ہوئی بولی۔ چلو پھر۔۔۔۔ ماروی جلدی سے بولی۔

ابھی۔۔۔۔ ابھی تو نو بجے ہیں انیتا نے حیرت سے کہا ماروی جھینپ گئی اس نے احتیاط سے انگوٹھی اسی کاغذ میں لپیٹ کر سنبھال دی۔ یادیں اور نشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں نہ جانے کوئی منزل کا تعین کرنے والی تھیں نہ جانے اسے ڈرنا چاہیے تھا یا خوش ہونا چاہیے تھا ہمیشہ سے بے یقینی کی ناؤ میں غوطے لگاتی ماروی بازار کھنسنے کے انتظار میں اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

دوکاندار سے ماروی نے انگوٹھی کے بارے میں سوال کیا اس کی نظریں شوکیس پر تھیں جہاں وہ انگوٹھی کل تھی آج نہیں تھی۔

وہ تو کل ہی بک گئی میڈم۔۔۔۔ دوکاندار نے ادب سے جواب دیا۔

کس نے خریدی۔۔۔۔ انیتا نے سوال کر ڈالا۔

کیوں میڈم کوئی خاص بات۔۔۔۔ دوکاندار نے پھر سوہانہ انداز میں پوچھا۔

میں تو۔۔۔۔ بس میں وہ خریدنا چاہتی تھی۔۔۔۔ ماروی جلدی سے بولی۔

تو میڈم ہم آپ کو بالکل ویسی ہی اور بنوا دیتے ہیں۔ آپ آرڈر لکھوا دیں

ماروی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے کہ انیتا بول انھی۔۔۔ نہیں دراصل کچھ دیر بعد ہم شہر سے باہر جا رہے ہیں۔ ہمیں بس وہی چاہیے تھی۔ کیا آپ خریدنے والے کا ایڈریس بتا سکتے ہیں۔ انیتا نے شاطرانہ انداز میں لا پرواہی سے پوچھا۔

No میڈم ہمارے پاس مئے کسٹمرز کا ایڈریس نہیں ہوتا۔ جہاں تک اس انگوٹھی کا تعلق ہے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ کس نے لی ہے لیکن نہ تو اس کا ایڈریس ہے نہ فون نمبر۔۔۔ وہ کچھ عجیب سا شخص تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ لوگوں کے جانے کے فوراً بعد وہ آ گیا تھا۔۔۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ ان بی بی نے کیا پسند کیا ہے۔۔۔ اس نے ماروی کی طرف اشارہ کر کے کہا تو ایک بل کی ماروی شرمندہ ہو گئی مگر اسے ابھی پوری بات سننی تھی۔ میں نے وہ انگوٹھی اسے دکھائی تو اس نے وہ خرید لی۔ دوکاندار کا لہجہ ذومعنی ہو گیا تھا ماروی کو اس کا لہجہ برا لگا۔

یہ تو آپ نے بڑی عجیب بات بتائی ہے اب تو اس کے بارے میں جاننا اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔۔۔ آپ اس کا حلیہ تو بتائیے۔۔۔ انیتا نے بھی ڈھٹائی میں حد کر دی تھی۔

جی وہ کوئی چھ فٹ کا چوڑے شانوں والا نہایت کالے رنگ کا آدمی تھا۔۔۔ آف وائٹ شلوار قمیض تھی۔ ہاتھ میں ایک انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ وہ بول رہا تھا اور کالے رنگ سے نہ جانے کیوں ماروی کے ذہن میں صرف سلطان کا چہرہ گھوم گیا۔

سلطان۔۔۔ وہ جب باہر آئی تو اس کی زبان سے نکلا۔

سلطان کون سلطان۔۔۔ انیتا نے حیرت سے پوچھا۔

وہی آلو چھو لے والے۔۔۔ جو ہاسل کے سائے کھڑا ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا جو پہلے فقیر تھا۔۔۔ ماروی حیرت سے بول رہی تھی۔

کم آن ماروی۔۔۔ ایک فقیر ایک آلو چھو لے بیچنے والا تمہیں اتنی پہچانی انگوٹھی وہ سنگ مرمر کا ماڈل اور اس قدر حسین پھول کیسے بھیج سکتا ہے۔ ایک ان پڑھ جاہل سے تم کیسے توقع کر سکتی ہو۔ اور پھر اسفند کی تحریر دیکھی ہے۔ جیسے کاغذ پر موتی بکھیر دیے ہو

اور اس کے لفظ اس کی سوچ اس کی باتیں۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ وہ تو کافی پڑھا لکھا لگتا ہے۔۔۔ اسے فقیر سے تو مت ملاؤ ایک گھنٹیا قسم کے آدمی سے۔۔۔۔۔ انیتا روانی سے بول رہی تھی۔

نہیں انیتا ایسا مت کہو۔۔۔۔۔ اس کا چہرہ بے شک کالا ہے مگر اس کا دل تو اجلا ہوگا بالکل میرے اور تمہارے دل کی طرح۔ اس کے دل میں بھی وہی خواہشیں آتی ہوں گی جو سب کے دل میں آتی ہیں کسی کو چاہنے کی کسی کو پانے کی وہ بھی اپنے اسی دل سے اسی خدا کو یاد کرتا ہوگا جس سے میں تم یا ہم سب کرتے ہیں۔ ماروی بات کو بہت دور لے گئی۔

اچھا بس فلسفہ مت جھاڑو۔۔۔۔۔ مجھے ان باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ حیرت اس بات پر ہے۔

کہ تمہارے ذہن میں سلطان کیسے آ گیا۔ دنیا میں ایک اسی کا کالا رنگ نہیں ہے۔ وہ سواری کی تلاش میں نظر دوڑاتی ہوئی بولی۔

ہاں یہ تو ہے۔ سلطان تو واقعی ایک ان پڑھ انسان ہے۔ میں اسے جانتی ہوں۔ ویسے بھی وہ تو ملکہ کا دیوانہ ہے۔۔۔۔۔ وہ ہولے سے ہنسی اس کی ہنسی میں نہ جانے کیوں دیکھ ساسٹ آیا۔

لیکن ایک بات ہے جو حلیہ و کا انداز سننے بتاتا اس کو سن کر تو اچھا ہی ہے کہ اسفند تم سے نہ ملے میں تو اس شخص کو فیل قرار دیتی ہوں۔ صحیح کہتا ہے کہ تمہارے قابل نہیں ہے۔

انیتا کی صحیح بات کا ماروی کوئی جواب نہ دے سکی تھوڑی دیر میں وہ ہاسٹل واپس پہنچ گئیں۔

اسفند کے خط برابر آتے رہے۔ وہ اکثر ایسی باتیں کر جاتا جو ماروی کو حیران کر دیتیں۔ مگر آہستہ آہستہ ماروی ان خطوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ اگر اس کا خط کچھ دن نہ آتا تو وہ بے کل سی رہتی۔ انیتا نے ان خطوں میں دلچسپی لینی بند کر دی تھی۔ ماروی اس کی باتوں سے اکثر خوشی کشید کرتی رہی اس طرح اس نے اپنے خوش رہنے کا طریقہ ڈھونڈ لیا تھا۔ منزل اور انجام کی پروا وہ کیے بغیر اسفند اس کی زندگی میں ہولے ہولے داخل ہو چکا تھا۔

سلطان بھی اب کبھی کبھی ہی نظر آتا تھا اس نے بات کرنے کا زیادہ موقع بھی نہ ملتا تھا انیتا کو آئے بھی دو ماہ ہو چلے تھے ماروی کو بس ہر صبح اسفند کے خط کا انتظار رہتا وہ ماروی کی شان میں قصیدے لکھتا کبھی پھولوں کی باتیں کرتا کبھی چاندنی رات کے قصے سناتا اور کبھی بھنڈی ہواؤں کی راگنی گاتا کبھی بھٹاؤں کی کہانیاں ہوتیں اور کبھی سمندروں کی روانی سے دل بہلاتا اس کا ہر خط ایک نئی کہانی ہوتا اس کا انداز بیان اس قدر خوبصورت تھا کہ ماروی ایک ہل کو ہی سہی خوشی سے نہال ضرور ہو جاتی تھی مگر اس سے نہ ملنے سے بے چین بھی رہتی تھی۔

ایک رات جب موسلا دھار بارش پڑ رہی تھی اندازہ یہی تھا کہ یہ بارش سردی کو اور بڑھا دے گی۔ انیتا جو بستر میں دہکی موگ پھلیاں کھا رہی تھی ابھی چند دن پہلے ہی اس نے ایک کلرٹی وی لاکر کمرے میں رکھ چھوڑا تھا وی کے پروگرام سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی لیکن وقت فوقتاً سراٹھا کر ماروی کو بھی نوک دیتی جو پچھلے آدھے گھنٹے سے کھڑکی کھولے گرم شال جسم سے لپیٹے بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھی ماروی نے مسکرا کر انیتا کے کسی سوال کا جواب دیا ایک نظر ٹی وی پر ڈالی اور دوبارہ باہر دیکھنے لگی ایسے میں اسے سامنے باغ کے ایک کونے میں ایک بڑی سی پونلی پڑی نظر آئی۔ اس نے مزید غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ دو آنکھیں اس کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ باغ کی روشنی قدرے مدھم تھی اس نے چند لمحوں میں ہی پونلی میں حرکت سی ہوئی محسوس کر لی وہ یقیناً کوئی انسان ہی تھا جو سردی کی بارش میں ٹھہر رہا تھا ہمدردی سے ماروی کا دل بھر گیا۔ اس لمحے تو اس نے خود پر شکر بھیجا کہ پرانی ہی سہی اسے سر چھپانے کو ہاسٹل کی چھت تو میسر ہے مگر نہ لوگوں کو تو گرم سرد سے بچنے کو چھت بھی میسر نہیں ہوتی۔

انیتا۔۔۔ دیکھو۔۔۔ ماروی نے پلٹ کر اسے پکارا۔

کیا ہے۔۔۔ انیتا نے اچک کر اسے دیکھا۔

سامنے کوئی ہے جو بارش میں بھیگ رہا ہے۔ وہ تیزی سے بولی۔

تو بھیگنے دو تمہارا کیا جا رہا ہے۔ اب کے انیتا بے زاری سے موگ پھلی منہ میں

رکھتے ہوئے بولی۔

ماروی نے بڑا کراس کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔ کس قدر سنگ دل ہوا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اس میں سنگ دلی والی کیا بات ہے۔۔۔۔۔ اپنے کمرے میں تولانے سے رہے

۔۔۔۔۔ وہ تنگ کر بولی۔ ۹

ہاں ٹھیک ہے لیکن نیچے میڑھیوں کے پاس خالی جگہ پڑی ہے اسے وہاں بٹھایا جا

سکتا ہے۔ ماروی ارادہ پاندھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

مگر ایسے لوگ تخریب کار ہوتے ہیں۔ انیتا اچانک ڈرانے والے لہجے میں

لا پرواہی سے بولی تھی۔

وہ بیچارہ غریب کوئی بوڑھا آدمی لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ ماروی اپنے اندازے سے

بولی۔۔۔۔۔ اور اب تم یہ مت کہنا شروع کر دینا کہ وہ ہم رکھنے آیا ہے۔۔۔۔۔ ماروی نے

دروازہ کھولا ہی تھا کہ انیتا پھر بول اٹھی اور نہیں تو کیا۔۔۔۔۔ اگر وہ ہم رکھ گیا تو۔۔۔۔۔ ہم تو

گئے۔

شٹ اپ۔۔۔۔۔ ماروی انیتا کی گول گول مھومستی آنکھوں سے محسوس کر گئی کہ انیتا

اس کی مہربان طبیعت کا مذاق اڑا رہی ہے لیکن وہ اسے نظر انداز کر گئی وہ وہی کرنا چاہتی تھی

جو اس کا دل کہہ رہا تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ چونکہ اربابا سے اس آدمی کو اندر بلوائے گی مگر گیٹ بھی بند تھا

اور چونکہ ارباب بھی موجود نہیں تھا۔ ماروی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر بابا کہیں نظر نہ آیا۔ ادھر

بارش مسلسل بڑھ رہی تھی اس قدر شدت تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ بھٹائی نہ دے رہا تھا ماروی دل

میں سوچ سوچ کر دھکی ہو رہی تھی کہ وہ جو بھی تھا بارش اور سردی میں ٹھہر رہا ہوگا۔ اچانک

ہی ماروی نے بارش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خود گیٹ کھولا اور باہر نکل آئی۔ تیز بارش نے

اسے فوراً بھگونا شروع کر دیا وہ سڑک پار کر کے بمشکل اندھیرے کو چیرتی اس شخص تک پہنچی

پہلی نظر میں ہی ماروی نے اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر انسان تھا ستراسی سے

کم کسی صورت نہ تھا اس کی ہنسیوں تک سفید ہو چکی تھیں۔ کچھ سی سفید اور کچھ کالے بالوں

اور بے بنظم سی داڑھی میں وہ عجیب و غریب لگ رہا تھا۔ کچھ بارش نے حلیہ بگاڑ رکھا تھا

جام حالات میں تو ماروی اس سے ڈر سکتی تھی لیکن اس نے دل کڑا کر کے اس کو پکارا "بابا"

۔۔۔۔ اس آدمی نے پلاسٹک کے چھوٹے سے ٹکڑے سے خود کو بارش سے بچا رکھا تھا جب کہ بڑی سی کالی چادر مکمل طور پر پانی سے بھیگ چکی تھی جو اس نے اوڑھ رکھی تھی۔
 ”بابا۔۔۔۔ اٹھو بابا“ ماروی نے تقریباً چیخ کر کہا بارش کے شور میں آواز سنائی نہ دے رہی تھی اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں اور ماروی کی طرف چندھیاتی آنکھوں سے دیکھا۔

بابا اٹھو بابا۔ یہاں بارش ہو رہی ہے۔۔۔۔ سائے کی جگہ پر آ جاؤ۔
 شاید وہ ٹھیک سے ماروی کی بات نہ سن سکا اس لئے اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ماروی پوری پانی میں بھیگ چکی تھی اس نے بابا کو ہازو سے پکڑا اور اسے تقریباً کھینٹی ہوئی ہاشل کے گیٹ تک لائے میں کا صاب ہو گئی۔ وہ ہانپ سی گئی ایک جگہ بیٹھ کر اس آدمی نے اپنے منہ پر ڈھکا ہوا پلاسٹک کا ٹکڑا ہٹا دیا ماروی کو اس کے کھجڑی بالوں اور کھجڑی بازو سے ڈر سا کھمکروہ دل کڑا کر کے بولی۔

وہاں کیوں بھیگ رہے تھے بابا اسی سائے میں کیوں نہیں بیٹھے۔ ماروی نے چادر جھٹک کر دوبارہ اوڑھی اور بالوں پر ہاتھ پھیرا اس کا سارا چہرہ پانی میں تر تھا اسے سردی لگنے لگی تھی۔

سایہ۔۔۔۔ کہاں ہے سایہ۔۔۔۔ وہ اپنی کھٹی ہوئی آنکھوں میں بولا تھا۔
 آنکھیں کھول کر دیکھو بابا۔۔۔۔ میں تمہیں یہاں برآمدے میں لے آئی ہوں۔
 یہاں سایہ ہے۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ سایہ ہے۔۔۔۔ وہ آنکھیں چندھیا کر بولا۔

ہاں بابا۔۔۔۔ تم بہت بھیگ گئے ہو۔۔۔۔ میں تمہارے لئے چادر لاتی ہوں۔
 ماروی فوراً اوپر مٹی اور اپنی نئی شال انیتا کے منہ کرنے کے باوجود اٹھ لائی۔
 ”اسیے ایڑھے لو بابا“

بابا نے فوراً چادر اپنے ارد گرد لپیٹ لی، لگتا تھا اسے بہت سردی لگ رہی تھی، اب اس کی نگاہیں ماروی کی جانب تھیں اس نے کہیں سے نکال کر موٹے عدسوں کی عینک لگالی جو کافی میلی تھی۔ اور زمانہ قدیم کی لگ رہی تھی۔ شیشے کے پیچھے سے اس کی بڑی بڑی آنکھیں اور بھیا تک لگنے لگیں، اب وہ غور سے ماروی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

جیستی رہو۔۔۔۔۔ ہال بچے سلامت رہیں۔۔۔۔۔ وہ دعائیہ انداز میں بولا۔
 ماروی اس کی بات سن کر فس پڑی، لیکن بابا بھری تو شادی بھی نہیں ہوئی۔
 نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ چلو ہو جائے گی۔۔۔۔۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعائیہ انداز میں کہا۔
 ”اچھا بابا۔۔۔۔۔ تم اتنی سردی اور اتنی بارش میں کیوں بھگ رہے تھے۔۔۔۔۔“
 ماروی اپنے گرد لپیٹتے ہوئے بولی۔

چاند کا انتظار کر رہا تھا۔۔۔۔۔ بڑی دیر میں نکلتا ہے نا چاند۔۔۔۔۔
 چاند!۔۔۔۔۔ مگر آسمان پر تو بادل ہیں، بارش ہے۔۔۔۔۔ اس وقت چاند کہاں بابا۔
 ماروی نے حیرت سے کہا۔

چاند چاند میں فرق ہوتا ہے۔۔۔۔۔ وہ باہر کی طرف آسمان کو دیکھتا ہوا بولا۔
 کیا فرق بابا؟۔۔۔۔۔ کیا ہوتا ہے فرق۔۔۔۔۔ ماروی اس کے فلسفیانہ انداز پر
 مسکرائے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ اس عمر میں بھی ایسی معنی خیز باتیں کر لیتا تھا۔

چھوڑو۔۔۔۔۔ اچھا تمہاری بڑی مہربانی کہ تم نے مجھے بھینکنے سے بچا لیا۔۔۔۔۔
 ورنہ شاید میں اس بارش میں غرق ہو کر مر جاتا۔۔۔۔۔ تم نہ آتیں تو میں کب کا مر چکا ہوتا۔
 ۔۔۔۔۔ بڑا احسان ہے تمہارا۔

بابا یہ تو میرا فرض تھا۔۔۔۔۔ ماروی خوش ہو کر بولی۔

باہر ہارش ہلکی ہو گئی تھی چوکیدار باہا بھی آ گیا۔ ماروی نے اسے بتا دیا کہ وہ باہا ہارش میں بھیگ رہا تھا۔ ایسے میں باہا بیچ میں بول اٹھا۔ اب چلتا ہوں۔۔۔۔۔ دیر ہو جائے گی۔

مگر باہا تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم اتنی ہارش میں گھر سے باہر کیوں نکلے تھے۔ کیا تمہارے گھر والوں نے تمہیں نہیں روکا۔۔۔۔۔ یا کوئی کام تھا ماروی نے ملاحظہ سے پوچھا۔

میرا کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔ گھر سے پریشان ہو کر نکلا تھا۔۔۔۔۔ دل کو چین نہیں آ رہا تھا چاند جو نظر نہیں آیا تھا۔ اسی لیے ہارش میں نکل آیا۔
مگر آسمان پر چاند نہیں نکلا باہا۔۔۔۔۔ ماروی بے زاری سے بولی اس کی باتیں جو عجیب تھیں۔

ہاں آسمان پر نہیں ہے۔۔۔۔۔ مگر میری جھولی میں تو ہے۔۔۔۔۔ باہا اپنی جھولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا میں کا انداز پاگلوں والا تھا۔
ماروی بیٹی مجھے تو یہ کوئی سلی بڑھا لگتا ہے، ہارش تھم چکی ہے اسے جانے دو۔۔۔۔۔ چوکیدار نے ماروی کے کان میں سرگوشی کی۔

اچھا میں چلتا ہوں۔۔۔۔۔ کیا یہ چادر لے جاؤں؟۔۔۔۔۔ بڑی سردی لگ رہی ہے۔۔۔۔۔ شاید مجھے یہی پناہ دے دے، اس نے اجازت طلب کی۔

ہاں بابا لے جاؤ تمہارے لیے ہی تو ادھر سے لائی تھی، ماروی اپنی اس نیلی چادر کو دیکھتی ہوئی بولی جو اس نے وہ دن پہلے ہی تنخواہ ملنے پر خریدی تھی۔ مگر اب وہ اسے باہا کے حوالے کر چکی تھی۔

بابا لاٹھی نیکتا آہستہ آہستہ سڑک پر چلتا ہوا اندھیرے میں گم ہو گیا اور ماروی اپنے کمرے میں آ گئی، انیتا نے اس کی اس رحم دلی پر اسے دو چار باتیں بھی سنائیں مگر ماروی خاموش رہی۔۔۔۔۔ وہ اپنی ملن سارا اور دوسروں پر نچھاور ہو جانے والی طبیعت سے مجبور تھی۔

☆☆☆

چند دن بعد انیتا نے اسے ایک اور اشتہار دکھایا۔

بس بی بی اب کہیں نہیں جاؤں گی۔۔۔۔۔ ہرگز نہیں جاؤں گی۔۔۔۔۔ ماروی جو اپنے کپڑے استری کر رہی تھی تنگ کر بولی۔
کون زبردستی کر رہا ہے، مگر دیکھ تو لو۔۔۔۔۔ انیتا اخبار لے کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

پھر بنگلہ اور پھر گاڑی کی آفر۔۔۔۔۔ اور پھر تین گنا تنخواہ۔۔۔۔۔ ماروی اخبار دیکھتی ہوئی بولی۔

انیتا اونچی آواز میں اشتہار پڑھنے لگی۔ فی زید انڈسٹریز کو اپنے گمراہ ایک بچی کی دیکھ بھال کے لیے میچر کم گورنس کی ضرورت ہے، ہائش بچی کے ساتھ ہوگی ضرورت پر چھٹی مل سکتی ہے۔ بہترین تنخواہ کے علاوہ کھانا اور رہائش مفت۔

مجھے نہ تو رہائش کا مسئلہ ہے نہ پیسوں کی ضرورت، ہائش کے تھوڑی دور آفس ہے آنے جانے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ اس لیے یہ سب میری ضرورت کو کافی ہے، جب ضرورت پڑھے گی تب ہاتھ پاؤں ماروں گی، ماروی بولی اور اٹھ کر اپنے کپڑے الماری میں رکھنے کے لیے مڑ گئی۔

انیتا نے بھی شاید اس لیے زور نہیں دیا کہ اس کی وجہ سے کچھ دن پہلے ماروی ایک بڑے تجربے سے گزر چکی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن آفس سے واپسی پر وہ ہو گیا جس کا تصور ہی ماروی کو ہوا دیتا تھا وہ گاؤں کا اچھا خاصا بااثر آدمی بہادر خان تھا۔ وہ بہادر خان جسے ماروی اور وہ ماروی کو اچھی طرح جانتا تھا۔

ماروی بس کے دروازے پر تھی کہ ایک گاڑی اس کے بہت قریب آ کر رکی، ماروی نے بس میں بیٹھنے کے بعد غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا تو اس کا سانس الٹ پلٹ ہونے لگا، خیر ہوئی کہ بس چل پڑی تھی دونوں نے ایک دوسرے کو واضح طور پر دیکھا تھا۔ بہادر خان کی سرخ آنکھیں ماروی کو ذرا چکی تھیں۔ وہ اس کی برادری کی تھی اور بہادر

خان کئی بار ماروی سے ایسی بات کر چکا تھا جو ماروی کو جی جان سے جلا دیتی تھی۔ ماروی ہمیشہ اس سے کئی کترا جاتی تھی حتیٰ کہ بہادر خان نے ایک بار اس سے شادی کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا۔ مگر ماروی اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر چکی تھی۔ بہادر خان شاید اس کی تلاش میں اس شہر میں آ گیا تھا۔ اسے موقع مل رہا تھا کہ وہ ہر بدلہ اتار لیتا۔ ماروی نے خوف کے مارے اپنے دوپٹے کو اچھی طرح اپنے چہرے پر لپیٹ لیا تھا۔

وہ ہاسٹل کے قریب اتری تو سرخ گاڑی کو دور سے آتے ہوئے دیکھ لیا۔ ماروی کا دل ایک ہل میں کئی بار دھڑکا، اس نے ہاسٹل کا رخ کرنے کے بجائے اس کی پچھلی سائیڈ کا رخ کیا۔ وہ ان گلیوں سے واقف نہیں تھی۔ مگر بہادر خان اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے ایک بالکل انجان گلی کا رخ کیا۔ آخری مکان کے برابر والا پلاٹ خالی تھا۔ شام بڑھ رہی تھی۔ ماروی ایک کچی دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔ گلی میں اکا دکا لوگ گزر رہے تھے۔ ویسے بھی گلی کا اختتام تھا۔ ماروی کے آنسو کئی بار پھل اٹھے، مگر وہ سختی سے اپنی آنکھوں کو مسل دیتی، وہ اس بارے میں سوچنا نہیں چاہ رہی تھی کہ اس پر کیا بیت رہی تھی۔ کیونکہ اگر وہ اس بارے میں سوچے گی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ کہیں اس کی آواز کسی نے سن لی تو یہ دنیا کسی کا بھی ایک منٹ کے اندر تماشا بنانے میں ماہر ہوتی ہے۔

فریدہ کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔ جب فریدہ چوہدری باپ کی بیٹی ہو کر نہ بچ سکی تھی۔ تو پھر ماروی تو ایک عام انسان تھی نہ باپ نہ ماں نہ بہن نہ بھائی۔ ایک ادا نور محمد اس کی ڈھال کے لیے کس قدر ناکافی تھا اس بات کا احساس اسے انہی طرح تھا۔ رات گہری ہوتی چلی گئی۔ مگر ماروی کے دل سے ڈر ختم نہ ہوا۔ وہ تین گھنٹے سے اسی جگہ بیٹھی تھی۔ حلق سوکھ کر لکڑی بن گیا تھا۔ سردی کے موسم میں بھی پسینے میں شرابور تھی۔ اس کی آنکھیں رورور کر سرخ ہو رہی تھیں۔ زندگی نے ایسا کڑا وقت بھی دکھانا تھا۔ کاش اپنی وادی میں ہی موت آ جاتی شہر کی اس اجنبی دنیا میں چوہدری تو نصیب نہ ہوتی۔

آخر کار وہ ہمت کر کے وہاں سے نکل آئی۔ خیال یہی تھا کہ بہادر خان تھک ہار کر واپس ہو چکا ہوگا، صبح سے بھوکی تھی۔ آفس میں کچھ کھانے کو دل نہ چاہا تھا۔ سوچا تھا کہ

ہاسل جا کر کھانا کھائے گی۔ مگر ہاسل کے بجائے یہاں آ پہنچی تھی۔

ڈر کے مارے اس سے سیدھا بھی کھڑا نہ ہوا گیا۔ بہت ہمت کر کے ہاسل تک آ پہنچی اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر وہ اس ہل کمزور پڑ جائے گی تو اس کے ساتھ کچھ بھی ہو جائے گا۔ اسے خود کی حفاظت خود کرنی تھی۔ اگر وہ اس حفاظت میں ذرا کمزور پڑ گئی تو خود کو کھودینا لازمی امر تھا۔ اسی سوچ نے اس کے اندر توانائی بھری تھی وہ ہاسل کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی کہ ایک کارزنائے کے ساتھ سڑک پر سے گزری۔ ماروی نے دہل کے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

لال رنگ کی گاڑی بہت آگے جا چکی تھی۔ نہ جانے دل کو یقین سا ہو گیا کہ وہ بہادر خان کی گاڑی ہی تھی۔ کیا وہ لوگ ابھی تک اسے ڈھونڈ رہے تھے اور اب واپس گئے تھے۔ اگر وہ چند لمحوں کی بھی دیر کر دیتی تو اس کے آگے وہ سوچ بھی نہ سکی۔ یا پھر ہاسل میں داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ لیتے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی تھی۔ وہ بھاری قدموں سے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی، انیتا نے اسے دیکھتے ہی چہن کا سانس لیا۔

کہاں تھیں تم اس قدر دیر کر دی؟۔۔۔ انیتا اسے دیکھتے ہی بول اٹھی۔

ماروی خاموشی سے اپنے بند پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اڑتی ہوئیاں اور اس کی غیر حالت دیکھ کر انیتا پانی کا گلاس بھر کر اس کے سامنے لے آئی۔ اسے پی لو، ماروی اور ٹھیک سے بیٹھو۔۔۔ انیتا ہمدردی سے بولی۔

ماروی غنا غٹ ہانی کا گلاس پی گئی۔ چند لمحوں بعد اسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا کہ اسے انیتا کو اپنی اس حالت کی وجہ بتانی تھی۔ وہ یہ ہرگز نہیں بتا سکتی تھی کہ گاؤں کا کوئی شخص اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس لیے کہ انیتا اس کے کسی گاؤں والے کو نہیں جانتی تھی۔ انیتا ماروی کے کسی گاؤں یا گاؤں کے رشتے دار کو نہیں جانتی تھی۔ ماروی ذہن پر زور دینے لگی کہ وہ انیتا کو کیا بتائے۔

اب بولو ماروی اتنی پریشان کیوں ہو۔۔۔ اور اتنی دیر کہاں لگا دی؟۔۔۔ میں تو بہت پریشان ہو گئی تھی۔ کئی چکر تو میں نے اسٹاپ تک لگائے تھے۔ مگر تمہارا کوئی پتہ ہی

نہیں تھا! انیتا ہمدردی سے پوچھنے لگی۔

ماروی نے سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ وہ کچھ لوگ میرا پیچھا کر رہے تھے۔

کیا؟ کون لوگ تھے۔۔۔۔۔ انیتا آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ہرگز بھی نہیں جانتی۔۔۔۔۔ پہلے انہوں نے مجھ سے بدتمیزی

کی پھر یہاں تک پیچھا کیا۔۔۔۔۔ ماروی کہانی گھڑنے میں کامیاب ہو گئی۔

کیا وہ ہاسٹل دیکھ گئے؟۔۔۔۔۔ انیتا بات کاٹتے ہوئے بولی۔

نہیں۔۔۔۔۔ میں پچھلی سڑک پر چلی گئی تھی۔ وہاں میں جا کر چھپ گئی۔ وہ شاید

ڈھونڈ کر چلے گئے تو میں نکل آئی، ماروی نے بہت سارا چھوڑے سے جھوٹ کے ساتھ

بتا دیا۔

کیا!۔۔۔۔۔ تم پیچھے تھیں؟۔۔۔۔۔ انیتا حیرت سے بولی۔

ہاں۔۔۔۔۔ ماروی سنجیدہ لہجے میں بولی۔

مجھے پتہ ہوتا تو پولیس لے کر وہاں آ جاتی۔۔۔۔۔ انیتا غصے میں بولی۔

چھوڑو ناب تو چلے گئے۔۔۔۔۔ ماروی پشت سے سرٹکا کر بولی۔

یہ تمہارا خیال ہے۔۔۔۔۔ یہ گھٹیا لوگ تھوڑے سے بھی اچھے نہیں ہوتے۔۔۔۔۔

انہوں نے تمہارا ملاشاپ دیکھ لیا ہے وہ پھر اس میں جگ کریں گے۔

تو۔۔۔۔۔ تو کیا کروں۔۔۔۔۔ ماروی کو یاد آیا کہ جس اسٹاپ پر اس نے بہادر

خان کو دیکھا تھا وہ ضرور دوبارہ ماروی کو وہیں ڈھونڈے گا۔ سردی کی ایک لہر ریزھ کی ہڈی

تک سرایت کرتی محسوس ہوئی۔

چند دن چھٹی کر لو۔۔۔۔۔ یا پھر انہیں ایسی کھری کھری سناؤ کہ وہ دوبارہ تمہارے

سامنے سے گزریں تو سر جھکا کر گزریں۔۔۔۔۔ انیتا تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

ایسا ہی تو نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ ماروی نے دل میں سوچا۔۔۔۔۔ پھر بولی ”چند دن

چھٹی کر لیتی ہوں۔

ہاں چند دن میں بھول جائیں گے۔

بھول جائیں گے؟ ماروی نے اس کے الفاظ دہرائے اور سوچا کہ بہادر اسے نہیں

بھولے گا۔ اور روز وہاں آئے گا، نہ جانے کب مدد بھیڑ ہو جائے۔ ماروی نے تھوک نکلتے ہوئے انیتا کو دیکھا۔

میں یہ نوکری چھوڑ دوں گی، وہ ہولے سے بولی۔

ماروے اتنا کیوں ڈر رہی ہو۔۔۔۔ ایک دفعہ بھری پبلک میں کھری کھری سنا دینا دوبارہ پاس نہیں پھٹکیں گے۔۔۔۔ تم آرام سے چند دن کی چھٹی کر لو۔۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ مجھے ساتھ لے جانا میں ان کی مانی یاد دلوادوں گی۔۔۔۔ انیتا مسکرا کر بولی۔

ماروی جبراً مسکرائی۔

اچھا میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔۔۔۔ انیتا اٹھتی ہوئی بولی۔

ماروی اب اسے کیا بتاتی وہ اسے بھول ہی تو نہیں سکتے۔ اس نے دل ہی دل میں نوکری کو خدا حافظ کہا اور دیوار سے ٹک لگائے اس خوف ناک سین کے بارے میں سوچنے لگی۔ انیتا کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر اسے وہی اخبار نظر آیا جس میں ایک اشتہار انیتا نے کل ہی دکھایا تھا۔ ماروی کے ذہن میں بجلی سی کوند گئی اس نے اخبار اٹھا کر دوبارہ اس اشتہار پر نظر ڈالی جس کے گرد انیتا نے سبز مارکر سے گول دائرہ بنا دیا تھا۔

انیتا بڑے لے کر کمرے میں داخل ہوئی، تو ماروی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے؟۔۔۔۔ وہ بڑے اس کے منہ سے رکھتی ہوئی بولی۔

اب اشتہار پر۔۔۔۔ ماروی نے اخبار واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

ارے ہاں۔۔۔۔ تو کیا الادا رہ رہا ہے۔۔۔۔ انیتا دلچسپی سے بولی۔

ہاں۔۔۔۔ ماروی نے لقمہ توڑتے ہوئے جواب دیا۔

اچھی بات ہے میں تو تمہارا دھیان دوبارہ اس کی طرف دلوانے والی تھی۔ اب دیکھو تمہیں خود ضرورت پڑ گئی نا۔۔۔۔ ویسے بھی میں ٹی ریڈ انڈسٹریز کو تھوڑا بہت جانتی ہوں، کافی بڑے لوگ ہیں۔

مجھے بڑے چھوٹے سے کیا۔۔۔۔ ماروی لقمہ حلق سے اتارتے ہوئے بولی۔

میرے کہنے کا مطلب تھا کہ پتہ نہیں یہ نوکری تمہیں ملتی ہے یا نہیں ایسی نوکری

کے لیے تو بہت لوگ پیچھے ہوں گے۔

ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے۔ میری قسمت اچھی ہوئی تو شاید مل جائے۔۔۔۔۔
اس طرح گھر سے نکلنے کا جھنجٹ ختم ہو جائے گا۔۔۔۔۔ ماروی پانی کا گلاس اٹھا کر بولی۔
میرے شوہران لوگوں کو جانتے ہیں۔ تبھی تو کل یہ اشتہار دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی،
کیونکہ ان کے گھر میں تو بے شمار نوکریاں ہیں بچی کے لیے نیچر کے اشتہار دینے کی کیا
ضرورت تھی پھر سوچا۔۔۔۔۔ مجھے کیا۔۔۔۔۔ جو مرضی کریں ویسے بھی یہ بہت بڑے لوگ
ہیں، بے شمار انڈسٹریز اور فیکٹریاں ہیں مگر سنا ہے کہ بہت مغرور لوگ ہیں ایک چھوٹی بچی
ہے شاید وہ بھی ٹی زیڈ کی مالک ہی ہے میرا خیال ہے اسے ہی بچ کرنا ہوگا۔۔۔۔۔ انیتا شاید
تفصیل بتانے کے موڈ میں تھی۔

بچی کا ذکر سن کر ماروی کو اپنی اجالا، روشنی اور گراں یاد آ گئیں۔ اس کے روشن
چہرے میں موجود روشن آنکھیں اس خیال سے ہی روشن ہو گئی تھیں۔
اسی رات اس نے ملک صاحب کو فون کر کے ساری حقیقت بتادی۔ تشویش انہیں
بھی تھی، مگر جب ماروی نے ٹی زیڈ انڈسٹریز کے اس اشتہار کا ذکر کیا تو انہیں بھی یہ بات
مناسب لگی کیونکہ یہ اشتہار ملک صاحب کی نظر میں بھی تھا، ملک صاحب نے وعدہ کیا تھا
کہ اگر کسی وجہ سے اسے یہ نوکری نہ مل سکی تو وہ اسے اپنے گھر رکھ لیں گے۔ مگر ماروی نے
اس بلبل دل و جان سے دعا مانگی کہ کاش اسے یہ نوکری مل جائے۔

رات کو سوتے وقت ماروی ایک نئے ذہن اور نئے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔
زندگی کتنی بدل کر رہ گئی تھی، زندہ رہنا کس قدر مشکل ہو گیا تھا۔ اب نئے لوگوں کے ساتھ
نئے ماحول میں وہ کیسے رہ پائے گی، نہ جانے کیسے لوگ ہوں گے۔ بڑے لوگوں کے غرے
بھی بڑے ہوتے ہیں، ماروی پریشان تھی تو یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں اسے یہ نوکری ملے گی بھی
یا نہیں اگر نہ مل سکی تو وہ کیا کرے گی ملک صاحب کے گھر رہنا نہ تو اسے گوارا تھا نہ ہی ٹھیک
تھا۔ اب یہ ضروری تھا کہ یہ نوکری اسے مل جاتی ماروی نے سوچ لیا تھا کہ اب چاہے جو بھی
ہو جیسے بھی حالات میں رہنا پڑے وہ رہ لے گی مگر اس گھر سے قدم باہر نہیں نکالے گی نہ
جانے بہادر خان پھر کب نکرا جائے۔ زندگی نے جیسی در بدری نصیب میں لکھ دی تھی اس

کے بعد کوئی شکوہ زبان پر لانا بھی حماقت لگتی تھی۔ قسمت ہی ایسی لے کر آئی تھی تو رونا کر بات کا تھا۔

فیض کی یہ نظم اس نے کئی بار پڑھ ڈالی۔

میرے دل میرے مسافر
ہوا حکم پھر سے صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ گھر گھر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
ہر ایک اجنبی سے پوچھیں
جو بت تھا اپنے گھر کا
سیر کوئے ناشناساں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
ہمیں یہ بھی تھا گوارا
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا

یہ پل پل کی موت ہی تو تھی جسے وہ اپنے وجود پر برداشت کر رہی تھی بات یہ تو نہ تھی کہ وہ کم ہمت یا کم حوصلہ تھی۔ پہاڑوں کی جلی تھی ارادوں کی مضبوط مگر چھیننے والے نے جسم سے قبا تک چھین لی تھی۔ اس قدر جی دامن ہوئی تھی کہ کوئی سنتا تو یقیناً زنا مشکل تھا۔ کسی کا اپنا چھٹا ہے ماروی کا تو اپنوں کے ساتھ ہر نانا، ہر خواہش، ہر محبت، ہر چاہ چھوٹ گئی، اور اتنی بڑی دنیا میں وہ تنہا تھی۔ بالکل تنہا بالکل اکیلی تھی۔ مگر پھر بھی وہ ہمت کر

کے مسکراتی بھی تھی اور زندہ بھی رہ رہی تھی۔ شاید یہی اس کی کامیابی تھی۔

اور پھر ماروی اس اشتہار پر دیے گئے پتے پر ٹھیک وقت پر پہنچ گئی، وہ ٹی زیڈ ہاؤس کی عمارت کے سامنے موجود تھی اور یک ٹک اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی۔

یہ بات تو وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ جس دنیا میں رہتی ہے وہ دنیا افہام و تفہیم کا ایک بہت بڑا اڑدہا ہے نہ جانے کن لوگوں کو یہ دنیا اس آ جاتی ہے ماروی تو پورا پورا اس کے بلبوں میں جکڑنے کے باوجود اس کے سکھ نہ اٹھا سکی تھی۔ کون ہوتے ہیں وہ لوگ جو زندگی کے مزے اڑا لیتے ہیں، ماروی کی زبان نے تو ایسا تلخ ذائقہ چکھ لیا تھا کہ کسی مزے کے اڑانے کا حوصلہ ہی باقی نہیں بچا تھا۔

ٹی زیڈ ہاؤس کی عمارت کے آگے کھڑے ہو کر ماروی کو نہ جانے کیسا احساس ہو رہا تھا اس احساس کو وہ کوئی بھی نام تو نہ دے سکی تھی۔ احساس سرچکے تھے، اسفند کے خطوط نے میٹھے احساسات جگائے تو تھے، مگر ماروی ڈرتے ڈرتے ہر قدم اٹھاتی تھی۔ زندگی کی آنکھ پھولیوں کے آگے کھڑی چھپتی پھر رہی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ مگر سچ تھا تو بس یہ کہ وہ ڈر چکی تھی۔ اپنی کسی بھی خواہش کو عملی جامہ پہنے دیکھتی تو خوف زدہ ہو جاتی تھی۔ ڈرتو آخر قسمت میں لکھا تھا۔ بہت سارے اپنوں نے مل کر قسمت بنائی تھی۔ مگر کیسی عجیب کہ ماروی ہل ہل کرتی سب جاتی تھی۔

وہ یک ٹک اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی یہ کوئی خواب تھا یا سراب یہ کوئی افسانہ تھا یا طلسمی کہانی۔۔۔ کیا تھی اس کی زندگی لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی۔۔۔ آخراور کیا کیا دیکھنا باقی رہ گیا تھا۔

یہ جگہ شہر کی جھینر بھارے تھوڑی الگ تھی۔ مگر نہایت سرسبز اور خوب صورت علاقہ تھا۔ جتنے رقبے پر ٹی زیڈ انڈسٹریز کا گھر بنا تھا یقیناً اتنا تھا کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچنے میں بہت وقت لگ سکتا تھا۔ سفید رنگ کی وہ پر شکوہ عمارت جسے دیکھتے ہی ماروی اپنا آپ کھو بیٹھی تھی۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی جن نے اپنے جادو سے تاج محل کو چھوٹا کر کے اس سرسبز وادی میں لا رکھ دیا ہو۔ اس عمارت کے سامنے کا نقشہ بالکل تاج محل جیسا تھا۔ بڑی سی

عمارت کے آگے دو بڑے بڑے ہانغ تھے۔ یہ سب دوسرے لوگوں کے لیے تو قابل ستائش تھا، مگر ماروی کے لیے کیا تھا یہ صرف ماروی کا دل جانتا تھا یا پھر وہ جانتے تھے جو ماروی کے حسن پسند دل سے واقف تھے۔ ماروی بے یقینی سے اس عمارت کو دیکھتی رہ گئی۔

واہ۔۔۔۔۔ ایسی چیزیں اس دنیا میں موجود ہیں۔۔۔۔۔ ماروی دل میں سوچ رہی تھی۔ اور ماروی جانتی ہی نہیں کہ ایسی چیزیں اس دنیا میں موجود ہیں جن کا یہ دل عرصے سے دیوانہ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی اور کو بھی تاج محل اسی شدت سے پسند ہے جس شدت سے مجھے پسند ہے۔۔۔۔۔ ماروی دھیرے سے مسکرائی۔

چوکیدار جو کافی دیر سے ماروی کی اس حرکت کو نوٹ کر رہا تھا اس کے قریب آ کر بولا۔ اے بی بی۔

ماروی نے چونک کر اس کو دیکھا پھر خود ہی شرمندہ ہو گئی۔

کیا دیکھتی ہو؟۔۔۔۔۔ جاؤ اپنا کام کرو۔۔۔۔۔ وہ غصے میں بولا۔

ماروی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

کیا ہے۔۔۔۔۔ کدھر جاتی ہو۔ وہ ماروی کے سامنے آ گیا۔

میں انٹرویو دینے کے لیے آئی ہوں۔ بچی کے لیے ٹیچر کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔

ماروی عمارت کی طرف نظر ڈال کر بولی۔

اچھا اچھا تو یوں بولونا۔۔۔۔۔ اندر چلی جاؤ سامنے وہ آدمی کھڑا ہے وہ تم کو آفس تک لے جائے گا۔۔۔۔۔ چوکیدار نے گیٹ کھولتے ہوئے کہا۔

ماروی نے ایک گہرا سانس لیا اور گیٹ میں داخل ہو گئی، گیٹ کے اندر کھڑے ہو کر اس نے نظر بھر کر اس عمارت کو بھر دیکھا چار دیواری کے اندر سے اس عمارت کا حسن بہت زیادہ نمایاں تھا۔ اور بہت زیادہ حسین، چاروں طرف کے وہ باغات تھے جو حسین پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ ایک طرف کے باغ میں سفید پتھروں کا بہت بڑا سا پل بنا تھا جس کے نیچے بہت خوب صورت تالاب چمک رہا تھا۔ ماروی نے ایک نظر میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس تالاب کا رنگ نیلا تھا۔ گہرا نیلا، ماروی نظریں چراغی اچانک ہی اسے اپنی سوچ پر شرمندگی ہو رہی تھی، وہ بھی بھلا کیا سوچ رہی تھی جس قدر نرید سے پن سے وہ اس

عمارت کو دیکھ رہی تھی وہ واقعی شرمندگی کی بات تھی۔

ماروی نے سر جھٹک کر سوچا تاج محل بنانے والے نے اس کے معماروں کے ہاتھ تو کٹوا دیے تھے بھلا اس عمارت کو بنانے والے ہاتھ ڈھونڈنے والے نے کہاں سے ڈھونڈے ہوں گے۔ خوش نصیب ہے وہ ممتاز محل جسے اس دنیا میں کوئی ایسا چاہنے والا نصیب ہو گیا جس نے اس کے لیے یہ محل کھڑا کر دیا تھا۔ میں ضرور جاننا چاہوں گی کہ وہ خوش قسمت عورت کون ہے جس کے نام پر اس محل کی سنگ بنیاد ڈالی گئی تھی اور وہ کون بادشاہ ہے جو آج کے زمانے میں بھی زندہ ہے مگر نہ میں تو سمجھتی تھی کہ بادشاہوں کے وجود اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت باذوق لوگ ہیں اگر مجھے یہ نوکری مل گئی تو میرا وقت اچھا گزرے گا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس شخص تک جا پہنچی جس نے اسے اس آفس روم کے باہر پہنچا دیا، جس میں چند ایک اور خواتین بھی اس انٹرویو کے لیے آئی تھیں۔ سبھی کی باتوں سے پتہ چل رہا تھا کہ سبھی ضرورت مند ہیں۔ شاید ہر ایک کو اپنی ضرورت بڑی محسوس ہو رہی تھی۔ آفس کے باہر بیٹھی ہوئی لڑکی کی باتوں سے انہیں علم ہوا کہ جس بچی کو نیچر کی ضرورت ہے وہ ٹی زیڈ انڈسٹریز کے مالک کی بیوی بہن ہے اور اسے ایک نیچر سے کہیں زیادہ ایک ایسی عورت کی ضرورت ہے جو اس کی بہترین نگہداشت کر سکے۔ ایک اور اطلاع بھی تھی کہ اپنے لیے گورنس کے انٹرویو کے لیے وہ بچی خود انٹرنیٹ لے رہی ہے بہت ممکن تھا کہ انٹرویو کے دوران وہ بچی بھی موجود ہو۔

ماروی کا نام پکارا گیا تو ماروی خاموشی اور اطمینان سے چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی اس نے باہر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تمام عرصے میں سوچ لیا تھا کہ وہ کوشش ضرور کرے گی کہ اسے یہ نوکری مل جائے مگر وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنائے گی۔ اس نے یہ بات بھی سوچ لی تھی کہ یہ شہر نہ سہی وہ کسی اور شہر میں چلی جائے گی۔ مگر کسی کام کے لیے کسی کے آگے گزرنا ایسا بھی چیز کے حاصل کرنے کی خواہش کرنا اسے بہت الگ کام لگے۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کیونکہ اسے کئی خواتین اپنے سے زیادہ تعلیم یافتہ اور بہت زیادہ تجربہ کار لگ رہی تھیں۔ ماروی سمجھ گئی تھی کہ یہ نوکری اسے نہیں مل سکتی مگر پھر بھی وہ قسمت آزمانے کے لیے اس آفس کے اس کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرہ اس عمارت

کی طرح ایک عالیشان حیثیت رکھتا تھا۔ بڑے بڑے پردوں اور دیواروں سے۔۔۔ نہایت نفیس فرنیچر کے دوسری جانب ایک ادھیز مرخص موجود تھا جس کے چہرے سے شفقت اور ملامت نمایاں تھی۔ جب کہ قریب ہی ایک موصوفے پر بہت پیاری سی بچی بیٹھی تھی۔ ایک ادھیز مرعوت اس کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ اس بچی کی پیاری سی صورت دیکھ کر ماروی کو اجالا کا چہرہ یاد آ گیا۔ اس بچی نے گلابی فراک زیب تن کر رکھی تھی۔ عمر یہی کوئی بارہ سال تک ہوگی، جب کہ اس کے گہرے سیاہ بال اور گہری کالی شفاف آنکھیں ماروی کو پہلی ہی نظر میں بہت پسند آئیں سرخ و سفید رنگت کے ساتھ وہ بچی دھیمی مسکراہٹ سے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

بیٹھے۔۔۔۔۔ وہ شخص کو یا ہوا۔

ماروی اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گئی اس کی پلکیں ہی نہیں بلکہ سر بھی بلند تھا اس کے چہرے پر زبردست اطمینان اور اعتماد چمک رہا تھا مگر ماروی کا اظہار اب بھی بچی کے چہرے میں کم تھا جہاں دنیا جہاں کا بھولا پن بیضا شمار ہا تھا۔ وہ جس ماں باپ کی اولاد ہوگی وہ بھی بہت خوب صورت ہوں گے۔ ماروی نے دل میں سوچا اور اپنا دھیان سامنے شخص کی طرف کر دیا۔

س ماروی! مجھے محمود ہاشمی کہتے ہیں، اور میں ٹی زیڈ انڈسٹریز کے مالک طاؤس خان صاحب کا پرسنل سیکریٹری ہوں۔

جی۔۔۔۔۔ ماروی فرمانبرداری سے بولی۔

یہ کس ذوبارہ خان ہیں۔ طاؤس خان صاحب کی اکلوتی اور چھوٹی بہن انہی کی دیکھ بھال کے لیے ہمیں ایسی خاتون کی ضرورت ہے جو چوبیس گھنٹے ذوبارہ بی بی کے ساتھ رہے اور ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال کرے۔ ہر طرح سے میری مراد ہر طرح ہے۔ میرا خیال ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی۔

جی یہ بات تو میں نے اشتہار دیکھ کر بھی سمجھ لی تھی۔۔۔۔۔ ماروی بے جواب دیا اور مسکرا کر بچی کی طرف دیکھا بچی نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔

س ماروی آپ کی تعلیم بہت کم ہے۔ ہاشمی صاحب اس کی اسناد دیکھتے ہوئے

پہلے۔

جی سر۔۔۔۔۔ بس حالات ایسے ہو گئے تھے کہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا مگر میرا ارادہ مگر بکجوشن کا ہے۔ انشاء اللہ میں تعلیم ضرور مکمل کروں گی۔۔۔۔۔ ماروی نے سادگی سے جواب دیا۔

ہنس۔۔۔۔۔ بچوں کو سنبھالنے کا کوئی تجربہ۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔
جی۔۔۔۔۔ میری بہن کی بچیاں میرے ہاتھوں پٹی ہیں۔ میں اچھی طرح ہینڈل کر سکتی ہوں۔۔۔۔۔ وہ پھر فرمانبرداری سے بولی۔
گڈ۔۔۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔۔۔ کتنی بچیاں تھیں؟
جی تین۔۔۔۔۔ ماروی نے پھر جواب دیا۔

یہ تو بہت اچھا ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ کا تجربہ تو ہے آپ کی عمر دیکھ کر میرا خیال تھا کہ آپ کو صرف اس وجہ سے رجسٹرکٹ کیا جائے گا کہ آپ کے پاس تجربہ نہیں ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ اب سوچا جاسکتا ہے کیوں دوبار یہ بیٹا؟
جی انکل۔۔۔۔۔ وہ بچی معصومیت سے بولی اس کی نظریں ماروی کی جانب تھیں۔
وہ بہت دلچسپی سے ماروی کو دیکھ رہی تھی۔
تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟۔۔۔۔۔ کیا یہ پھر آپ کو پسند ہیں۔۔۔۔۔ ہاشمی صاحب نے شفقت سے سوال کیا۔

دوبار یہ نے ماروی کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ دراصل میڈم مجھ سے بہت ساری غلطیاں ہو جاتی ہیں آپ مجھے میری غلطیوں پر ڈانٹیں گی تو نہیں۔ وہ معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔
نہیں دوبار یہ۔۔۔۔۔ میں کیوں ڈانٹنے لگی۔۔۔۔۔ میں آپ کی غلطی کی تصحیح کروں گی۔۔۔۔۔ اس طرح وہ غلطی غلطی نہیں رہے گی۔۔۔۔۔ تو پھر ڈانٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ماروی دھیسے لہجے میں بولی۔
تھینک یو میڈم۔ دوبار یہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ اور مڑ کر ہاشمی صاحب کی طرف دیکھا جو شاید دوبار یہ کی آنکھوں کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

ٹھیک ہے ذوباریہ اب آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ ہاشمی صاحب رسالت سے بولے۔

اوکے۔۔۔ انکل۔۔۔ اوکے۔۔۔ میڈم۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔ ذوباریہ نے پہلے ہاشمی صاحب اور پھر ماروی کو خدا حافظ کہا اور قریب کمزری خاتون کے ساتھ کمرے کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔

ٹھیک ہے مس ماروی آپ باہر بیٹھیں ابھی آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ جب انٹرویو مکمل ہو چکا تو چند منٹوں بعد ہی ماروی کو دوبارہ بلوایا گیا۔ مس ماروی۔۔۔۔۔ آپ جان چکی ہوں گی کہ یہ نوکری آپ کو مل چکی ہے۔۔۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

جی۔۔۔۔۔ ماروی نے خوش دلی سے جواب دیا۔ دراصل اس گھر میں ذوباریہ کی دیکھ بھال کے لیے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ مگر چونکہ نہ تو ذوباریہ کی والدہ زندہ ہیں اور نہ ہی کوئی بہن ہے بھالی بھی ناروباریہ مصروفیت میں آئے دن گھر سے باہر رہتے ہیں۔ اس لیے ذوباریہ کو دیکھ بھال کرنے والی آما سے زیادہ ایک دوست ایک ماں اور ایک بہن کی طرح محبت کرنے والی ہسی کی ضرورت ہے جسے ذوباریہ بھی دل سے پسند کرے۔ اور وہ بھی ذوباریہ کو ہر لحاظ سے اہمیت دے جو نہ صرف اس کی تنہائی میں اس کی باتیں اس کی پسند ناپسند کو شیر کرے بلکہ اس کی تربیت میں بھی اہم کام سرانجام دے۔ سو اسی لیے اس انٹرویو کے دوران ذوباریہ یہاں موجود تھی اور اسے تمام خواتین میں سے صرف آپ پسند آئی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ آپ ہر لحاظ سے اس کا خیال رکھیں گی کیا میں جان سکتا ہوں کہ ذوباریہ کا اعتبار درستی ہے یا نہیں۔

سر میں دعویٰ نہیں کرتی مگر میں وعدہ ضرور کرتی ہوں کہ محض ذوباریہ کے اعتبار پر نہیں بلکہ میں ہر اعتبار پر پوری اترنے کی کوشش کروں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے بہن کی جن بچیوں کا ذکر میں نے کیا تھا انہیں بہت دور چھوڑ آئی ہوں میں ان تینوں کا پیار ذوباریہ کو دے سکتی ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ ہر طرح سے

بہت اچھا۔۔۔۔۔ یہ سب میں نے اس لیے بھی کہا ہے کہ طاؤس خان جو دوبارہ کے معاملے میں بہت سخت ہیں، ان کے خیال میں دوبارہ کے قریب رہنے والی ہر شخصیت میں اعلیٰ اخلاق، بہترین تعلیم، تہذیب اور تجربہ ہونا لازمی امر ہے۔ آپ سے امید ہے کہ آپ ان اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھیں گی۔

جی۔۔۔۔۔ ضرور۔۔۔ ماروی نے آہستہ سے جواب دیا۔

تو پھر آپ اپنا سامان آج ہی یہاں لے آئیں اور مجھے وقت بتا دیجئے کہ آپ کب تک یہاں پہنچیں گی؟ انہوں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

میرا خیال ہے میں دو پہر میں تین یا چار بجے کے درمیان یہاں پہنچ جاؤں گی، وہ کرسی چھوڑتی ہوئی بولی۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ماشی صاحب بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے

اب میں چلتی ہوں۔

جی بہتر۔

ماروی وہاں سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس نوکری کے مل جانے پر وہ خوش تھی۔ مگر اسے حیرت بھی تھی۔ وہ اتنی خوش قسمت تو کبھی نہ تھی کہ کسی چیز کی خواہش کرتی اور وہ اٹھل جاتی۔ جانے کس خوش قسمت کا سایہ پڑ گیا تھا نہ جانے صبح کس بخش بخت کا چہرہ دیکھ آئی تھی جو اس کی مشکل حل ہونے کا سبب بن گئی تھی۔

بہادر خان سے بچنا اس قدر آسان تو نہ تھا آخر وہ کب تک ہاسٹل میں قید رہ سکتی تھی۔ اس کے لیے تو ہاسٹل کے قریب نظر آنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ جانے کب بہادر خان اسے ڈھونڈ لیتا۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اسے زیادہ دن ہاسٹل میں نہیں بیٹھنا پڑا تھا۔ ورنہ کئی طرح کی فکریں اسے آگھیر تیں۔ ہاسٹل کے اخراجات کے لیے جو رقم ملک دار صاحب نے جمع کروائی تھی۔ وہ مزید چند ماہ چل سکتی تھی۔ مگر ماروی کو وارانہ تھا کہ اب وہ بارہ ملک دار کی اس طرح کی مدد کریں۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر جینا چاہتی تھی۔

وہ یہ کہہ کر ایسا ہی وسیلہ بن گئی تھی جس کے لیے اسے کسی سفارش کی ضرورت بھی نہیں

پڑی تھی۔

انیتا بہتر ہے کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ۔۔۔۔۔ اب تھوڑا یہ ضد۔۔۔۔۔ ماروی جو ہاسٹل واپس آ چکی تھی اور کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے پیک کر رہی تھی پہلی بار انیتا سے دل کی بات کہہ بیٹھی۔

لے آئیں دل کی بات زبان پر۔۔۔۔۔ انیتا ہولے سے رسالے کے صفحات اٹتے ہوئے بولی۔

آخر برائی کیا ہے، تمہارا اپنا گھر ہے۔۔۔۔۔ کچھ نہیں تو ای کے گھر چلی جاؤ۔۔۔۔۔ اس طرح سب کے ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنا اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔ وہ بیک کی زپ بند کرتی ہوئی بولی۔

برائی نہ سہی اچھائی بھی تو کوئی نہیں۔۔۔۔۔ وہ اسی انداز میں بولی۔
بیٹی یاد نہیں آتی؟۔۔۔۔۔ ماروی اس کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔
بس وہی یاد آتی ہے۔۔۔۔۔ بہت چھوٹی ہے نا۔۔۔۔۔ اور اب تم بھی جارہی ہو۔۔۔۔۔ یہاں اکیلے میرا دل کیسے لگے گا۔۔۔۔۔ سوچتی ہوں چلی جاؤں۔۔۔۔۔ وہ سادگی سے بول اٹھی۔

بہت اچھا سوچ رہی ہو۔۔۔۔۔ ماروی جلدی سے بولی۔
کیا تم اب واپس نہیں آؤ گی؟ انیتا نے سوال کیا۔

آؤں گی۔۔۔۔۔ آخر تو واپس آنا ہے۔ کون کہاں کب تک رہ سکتا ہے۔ اس بات کا جواب تو کوئی نہیں دے سکتا۔ یہاں آئی تھی تو سوچا تھا شاید مگر یہی یہ ہاسٹل چھوٹے گا۔ مگر دیکھو کتنی جلدی دانہ دوکا اٹھ گیا۔ جہاں اب جارہی ہوں جانے کب وہ بھی نکال کھڑا کریں؟ مگر اتنا ضرور ہے کہ اس وقت ایسی نوکری میری ضرورت ہے۔۔۔۔۔ ماروی کے ذہن میں بہادر خان کا خیال لہرا گیا۔

ارے ہاں مجھے یاد آیا۔۔۔۔۔ کل تمہارا رزلٹ بھی آ رہا ہے۔۔۔۔۔ انیتا نے خبر دی۔
کیا واقعی ماروی خوشی سے اچھل کر بولی۔
ہاں میں نے آج ہی اخبار میں پڑھا ہے۔ خدا کرے تم پاس ہو جاؤ۔۔۔۔۔

سیم اور تہذیب ہونا لازمی امر ہے۔ شاید اسی اصول کے تحت ماروی کو اتنی عزت دی جا رہی تھی مگر اب ماروی کو ان اصولوں پر پورا بھی اترنا تھا۔

اب تک ماروی نے اس گھر کا جتنا بھی حصہ دیکھا تھا اس سے صرف امارات کا رعب ہی ظاہر نہیں تھا بلکہ ایک ایک کونے سے کسی کے مخصوص لگاؤ کی مہک بھی آ رہی تھی لگتا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے گوشے پر بھی مخصوص دھیان دیا گیا ہو۔ مغلیہ طرز کی آرائش کو جدید سوچ نے جس فن کا عملی جامہ پہنایا تھا اس سے یہ چھوٹا سا محل عجیب سی تمکنت اور غرور کے ساتھ اپنی جگہ لگتا تھا اونچے اور وسیع برآمدوں سے گزرتے وقت اردی کو ایک بل میں ڈر سا بھی لگا۔ جاننے کیوں اس عالی شان عمارت میں تہہ شمار لوگوں کے ہوتے ہوئے اتنی رونق نہ تھی۔ پتہ نہیں یہ بات صرف ماروی نے محسوس کی تھی یا سچ تھی کہ اس درود یوار پر عجیب سی اداسی نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ نوکروں کی فوج سے لے کر ذرا یور تک خاصوش اور چپ تھے شاید کوئی ہنستا ہوگا تو ان درود یوار کو کچھ سکون آتا ہوگا ورنہ تو اس قدر خاموشی میں جانے یہ بچی کیسے رہ رہی تھی۔

ماروی کو غصہ بھی آتا کہ جانے کیوں لوگ اتنی دولت تو خرچ کر دیتے ہیں کہ دیکھنے والے پر اپنی امارات کا دبدبہ بٹھاسکیں مگر سکھ، خوشی اور اطمینان کے لیے ان کی دولت کم پڑ جاتی ہے یا پھر انکاری ہو جاتی ہے سچ ہی تو ہے دولت سے اگر مسکراہٹ، خود بینی جا سکتی تو غریب انسان سے اس کا یہ ازلی سکھ بھی پھین لیا گیا ہوتا۔

ماروی نے نہانے کے بعد کپڑے تبدیل کیے سفید اور سبز سوٹ بڑا سا سفید و پٹہ اوڑھے اس کا چاندھا چہرہ اس گھر کی عالی شان چیزوں کو اور اس محل کو بھی مات کر رہا تھا۔ آج پہلی بار ماروی نے اس سفید بھینجی ہوئی نیلم کی دھانکٹھی پہنی جو درحقیقت ماروی نے ہی پسند کی تھی۔ بس ایک وہی تو اس دنیا میں ماروی کا چاہنے والا تھا بھلا ماروی کے دل میں اس کی قدر کیوں نہ ہوتی۔ ماروی ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ باہر نکل کر ہاشمی صاحب کا پتہ کرے اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور دوبارہ یہ اجازت طلب کرتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

”آؤنا“ ماروی مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

ذو باریہ کے ساتھ ہی ہاشمی صاحب اور ذو باریہ کی آیا بھی اندر داخل ہو گئے۔
ذو باریہ بلیک جیمز اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھی سیاہ چمک دار اور خوب صورت
بال اس کی سیاہ آنکھوں کے ساتھ سرخ و سفید چہرے پر بڑے بھلے لگ رہے تھے۔
دیکم ہیڈم۔۔۔۔۔ ذو باریہ مسکراتے ہوئے بولی۔

تھینک یو۔۔۔ آیا آپ بھی جاؤ۔۔۔ ذوباریہ دھیمے لہجے میں بولی تو ہاشمی صاحب اور آیا واپس مڑ گئے۔ ذوباریہ اور ماروی اطمینان سے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟ ذوباریہ نے بولنے میں پہل کی۔ اسی شہر ہے۔۔۔ ماروی نے مسکرا کر جواب دیا۔

آپ مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔ ویسے بھی آکا میری پسند کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ میں نے فون پر انہیں بتا دیا کہ میں نے اپنی پسند کی ٹیچر ڈھونڈ لی ہے۔ آپ کو پتہ ہے انہیں مجھ سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ میں آیا اور ٹیچر کا کہنا نہیں مانتی۔۔۔ مگر اب میں نے آکا کو کہہ دیا ہے کہ اب میں اپنی ان ٹیچر کا کہنا ضرور مانوں گی۔۔۔

ذو بار یہ دلچسپی سے بول رہی تھی۔

یہ آ کا کون ہیں؟۔۔۔۔۔ ماروی نے انہماں لہجے میں سوال کیا۔

آ۔ کا۔۔۔ میرے آ۔ کا۔۔۔ ذو بار یہ پھر بولی۔

تبہارے کون ہیں وہ؟۔۔۔ ماروی نے پھر سوال کیا۔

میرے بھائی ہیں۔۔۔ طاؤس خان۔۔۔ کیا آپ ٹی زیڈ کے "ٹی" کو نہیں جانتیں؟۔۔۔ ذوبارہ نے پھر حیرت سے سوال کیا۔

فی الحال تو میں ابھی آئی ہوں اس لئے نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ماروی نے دھمکے لہجے میں جواب دیا۔

”اوہ ہو“۔۔۔۔۔ ذوباریہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا تو ماروی کو اس بل بہت اچھی لگی۔

ماروی نے مسکرا کر پوچھا ”اب کیا ہوا؟“

”آ کا بالکل ٹھیک کہتے ہیں مجھے واقعی ایک اچھی ٹیچر کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔“

آپ ابھی آئی ہیں اور مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آپ یہ سب نہیں جانتیں۔۔۔ دیسے میں بتا دیتی ہوں۔۔۔ ٹی زیڈ اینڈ سٹریز کے ”ٹی“ ہیں میرے بھائی جان طاؤس خان اور ”زیڈ“ ہوں میں یعنی ذوباریہ خان۔۔۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

اچھا اب آپ انھیں۔۔۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”کہاں؟“۔۔۔ ماروی نے سوال کیا۔

آپ کو اپنا گھر دکھاتی ہوں اور سب لوگوں سے ملواتی ہوں۔۔۔ یعنی ہیڈ کک

سے لے کر مالی باہانک۔۔۔ آپ کو سب کو جاننا چاہیے نا۔۔۔ وہ معصومیت سے بولی۔

اچھا۔۔۔ چلو۔۔۔ ماروی کھڑی ہو گئی۔ کمرے سے نکل کر وہ اسے گھر کا

ایک ایک گوشہ دکھانے میں مصروف تھی۔ جو جگہ باہر سے شہر کی عمارت کا نمونہ

تھی۔ اندر سے وہ ایک جدید طرز کے حسین انتخاب سے کم نہ تھا۔ پچھلی طرف نوکروں کے

کو اڑھنے تھے۔ بے شمار لوگ اسے نظر آئے جو اس عمارت سے وابستہ تھے۔ مگر حیرت تھی

کہ محض دو افراد کے لیے اتنے لوگ گردان تھے۔ ماروی کو اس خوب صورت جگہ کو دیکھتے

ہوئے اب بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی دیا کہیں بجھا ہوا ضرور تھا کوئی اداسی فریم سے ضرور

جھانک رہی تھی۔ ماروی کے ذہن میں یہ اداسی کھٹک رہی تھی اتنا سب، ہونے کے باوجود

زندگی کی جھنکار اسے کہیں سنائی نہ دی تھی۔ جو تھوڑی بہت معلومات ذوباریہ نے اسے ایسی

بہم پہنچائی تھی وہ یہ تھی کہ ان کے والدین مر چکے ہیں اور ذوباریہ طاؤس خان کی اکلوتی

بہن ہے دور یا قہر ب کے سبھی رشتے دار ملک سے باہر رہتے ہیں۔ ذوباریہ ماروی کو اپنے

کمرے میں لے آئی۔ جو اس کی Nature کے مطابق نہایت نفاست سے بنا ہوا تھا۔

ذوباریہ۔۔۔۔۔ ماروی نے سوال کرنے کے لیے منہ کھولا۔

نہیں میڈم۔۔۔ وہ تیزی سے بول اٹھی۔

کیا ہوا۔۔۔۔۔ ماروی نے بھی اسی سرگمت سے سوال کیا۔

ذوباریہ نہیں بلکہ ذوبا۔۔۔ وہ ماروی کے برابر بیٹھتی ہوئی بولی۔

ذوبا۔۔۔ ماروی نے سمجھتے ہوئے نام دوبارہ دہرایا۔

آ کا بھائی اور اتا نے مجھے ذوبا ہی کہا ہے جب کہ آپ کو پتہ ہے میرا نام برادر

یہ اتا اور برادر کون ہیں؟۔۔۔۔۔ ماروی نے پھر سوال کیا۔

اتا۔۔۔۔۔ طہماس بھائی۔۔۔۔۔ ذوبار یہ نے نام لیا تو اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

وہ مجھے پیار کرتے تھے۔۔۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔۔۔ ذوبار یہ رک گئی۔

کہاں ہیں وہ۔۔۔۔۔ کیا کہیں چلے گئے ہیں۔۔۔۔۔ ماروی نے سوال کیا۔

ہاں۔۔۔۔۔ اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔ پورا ایک سال ہو گیا ہے۔ پچھلے

ماہ ہی تو ان کی برسی تھی۔ وہ آکا سے دو سال بڑے تھے۔ اس گھر کے سب سے بڑے

بیٹے وہ آہستہ آہستہ سر جھکا کر بول رہی تھی۔

ادہ۔۔۔۔۔ ویری سیڈ۔۔۔۔۔ ماروی کو اس گھر کے درود یوار سے جھاگتی ہوئی

اداسی کی وجہ پتہ چل گئی کون سا دیا بجھا ہوا تھا وہ جان بھی تھی جس گھر نے جوان موت کو

آنکھوں سے دیکھا ہو وہ گھر بھلا زندگی کی جھنکار کیسے بنا سکتا تھا۔

کیسے ہوا یہ سب؟۔۔۔۔۔ ماروی نے دھیسے سے سوال کیا۔

زیادہ تو نہیں جانتی بس اتنا پتہ ہے کہ انہوں نے نیند کی بہت ساری گولیاں کھالی

تھیں پتہ نہیں کیوں؟۔۔۔۔۔ وہ تو بہت زندہ دل تھے ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔ ان کی

شادی کو صرف تین ماہ تو ہوئے تھے۔ مگر آکا مجھے پوری بات نہیں بتاتے لیکن میں آپ کو

بتاؤں کہ مجھے ایک بات بہت اچھی طرح پتہ ہے۔۔۔۔۔ وہ تیزی سے ماروی کی طرف

دیکھ کر بولی۔

کیا؟ ماروی نے سوال کیا۔

وہ جواتا کی بیوی نہیں تا۔۔۔۔۔ بیلا بھابھی۔۔۔۔۔ وہ اچھی بھابھی نہیں تھیں۔۔۔۔۔

وہ معصومیت سے بولی اس کی آنکھوں کو گوشے نم ہو چکے تھے۔

نہیں ذوبا۔۔۔۔۔ رونا نہیں۔۔۔۔۔ اس طرح جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے

۔۔۔۔۔ ماروی نے یہ لفظ کہہ تو دیے مگر اسے آج احساس ہو رہا تھا کہ تسلی دینا جتنا آسان کام

ہوتا ہے اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔

ذوبار یہ کی ان باتوں سے ماروی کو ایک بات کا احساس ہو گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ یہ

ہاں اس اتنے بڑے گھر میں رہتے ہوئے جی اور اتنے لولوں کی موجودگی میں بھی تنہائی کا
 شکار تھی۔ اسے ایک نیچر ایک گورنس یا آیا سے زیادہ ایک دوست ایک ایسے اپنے کی تلاش
 تھی جس سے وہ اپنے دل کی ہر معصوم خواہش اور بات کا ذکر کر سکے۔ جس بچی نے ماں کی
 شکل نہ دیکھی ہو بہن کی چاہت کے لمس کو نہ چھوا ہو جس کا اکلوتا بھائی اپنے کاروبار میں
 مصروف رہ کر اسے نظر انداز کر رہا ہو اسے ایک ایسے ساتھی کی ہی ضرورت تھی جو اسے اس
 کی ذات سے نکل کر اور اصولوں کی دنیا سے باہر لا کر ایک ملائم اور بے ضرر زندگی سے ملوا
 سکے۔ ان تھوڑے سے لمحوں میں جب سے وہ دوبارہ کے ساتھ تھی اس نے اس بہت
 بڑی بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اسے ذوبا کی تربیت سے زیادہ اس کی تنہائی دور کرنے کے
 لیے رکھا گیا ہے۔

میں روتی نہیں ہوں میڈم۔۔۔ مجھے آکا اور بگ برادر سے قسم دے رکھی ہے کہ میں
 روؤں گی نہیں۔۔۔ ذوبائے اپنی نم آنکھیں اپنے ہاتھوں سے رگڑ کر مارونی کو جواب دیا۔
 اس لمحے ماروی کو وہ چھوٹی سی لڑکی قد میں بہت بڑی لگی۔ جو اتنے عزم اور ہمت
 سے وعدے کو نبھا رہی تھی۔ ماروی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

اور یہ برادر کون ہیں؟

بول بھائی۔۔۔ آکا اور اتا کے بچپن کے اکلوتے اور سب سے اچھے دوست ہیں۔
 ذوبائے بتایا اور پھر بولی، تھوڑا سا رہ گیا ہے اس طرف آکا کا کمرہ ہے اور اس
 طرف میرا پسندیدہ لان بھی ہے۔۔۔۔۔ چلیں؟
 چلو۔۔۔ ماروی نے ننھا کو خوشگوار بناتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

وہ دونوں کافی لمبی راہداری میں سے چلتی ہوئی ذوباد یہ کے پسندیدہ لان کی
 طرف جا رہی تھیں۔ شام پڑ چکی تھی۔ اندھیرے نے دھرتی پر راج کرنا شروع نہیں کیا
 تھا۔ سورج بھی نیند کی گہری وادیوں کی طرف اتر رہا تھا۔ موسم میں عجیب سی ٹھنڈک اور
 اس گھر میں پر اسرار سی خاموشی تھی۔ اس لمحے ماروی نے اپنی وادی کو شیت سے یاد کیا
 جہاں کوئی انسان نہ بھی نظر آئے مگر وہ ہمیشہ پر رونق اور ہری بھری رہتی ہے۔ لیکن اس گھر
 میں اسے بہت سے انسان نظر آئے مگر سکون کا موتی نہ تو ذوباد یہ کی آنکھوں میں چمک رہا

کی سیاہی کی طرح اپنی طرف کھینچتی ہوئی ماروی کو وقت رکھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دوبارہ کے ساتھ واپس پلٹنا چاہتی تھی مگر نہ جانے کس احساس کے تحت وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ زندگی نے جس کنول کے پھول کو دیکھنے کی خواہش کی تھی وہ اس کے سامنے موجود تھا جس کوہ نور کے لیے شاید وہ جنگل جنگل بھٹکتی مگر نہ مل سکتا۔ اس گھر کے اس کمرے کی ایک دیوار میں قید اسے مل گیا تھا۔ اس کے انداز میں بادشاہوں جیسی شان و شوکت تھی۔ روشن پیشانی اور کشادہ بازوؤں میں عجیب سا احساس تحفظ جھلک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک ماروی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی جس کے بارے میں کہہ سکتے تھے کہ قدرت نے اسے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہوگا تو بے جا نہ تھا۔ تبھی تو ماروی ایک نلکے سے دیکھتی چلی گئی وہ ماروی کے حسن دل پسند میں ایک بے لیمہ کے ہزارویں حصے میں اترتا چلا گیا۔ وہ کون تھا؟ کیا طہاس چھوڑ چکا تھا؟ یا پھر طاؤس یا پھر کوئی اور؟۔۔۔ مگر وہ جو کوئی بھی تھا ماروی نے ایک مل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے وہ بادشاہ وقت کیوں نہ ہو وہ اس سے ایک بار ضرور ملے گی۔ اس حسین تصور کو چلتا پھرتا ضرور دیکھئے گی اور اگر وہ طہاس ہو تو بال بکھیر کر ماتم بھی ضرور کر لے گی کہ اس کی ملاقات اس سے کیوں نہ ہو سکتی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ آج سے پہلے ماروی نے ایسا حسن کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی وادی تو حسین چہروں سے بھری پڑی تھی۔ مگر ماروی کو اپنی زندگی میں پہلی نظر میں کوئی اتنا نہیں بھایا تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر ماروی کو اپنی وادی کی وہ کافی باتیں یاد آ گئیں جن کا ہمیشہ ایک حسن ہوتا تھا جن راتوں سے ماروی کو عشق تھا۔

وہ پہلی نظر میں اسے راجہ اندر جیسی شان والا بادشاہ لگا تھا شاید اسے کل بکاؤلی نظر آ گیا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس پھول کو تھام لیتی۔ دل میں ہزار طرح کے دوسوے جاگ اٹھے۔ کئی خیالات نے اس کی سوچ کی خدمت کی۔ وہ بھی بھلا کہا۔۔۔ یہ لگی تھی۔ راجہ اندر کی سبھا میں ماروی جیسی نوکرانوں کی جگہ ہمیشہ اس کے رہنے سے بہت رہی ہے۔ یہ احساس ماروی کو بہت اچھی طرح تھا۔

یاگل سوہنو

-- تحریر محمد شفیق -- سواوہ -- ضلع جہلم --

□ عقاب تیزی سے ایک طرف ہواڑ نے لگا سوہنو بھی تیزی سے ایک طرف اس کے پیچھے بھاگنے لگا تھا تھوڑی دیر میں وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے عقاب ایک بڑے پہاڑ کے سامنے رک گیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا سوہنو یہی ہے وہ پہاڑ جس میں اس بلانے آدمی غائب کیے تھے سوہنو یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھا اس پہاڑ کے قریب جا کر اس نے تلوار نکالی اور پوری قوت سے پہاڑ پر دے ماری اس کی تلوار تیزی سے نکل گئی سوہنو نے محسوس کیا کہ اس کی تلوار کسی بھی پتھر سے نہیں ٹکرائی اچانک کچھ سوچ کر اس نے آنکھیں بند کی اور پہاڑ میں زور سے ٹکرائی سوہنو نے محسوس کیا جیسے وہ پہاڑ سے ٹکرانے کے بجائے کسی کھائی میں گر پڑا ہو تھوڑی دیر کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا جب سوہنو کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک سرسبز باغ میں پایا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس جگہ آ پہنچا ہے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ جادوگر کے ظلم میں مبتلا ہے یہ سوچ کر وہ ایک طرف کوچل پڑا تا کہ جادو کو تلاش کر سکے۔ اچانک اس کے سامنے ایک بہت بڑا جنم آ گیا اس کے ہاتھ میں تلوار بھی سوہنو نے بھی میان سے طلسمی تلوار نکالی اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا جنم نے زبردستی وار کیا سوہنو نے وار تلوار سے روکا اور بول دونوں نے خونی جنگ شروع کر دی آخر سوہنو نے ایک بھاری وار کر کے جنم کی گردن تن سے جدا کر دی۔ ایک خوفناک کہانی۔

اگر اس معصوم کی جگہ وہ خود ہوتے تو کیا حال ہو خدا کے لیے کیا مشکل ہے وہ ہر آلے کام کو سیدھا کر سکتا ہے۔ ہمہ حال کسی یاگل مست کو دیکھ کر اس کے پیچھے آوازیں نہیں لگائی جائیں بلکہ وہ تو مست مولا ہوتا ہے اگر اسے پیار کریں گے تو وہ بھی سب سے پیار سے پیش آئے گا اور اگر نفرت کریں گے تو گالیاں دی دے گا وہ مست مولا شہر کے لوگوں کے ظلم سے تنگ آ کر اس شہر سے چلا گیا تھا وہ جنگل کی طرف چل پڑا جو شہر سے تھوڑی دور ہی تھا جنگل کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں بدروحیں رہتی ہیں لیکن اس مست مولا کے دل میں کوئی خوف نہیں تھا اللہ لوگ کو کیا پتہ تھا کہ بدروحیں کیا ہوتی ہیں۔ ابھی اسے جنگل میں پہنچے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی

ایک نوجوان گلی میں بھاگا جا رہا تھا کہ اس کے پیچھے بھنے ہوئے تھے پیروں میں بھی جوتی نہیں تھی غلطی سے یہ یاگل لگ رہا تھا اس کے پیچھے بہت سے بچے لگے ہوئے تھے یہ واقعی یاگل تھا بچے اس کو پیچھے سوہنو یاگل سوہنو یاگل کی زور زور سے آوازیں لگا رہے تھے۔

جنگل میں موجود لوگ اس یاگل کو اسی طرح بھاگتا دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے جبکہ وہ یاگل جواب نہیں گالیاں دے رہا تھا لوگ اس کی ان گالیوں کو سن کر اسے چیخ رہے تھے وہ معصوم اسی طرح ہی بھاگتا ہوا شہر سے دور نکل گیا یہ بچے اسے کافی دور تک چھوڑ کر واپس آ گئے یہ ہے آج کی دنیا جو مست معصوم لوگوں کو اس طرح تنگ کرتی ہے وہ یہ نہیں سوچتی کہ

کہ اچانک بارش شروع ہو گئی وہ ایک لمحے درخت کے نیچے بارش سے بچنے کے لیے بیٹھ گیا تا جانے اس کے دل میں کیا بات آئی اس نے اپنے ہاتھ باندھے اور خدا سے مخاطب ہو کر دعا کرنے لگا۔

اے میرے معبود کیا میں ہمیشہ اسی طرح ہی لوگوں کا مرکز بن رہا ہوں گا کیا مجھ سے محبت کرنے والا تیرے جہاں میں کوئی نہیں اسے میرے خدا میں اب یہ ظلم اور برداشت نہیں کر سکتا یا تو مجھے اپنے پاس بلا لے اور یا ایسی طاقت دے دو کہ میں ہمیشہ کے لیے اس دنیا کی محبتوں کا مرکز بن جاؤں میرے خدا میری دعا قبول کر لے اگر دنیا ہے تو عزت کی زندگی دے میں اس ذلت کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں میرے خدا مجھ پر رحم کر۔

سوہنو پاگل اتنا کہ غم خدا کے حضور سجدہ میں جھک گیا اور اس کا پاس دعا جانے عرش کا ہلا کر رکھ دیا خدا کو اس پر رحم آگیا اور اس کی دعا قبول ہو گئی اچانک زوردار بجلی کڑکی اور سوہنوں پاگل پر آگری اور سوہنوں پاگل کے جسم کو آگ لگ گئی وہ اس آگ کی وجہ سے بالکل بھی نہ بچا بلکہ اسی طرح ہی سجدے میں گر رہا اس آگ کی وجہ سے ہر طرف دھواں ہی دھواں ہو گیا جب یہ دھواں چھٹا تو بارش بھی بند ہو گئی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے ہوا مر چکا ہے کیونکہ وہ ابھی تک سجدے میں تھا۔

اچانک غیب سے آواز آئی سوہنو خدا نے تیری دعا قبول کر لی ہے اور تجھے ایسی طاقت سے نواز ہے کہ تیرے مقابلے کا اس دنیا میں کوئی نہیں یہ طاقت خدا کی نعمت ہے تو اسے بھی اپنے لیے استعمال نہ کرنا بلکہ خدا کی مخلوق کا محافظ بننا سوہنو اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر جیوانے سجدے سے اٹھ کر اس کی دونوں آنکھیں ابھی تک بند تھیں یونہی اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اس کے ہاتھ میں ایک چمکدار طلسمی تلوار آگئی جبکہ دوسرے ہاتھ پر ایک عقاب آبیضا تھا غیب

سے آواز آئی سوہنو یہ خدا کا تحفہ ہے یہ طلسمی تلوار میری حفاظت کرے گی جبکہ عقاب تجھے دنیا سے باخبر رکھے گا آنکھیں کھول اور چل اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ کر دے سوہنو نے یونہی آنکھیں کھولیں وہ حیران رہ گیا کیونکہ نہ صرف خدا نے اس کو یہ دو تحفے دیئے تھے بلکہ اسے ایک طاقت جسم کا مالک بھی بنا دیا تھا۔ اس کا پاگل پن بھی دور ہو چکا تھا وہ اب اس جنگل میں ہی رہنے لگا۔ ایک دن سوہنو نے سوچا کہ شہر جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہئے دن رات سفر کرتے ہوئے سوہنو ایک شہر میں جا پہنچا جہاں دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان بھی نہ تھا شہر کی گلیاں اور سڑکیں اسی طرح ہی تھی جیسے یہاں ابھی کسی نے صاف کیا ہو مکان بھی باہر سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آباد ہی نہ ہوں لیکن ان میں کوئی بھی نہیں تھا۔

سوہنو یہ صورت حال دیکھ کر پریشان ہو ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس خوبصورت شہر کے ہاں کہاں گئے ہیں وہ ابھی اسی پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا کہ اسے دور ایک بوڑھا آدمی دکھائی دیا وہ حیرتی سی اس کی طرف بڑھا اور پوچھا باباجی اس شہر کے رہنے والے کہاں گئے ہیں۔

بیٹا اس شہر کو نہ جانے کسی کی نظر لگ گئی ہے ہم لوگ پہلے یہاں خوش رہتے تھے ایک دن ایک بلا اس شہر میں آئی اور بہت لوگوں کو اٹھا کر لے گئی وہ بلا ایسی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی پہلے تو ہمارے دلوں میں عجیب خیال تھے لیکن بعد میں یہ حقیقت کھل گئی وہ نظر نہ آنے والی بلا کسی جادوگر نے اس شہر میں بھیجی تھی اس جادوگر نے آہستہ آہستہ تمام شہر کے لوگوں کو اغوا کر لیا اور ان انجوا ہونے والوں کا کچھ پتہ نہیں تھی کہ جادوگر انہیں کہاں لے گیا اور ان کا کیا حشر کیا معلوم نہیں وہ لوگ زندہ بھی ہیں یا نہیں اس جادوگر انہیں ہلاک کر دیا یا پھر پتہ نہیں۔

بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے سوہنو

پاگل نے جو یہ حقیقت سنی تو اس کے تمام جسم میں ایک عجیب سے سنسناہٹ ہوئی اس نے بوڑھے سے جادوگر کا پتہ جاننا چاہا لیکن اسے اور کچھ علم نہ تھا سوہنو نے دل میں عہد کیا کہ وہ اس جادوگر کا خاتمہ نہیں کر لیتا سکون سے بیٹھے گا اس نے عقاب کو جادوگر کی تلاش میں بھیج دیا اور خود بھی اسے تلاش کرنے نکل پڑا اس کی دن اسی طرح اس گزر گئے مگر اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی عقاب روزانہ آکر اسے ملتا سوہنو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح جادوگر تک پہنچے ایک دن عقاب جیوانے کو اطلاع دی کہ دوسرے شہر سے بھی کئی لوگ غائب ہیں جیوا تیزی سے اس شہر کی جانب چل پڑا جہاں سے لوگ غائب ہو گئے تھے اس شہر میں پہنچ کر جیوانے لوگوں سے اس بلا کے متعلق پوچھا لیکن کسی کو کچھ پتہ نہ تھا تمام لوگ اس بلا کے خوف سے سنبھے ہوئے تھے سوہنو نے اس شہر کی نگرانی شروع کر دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ بلا ضرور دوبارہ آئے گی۔

کئی دن گزر گئے لیکن وہ بلا نہ آئی نہ ہی کوئی آدمی غائب نہ ہوا تھا سوہنو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے کسی طرح اس بلا تک پہنچے ایک صبح اسے پتہ چلا کہ رات پھر وہ بلا آئی تھی بہت سے آدمیوں کو اغوا کر کے لے گئی ہے اسے اپنے آپ پر بہت غصہ آ رہا تھا کیونکہ اس نے پہرے دار میں سستی کر دی تھی عقاب صبح زوری دیر بعد اس کے پاس پہنچ گیا سوہنو اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ ضرور کچھ خبر لائے گا کہ وہ دوست اس بلا کے متعلق کیا کچھ معلوم ہوا ہے مجھے اس بلا کا اس وقت علم ہوا جب وہ کئی آدمیوں کو اغوا کر لے جا رہی تھی میں نے بہتر یہی سمجھا کہ اسکا پیچھا کروں میں اس کا پیچھا کرتے ہوئے شہر سے دور پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا اس بلا نے تمام آدمیوں کو ایک پہاڑ میں دے مارا اور یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ تمام لوگ پہاڑ سے نکل کر گرنے کے بجائے اس

میں اندر ہی گئے ہیں عقاب نے اس بلا کے متعلق بتایا سوہنو نے جو یہ حقیقت سنی وہ بہت حیران پریشان ہوا اس نے عقاب سے کہا کہ وہ اسے اس جگہ لے چلے جہاں وہ طلسمی پہاڑ ہے۔

عقاب تیزی سے ایک طرف ہواڑ نے لگا سوہنو بھی تیزی سے ایک طرف اس کے پیچھے بھاگنے لگا تھا تھوڑی دیر میں وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ گئے عقاب ایک بڑے پہاڑ کے سامنے رک گیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا سوہنو یہی ہے وہ پہاڑ جس میں اس بلا نے آدمی غائب کیے تھے سوہنو یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھا اس پہاڑ کے قریب جا کر اس نے تلوار نکالی اور پوری قوت سے پہاڑ پر دے ماری اس کی تلوار تیزی سے نکل گئی سوہنو نے محسوس کیا کہ اس کی تلوار کسی بھی پتھر سے نہیں نکلرائی اچانک کچھ سوچ کر اس نے آنکھیں بند کر لی اور پہاڑ میں زور سے مگر ماری سوہنو نے محسوس کیا جیسے وہ پہاڑ سے نکلنے کے بجائے کسی کھائی میں گر پڑا تھوڑی دیر کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا جب سوہنو کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک سرسبز باغ میں پایا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس جگہ آ پہنچا ہے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ جادوگر کے طلسم میں پہنچ چکا ہے یہ سوچ کر وہ ایک طرف کو چل پڑا تا کہ جادوگر کو تلاش کر سکے۔ اچانک اس کے سامنے ایک بہت بڑا جن آ گیا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی سوہنو نے بھی میان سے طلسمی تلوار نکالی اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا جن نے زبردستی وار کیا سوہنو نے وار تلوار سے روکا اور یوں دونوں نے خونی جنگ شروع کر دی آخر سوہنو نے ایک بھاری وار کر کے جن کی گردن تن سے جدا کر دی اور سامنے ایک دیوار تھی سوہنو نے تلوار وار دیوار پر کیا اور ایک شکاف ہو گیا اس نے سامنے دیکھا تو وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچ گیا تھا اس کمرے میں ہر طرف ہی بہت آدمی بیٹھے ہوئے تھے لیکن سب کے

ہی اندھیرا پھیل گیا جب اندھیرا چھٹا تو سوہنو پہاڑی علاقے میں اس جگہ کھڑا تھا جہاں وہ پہاڑ میں داخل ہوا تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت تعداد میں لوگ جمع تھے سوہنو نے خدا کا شکر ادا کیا جو اس ظالم جادوگر کا خاتمہ ہوا ان تمام لوگوں نے سوہنو کا شکریہ ادا کیا یہ وہ لوگ تھے جو جادوگر کے جادو سے پتھر بنے ہوئے تھے وہ تمام اس جادوگر کی موت سے بہت خوش تھے سوہنو کا عقاب بھی اس کے پاس پہنچ گیا تھا سوہنو نے سب سے اجازت لی اور پھر سے انجانی منزل کی طرف چل پڑا۔ انعام۔

میری ساری زندگی
محبیوں کی تلاش میں گزری
اس راہ گز پر ہاتھ لہو لہاں
اور دھوڑ رہ رہ رہ رہ
یہ دکھ میں ہنس کر سہہ لیتا
اگر سچی محبتیں
اجنبی علمتوں کے مقام پر ملتی
دکھ یہ پہنچیں کہ محبتیں نہ ملیں
عالم یہ ہارشتوں نے اپنا مان کھو دیا

ناصر، سرگودھا

میں سوچتا ہوں
تیرا یہ محبت سے نہیں آتا
میرے غموں پہ اس ہوتا
میری خوشیوں میں شریک ہوتا
میں روٹھ جاؤں مجھے مٹاتا
نظر نہ آؤں بے سکون ہوتا
کہیں تیری عادت تو نہیں
میں شکی لڑکالف ایسا ہوں
کہ کہیں بھی تیری محبتوں میں
کبھی بھی کمی ہوئی

سب پتھر کے تھے سوہنو تیزی سے کمرے سے نکلا اور جادوگر کو تلاش کرنے لگا سوہنو نے اس جگہ موجود تمام کمرے دیکھ لیے لیکن اسے جادوگر کہیں دیکھا ہی نہیں دیا اچانک اس کے پیروں میں ایک زنجیر پڑ گئی اور اسے زمین میں کھینچنے لگی اس نے اپنے آپ کو زنجیر سے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا زمین کے نیچے ایک قید خانہ تھا وہ اس میں قید ہو گیا اس قید خانے میں ایک طرف سلاخیں لگی ہوئی تھیں سوہنو نے جب سامنے دیکھا اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی سامنے بہرام جادوگر آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھا تھا اس کے سامنے چھوٹے چھوٹے کئی چراغ جل رہے تھے ان چراغوں میں اوپر لٹکے ہوئے ایک آدمی کا خون قطرہ قطرہ کر کے ٹپک رہا تھا یہ منظر دکھ کر سوہنو غصے سے پاگل ہو گیا اس نے طلسمی تلواریں کے ایک ہی وار سے تمام سلاخوں کو کاٹ دیا اور قید سے باہر نکل آیا اس کے وہ بہرام جادوگر تک پہنچا ایک زوردار گھونسلے اس کے منہ پر پڑا اس نے اپنے ارد گرد دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا یہ صورت حال دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا اچانک ایک گھونسلے اور اس کے منہ پر لڑکھڑاتا ہوا پرا سوہنو مضبوطی سے اپنی تلوار کو تھام اس سے پہلے کہ وہ نیچے بلا اس پر کوئی وار کرے سوہنو نے پوری قوت سے چاروں طرف تلوار گھمائی اور ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور پھر سناٹا چھا گیا کہ ہلاک ہلاک ہو گئی ہے اس بلا کے ہلاک ہوتے ہی بہرام جادوگر کھڑا ہو گیا اس نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے غصے سے گرجتے ہوئے کہا اے بد بخت آدم زاد تو نے میرے طلسم کو توڑنے کی کوشش کی ہے اب میں تمہیں اس کی سزا دینے والا ہوں اسے دیکھ کر تمہاری روح بھی کانپ اٹھے گی یہ کہہ کر وہ اس کی طرف بڑھا اس سے پہلے کہ وہ سوہنو تک پہنچتا سوہنو نے ایک زبردست وار کر کے اس کے سر تن سے جدا کر دیا جادوگر کے ہلاک ہوتے ہی ہر طرف اندھیرا

محرم مجرم-----

”وہ صرف اپنے خدا سے مانگنا چاہتی تھی لیکن اس کے شوہر اور ساس نے اسے انسان سے مانگنے پر مجبور کر دیا۔۔۔۔۔“

اور ایک دن۔۔۔۔۔

ماں کی صرف ایک خواہش تھی کہ ان کے سونے آنگن میں بہو پھول کھلا دے اور یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی لیکن بہو مجبور تھی۔ سب ٹھیک تھا لیکن اللہ کے ہاں سے دیر تھی۔

یہ کام صرف اس خوبصورت کائنات کے مالک کا تھا کہ وہ اپنی اس حسین دنیا کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے گھر میں بھی تھوڑی سی رنگینی پیدا کر دے۔ اس آنگن کی الگنی پر سو کھنے کے لئے ننھی منی فراکیں، موزے اور کپڑے ہوں۔ برآمدے میں ٹوٹی چوڑیوں کے ٹکڑے ہوں۔ ہرے، لال اور اودے پیلے رنگین کپڑے۔

بھی ناوی اماں کو نظر کی کمزوری کے باعث کھلونوں پر سے پھسل کر ٹھوکر لگے وہ گرتے گرتے بچیں۔ اور کبھی ان کے پاک بستر پر گندے پیروں سمیت چڑھ جائے۔ کبھی کوئی ننھا منا وجود ان کا چشمہ توڑ ڈالے اور وہ کئی روز نیا چشمہ آنے تک اپنے بیٹے سے پیار بھرا شکوہ کرتیں رہیں۔

”ارے شاہد! میرا چشمہ تو بنالاجینا کتنے ہی روز گزر گئے تیرے صاحبزادے نے توڑ ڈالا تھا۔ قرآن پاک پڑھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔“

لیکن وہ لاکھ سوچتیں کوئی سراہا تھ ہی نہ آتا۔ بہو تھی تو اتنی فرمانبردار کہ اس سے ان کو کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ وہ خواہ مخواہ اس کے خلاف بات کر کے اپنے ایمان کو کیسے قینچی لگائیں۔ اور بیٹا تھا تو اس قدر سعادت



خوفناک ڈائجسٹ 163

مند کہ ضرورت کے اظہار کی نوبت ہی نہ آتی۔ پوچھ گچھ، دوادارو، پھل فروٹ، کپڑا اور خدمت گزاری میں دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے چکے تھے۔ لیکن کیا تھا کہ سونے آگن کو قلقاریوں کی ضرورت تھی۔

بھرپور اگھر تھا لیکن اتنا صاف ستھرا کہ کمرؤں سے صفائی کی مہک آتی تھی جو اماں جی کو ریڑھ کی ہڈی تک نمجند کر دیتی تھی۔ اور اماں کو ہول اٹھتے تھے۔

بہو کو اور کون سے کام ہیں۔ گھر کی دیکھ بھال اور تفریح۔

نوکر تھے تو ان کے ہاتھ چیزوں کو سنوارنے میں لگے رہتے تھے اور اماں بی کا دل چاہتا تھا۔

اس سجاوٹ کو کوئی بگاڑنے والا بھی تو ہو۔ مہینوں چیزیں ایک حالت میں پڑی رہتی تھیں۔ کوئی میزوں کے کپڑے کھینچ کر اوپر پڑی چیزیں تو لٹا ڈالنے والا نہ تھا۔ بہو کی سنگار میز۔ اپورنڈ خوشبوؤں سے اٹی رہتی لیکن وہی مخصوص خوشبو جو وہ تیار ہو کر نکلتی تو گھر میں پھیل جاتی۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ دن کے کسی حصے میں اچانک کوئی شیشی گری ہو تو خوشبو کے ساتھ تیز آوازوں اور بچے کے ساتھ ماں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آتی ہوں۔ رات بھر کبھی کسی کے کان دور ہوتا نہ پیٹ میں۔ سب کچھ سونا تھا۔

اماں تو وہ دادی تھیں جن کو بچے کھلانے کا شوق شاہد کے گود میں آتے ہی شروع ہو چکا تھا۔ لیکن شاہد نے اس مسئلے پر سوچنا بند کر دیا تھا۔ وہ ایک ہی ایک تو بیٹا تھا۔ لیکن اس کی سوچیں ماں سے تو مختلف تھیں۔ ماں کا تو یہ عالم انہوں نے جب بھی فقیر کو خیرات دی۔ ایک جیسے جملے پہ آمین کہا۔ ”بی بی! اللہ ایک سے شہر آباد ہو حیرا۔ سات پوتوں کا منہ دھلاؤ۔“ اور بی بی اللہ کے ہاں دن رات دعاؤں کا ذخیرہ کرتیں رہیں کہ امید پہ دنیا قائم ہے۔ وہ امیدیں باندھتی رہیں کبھی کسی کو خالی ہاتھ گھر سے نہ جانے دیا۔ مگر جب لوٹانے

کا وقت آیا تو اس خزانے میں سے واپسی کی کوئی امید نہ نظر آئی۔

پورے تیرہ برس بیت گئے۔ ان کو بہو بیٹے سے کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ حالانکہ لوگوں نے بہترے کان بھرے۔ لیکن وہ بیٹے سے مطالبہ نہ کر سکیں۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی بہو پڑھی لکھی ہے۔ وہ خود اپنے شوہر سے کہہ چکی ہے۔ کہ بے شک اسے اس کی دوسری شادی سے وہی دکھ ہوگا جو ایک عورت کو ہو سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کی دوسری شادی کے بعد اس کے پاس بھی نہیں رہے گی۔ کیونکہ وہ لاکھ بہادر ہو لیکن اتنی بھی نہیں کہ سو کن گوارا کر لے اس لئے کہ جب وہ خود یہ برداشت نہیں کر سکے گی کہ اس کا شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت کا ہو جائے تو دوسری عورت بھی سو کن کا وجود برداشت نہیں کر پائے گی۔ تو وہ جب اولاد کے لئے یہ قدم اٹھائے گا اس کا پہلا کام یہی ہوگا کہ وہ فوزیہ کو حلاق دے دے۔

لیکن شاہد فوزیہ کو طلاق نہیں دے سکتا تھا۔ یہ اس کے لئے ناممکن ترین تھا۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ فوزیہ اسے بہت پسند تھی وہ دل و جان سے اسے چاہتا تھا۔ وہ مرد تھا بچے کیلئے اس کا دل بھی ہمسکنا تھا لیکن بچے کے عوض وہ فوزیہ کو چھوڑ دے۔ یہ ہرگز ممکن نہ تھا۔ لہذا اس نے فوزیہ کے علاوہ سوچنا چھوڑ دیا تھا۔

اس روز بہت شدید بارش ہوئی تھی۔ چھاجوں پانی برساتا تھا۔ شاہد کہیں گیا ہوا تھا۔ اماں کے پیروں میں بہت درد تھا۔ ملازم اپنے بچوں کے ہمراہ کواٹروں میں رُکے ہوئے تھے۔

فوزیہ نے اپنی طویل و عریض بیدروم کے سامنے والی شیشے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے۔ اس کا دل بے طرح اداس تھا۔ گرم بستر میں ننھے منے گلابی ہاتھوں والے بچے کی طلب اسے تڑپا رہی تھی۔ اس کا شوہر اس کی سوچ پڑھ لیتا تھا اور ایسی تڑپ کاڑک اپنی مضبوط بانہوں کی طرف موڑ دیتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ

گھر پر موجود نہ تھا۔

پچھلے کئی روز سے وہ اپنی ماں کی طرف بھی نہیں جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ بیمار تھی اور بدن کے جوڑوں کا درد انہیں بہت بے بس کر چکا تھا۔

”شاہد! تمہیں اماں کا خیال رکھنا چاہیے۔“ موقع پا کر اس نے صاف دلی سے کہا۔

”ہاں مگر میرا دل نہیں چاہتا۔ اماں مجھے کچھ نہ کچھ بھی رہتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ ان۔۔۔ کو بچوں کی

ضرورت ہے۔

”تو؟“

”یہی کہ میں کسی کا بچہ گود لے لوں۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ فوزیہ اس پر نگاہ جما کر بولی۔

”میرا بچہ وہی ہوگا جو میری بیوی کی کوکھ سے جنم لے گا۔ مجھے وہ بچہ نہیں چاہیے جو مانگنے مانگنے کا

کہلائے۔“ اس کے لہجے میں چھپی اٹل حقیقت بڑی واضح تھی۔

”بے اولاد بچے گود لے ہی لیا کرتے ہیں۔“ اس کی بات نے اس کی دکھتی رنگ کو چھوا۔

پیشانی پر ان گنت شکنیں ڈال کر اس نے فوزیہ کی طرف دیکھا تو اس نے نگاہیں جھکا دیں۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ اماں کے مطالعے میں شدت آپکی تھی۔ بے زاری کے سائے

اتنے گہرے ہو گئے کہ درودیوار سے لپٹنے لگے۔ آخر جب ضبط کا یا رانہ رہا تو اماں خود ہی جوڑوں کا درد بھول

کر اس کے پاس آ گئیں۔

سیاہ اور پیلے پھولوں والا سوٹ پہنے۔ بالوں کو نئے انداز میں سنوارے ہاتھوں میں پرس اور گاڑی کی چابی تھامے وہ شاید کہیں جا رہی تھی۔ انہوں نے پہلی بار اس کو تنقیدی نظروں سے دیکھا رک رک کر بولیں۔

”بہو! تمہاری لاپرواہی دن بدن ہمارے درمیان اجنبیت کی دیوار کھڑی کر رہی ہے۔“ وہ اماں کے لہجے میں گھلی تلخی محسوس کئے بنانہ رہ سکی۔ اور نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔ حالانکہ وہ کہنے کو بہت کچھ کہہ سکتی تھی۔

”شاہد! کے دوسرے بھائی جو گئے نہ سہی لیکن آپ کی بہن کے بیٹے ہیں۔ ان کے گھر میں تو اولاد نہیں۔ لیکن وہ لوگ ہاتھ دھو کر تازیہ کے پیچھے نہیں پڑے ہوئے۔“

”بہو میرا کہنا مان لو۔ چھوڑو ان ڈاکٹروں کے چکر۔ کچھ اللہ رسول سے لو لگاؤ کچھ تعویذ دھاگا کراؤ۔ مجھے تو لگتا ہے کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔“

”اماں! مجھے نہیں تعویذ گنڈوں کا اعتبار۔ کون میرا ایذا دشمن ہوگا جو یہ چاہے گا کہ بچہ نہ ہو۔“ اس نے اماں کی طرف دیکھے بغیر کہا تو وہ چپ چاپ باہر چلی گئیں۔

چند روز اور چپ چاپ گزر گئے۔ وہ اماں سے کھنٹی کھنٹی سی رہنے لگی لیکن شاید اماں نے اس کی بہتری کا حل ڈھونڈ نکالا تھا۔

”بہو میں تم پر اپنا حق سمجھتی ہوں۔ اسی وجہ سے تمہیں کہتی ہوں۔“

”آپ کیا چاہتی ہیں ماں جی جو میرے اختیار میں ہوگا میں ضرور کروں گی“ وہ سنجیدہ تھی۔

”ایک بابا ہیں تم میرے ساتھ کے پاس چلو۔ زرینہ کی اماں بتا رہی تھی کہ وہ کوئی ایسے ویسے بندے

نہیں بس ہمارے تمہارے جیسے ہیں اور کوئی لالچ وغیرہ نہیں رکھتے۔ فی سبیل اللہ جو کچھ بھی ہو کرتے ہیں اور کئی عورتوں کی مراد پوری ہوئی ہے۔ میں چاہتی ہوں تم میرے ساتھ ان کے پاس چلو۔“

”لیکن ماں جی آپ کو علم ہے مجھے ان باتوں وغیرہ پر یقین نہیں۔ اور پھر ان کی جو کہانیاں زمانہ سناتا ہے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی صداقت ہو تو پھر عورت تو ماری گئی۔“

”ایک بار ہوا نے میں حرج ہی کیا ہے۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا شاید کوئی الحال نہ بتاتا۔“ اماں اس کے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کر کے بولیں۔

”ٹھیک ہے ماں جی! ایک بار تو میں آپ کے کہنے پر جا رہی ہوں لیکن اگر وہ آدمی مجھے اچھا نہ لگا تو میں دوبارہ نہیں جاؤں گی۔ یہ جس ابھی سے کہہ دیتی ہوں۔“

”تو ایک بار تو جا۔“ اماں پر امید تھیں۔

دوسرے روز جب صبح شاہد آفس چلا گیا تو اماں اپنے پروگرام کے مطابق کام کرنے والی زندگی کی ماں کے ساتھ فوزیہ کو لے کر چل دیں۔

”وہ بابا وغیرہ تو ہر گز نہ تھا۔ بلکہ اس نے صاف بتایا تھا کہ وہ ایک اچھی جاب پہ فائز ہے اور بانجھ عورتوں کے دکھ درد کرنے کے لئے تھوڑا سا ٹائم نکال کر وہ ان کو ضروری وظیفے بتاتا ہے۔ یا خود ان کے لئے چلہ کشی کرتا ہے اسے کوئی لالچ نہیں دھکتی انسانیت کے لئے اگر اس کے پاس کوئی آتا ہے تو وہ اس کی مدد کیلئے حاضر خدمت ہے۔“

فوزیہ بوسکی کی سفید چادر اوڑھے نظریں جھکائے چپ چاپ وہاں بیٹھی رہی زریہ کی ماں اور اماں

نے پوری کہانی سنائی اور باباجی سر ہلاتے رہے انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی فوزیہ کو نہیں دیکھا۔ لیکن فوزیہ نے انہیں ضرور دیکھا۔ وہ ان سے خاصی متاثر ہوئی۔ بڑی کم عمری میں وہ بڑے اونچے منصب پر تھے۔ سرخ و سفید بڑی بڑی آنکھیں اور جلالی صورت والے بزرگ نما انسان جن کا نام تو معلوم نہیں تھا۔ لیکن باباجی کہلاتے تھے جبکہ وہ باباجی ہرگز نہ دکھائی دیتے تھے۔ فوزیہ نے صرف ایک بار نگاہ بھر کر باباجی کو دیکھا اور ان کا ہر جواب دینے کیلئے ان کے قریب بیٹھ گئی۔

باباجی منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے رہے اور پھر بولے۔

”گھبرانے یا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ خاتون! آپ آئندہ اپنی بہو بن جائیں گی۔ بلکہ آپ خود آئیں اور مجھے آپ کو جو کچھ بھی دینا ہو گا دیتا رہوں گا۔ اگر آپ بھی نہ آسکیں تو اپنے صاحبزادے یعنی ان کے شوہر کو بھیج دیں۔ اللہ تعالیٰ کرم کرے گا۔“

فوزیہ نے گھبرا کر ساس کو دیکھا تو اماں نے فوراً کہہ دیا۔ ”میں خود ہی آ جایا کروں گی جی۔“

پھر فوزیہ چادر سنھالتی ہوئی ساس کے ساتھ باہر آ گئی اس کے بہت سارے شکوک اور خدشات بابا کو دیکھ کر ختم ہو گئے تھے اس کے ہاتھ میں وہ چند تعویذ تھے جو اسے صبح و شام پانی میں گھول کر پینا تھے۔ کچھ دم کی ہوئیں لالچیاں تھیں۔ اور بس۔

پتہ نہیں یہ اس کا خیال تھا یا تعویذ کا اثر تھا کہ پہلا تعویذ حلق سے اترتے ہی اسے اپنے اندر خوشگوار سی تبدیلی کا احساس ہوا۔ دن بھر وہ ہلکی پھلکی سی رہی۔ نہ سستی بھی نہ پڑمردگی اور نہ ہی اداسی کا نام و نشان تھا۔ بلکہ وہ سارا دن سرور سرور اور شگفتہ رہی۔

دوسرے اور تیسرے دن تو اس کے پورے ہر آپے پر ایسا نکھار اور دلکشی تھی کہ شاہد نے چونک کر اسے

دیکھا۔ ”کیا بات ہے فوزیہ! تم میں میں بہت نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔“

”اچھا۔“ وہ شوخی سے بولی۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کہا۔“

”کیوں کیا مجھ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے۔“ اس نے معنی خیز انداز میں فوزیہ کو دیکھا شاہد کے خیال

میں خوشخبری ہی ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آجکل ساس بہو کن چکروں میں پڑی ہیں۔

نوچندی کے پہلے ہفتے میں باباجی نے اماں کے ہاتھ کھلوا بھیجا کہ جو سے ضروری سوالات کرنے

ہیں لہذا اسے ایک بار لانا پڑے گا۔ فوزیہ پھر بگڑ بیٹھی۔ ماں جی۔ بے شک مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن تاجا

نے کیوں میرا اعتقاد نہیں ان باتوں پر میں صرف اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتی ہوں۔“

”یہ تو وہم ہے تیرا فوزیہ! ورنہ میں دیکھ رہی ہوں۔ بڑا قاعدہ ہوا ہے تجھے۔ دنوں میں تیرے چہرے

پر شادابی آگئی ہے۔ مجھے امید ہے۔ فوزیہ اگر تو نے مکمل علاج کروایا تو مولا پاک تیری گود ضرور بھر دے گا۔“

فوزیہ چپ کی چپ رہ گئی ساس کا اتنا بے پناہ اعتماد جھٹلانا اسے اچھا نہ لگا۔

جمعرات کو وہ اماں کے ہمراہ پھر گئی۔ باباجی نے ضروری سوالات پوچھ کر اسے کہا کہ وہ اگلی جمعرات

اس کے بت کے برابر دھاگے پر کچھ پڑھ کر دم کرے گی۔ لہذا اگلی جمعرات اسے پھر تکلیف کرنی پڑے

گی۔

”تکلیف کیسی حضور۔ ہم آنکھوں کے بل چل کر آئیں گے۔ اماں نے فراندلی کا مظاہرہ کیا۔

لیکن اگلی جمعرات کو وہ جانے کے لئے وہ ہرگز تیار نہ تھی۔ وہ اماں! میں نے کہا نا۔ میں اللہ کے سوا کسی سے اُمیدیں وابستہ رکھنا گناہ سمجھتی ہوں۔

”بیٹی۔ پیر فقیر خدا تو نہیں ہوتے۔ مگر خدا سے خدا ابھی نہیں ہوتے اور کوئی نہ کوئی وسیلہ ہوتا ہے۔“
 ”دیکھو ناں۔ اگر کہیں مقدمہ پھنس گیا ہے تو وکیل تو کرنا ہی پڑتا ہے تاکہ وہ اپنی اس قابلیت اور علم کی بدولت مشکل آسان کروادے جو اس کے برسوں کی محنت کے بعد حاصل کی۔ کسی اچھی چیز کے حاصل کرنے کیلئے وسیلہ بنانا پڑتا ہے۔ یہ لوگ مدتوں کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد خدا سے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ ہمیں جو دعاؤں کا طریقہ سیکھ نہیں ہوتا۔ اس تک پہنچا کر فیض پہنچاتے ہیں اور ان سے عالم کو فیض پہنچتی!“

اس کا دل چاہا کہے اماں! خداوند تعالیٰ سے زیادہ اپنے بندوں کو پیار کرنے والا کون ہے۔ ماں سات دفعہ پیار کرتی ہے تو وہ ذات پاک ستر دفعہ اپنی محبت کی برسات کرتا ہے اور پھر اس نے اپنے اور بندے کے درمیان رابطے کا وہ وسیلہ بنایا ہے کہ انسان کو کہیں نہیں جانا پڑتا۔ کسی کے گھٹنے نہیں چھونے پڑتے وہ تو شررگ کے قریب ہے۔ جب پکار دے اپنے سے قریب پاؤ گے اور پھر جو دکھ مجھے ہے۔ جو داغ میرے سینے پر ہے اس کی کسک اور درد سے بلک کر میں اپنے لئے پوری سچائی سے مانگوں گی۔ یا میری خاطر کوئی اور مانگے گا۔ اس کو کیا پتہ میں کون ہوں؟ وہ تو اپنے پاس اس دکھ میں آنے والی سینکڑوں عورتوں میں سے ایک سمجھے گا۔ اس کیلئے تو میرے درد کی حقیقت ثانوی ہوگی۔ اسے کیا علم کہ اپنے اپنے دکھوں کی صلیب اپنے اپنے کاندھوں پہ اٹھائے چلنے والوں کے راستوں کی دشواریاں کٹھنایان اور نشیب و فراز جدا ہوتے ہیں۔ کیوں

مجھے میرے اعتقاد سے ہٹانا چاہتی ہو، لیکن وہ کچھ نہ بول سکی۔ لیکن اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ شاید کو ضرور بتائے گی۔ وہ اس سے ہرگز نہیں چھپائیگی۔ ایسے لوگوں کی کہانیاں اس کو بے شک از بر تھیں۔ اور وہ جہالت کے ہاتھوں ماری جانے والی عورتوں کی داستانیں سن سن کر کانپ اٹھتی تھی جو ضمیر کے کٹھنوں میں ساری زندگی مجرم بن کر رہ جاتی تھیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اگر شاہد اسے اجازت دے گا تو وہ جائے گی ورنہ نہیں۔

اس روز بدھ کی تیرہ اور نوچندی کا دوسرا ہفتہ تھا۔ اگلے روز جمعرات کا تھا اور اماں کے کہنے کے مطابق آج اس کے بت کے برابر اس شخص نے عمل کرنا تھا۔ جس کے بعد قدرت اسے گوہر مقصود عطا کرنے والا تھا۔ وہ سوچوں میں گم تھی۔ اور بہت دیر سے شاہد اس کے ڈانواں ڈول سوچوں میں گھولے وجود کو محسوس کر رہا تھا۔

”فوزیہ!“

”جی وہ چوبک پڑی۔“

”خیریت؟“

”ہاں“

”پھر بھی؟“

”ایک الجھن ہے تو۔“

”تو بتاؤ کیا بات ہے؟“

”اماں مجھے ایک پیر کے پاس لے کر جاتی ہیں۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہ مجھے پسند نہیں۔“

”تو نہ جاؤ۔“

”تمہیں برا نہیں لگا؟“

’اس میں برا لگنے والی کون سی بات ہے؟‘ وہ ماں ہیں میری انہیں دادی کہلانے کا شوق ہے۔ اس

بے ضرر شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر اگر وہ بہل رہی ہیں تو کیا مضائقہ ہے؟“

”لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”کبھی کبھی انسان کو اپنی مرضی کے خلاف بھی کچھ کر لینا پڑتا ہے۔ اماں کی اگر یہ خواہش ہے تو تمہارا

کیا جاتا ہے۔ مان لو ان کی یہ معصوم خواہش۔“ وہ ہنس دیا۔

”ٹھیک ہے“ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ پھر اماں نے اسے آواز دی تو وہ بغیر کچھ کہے سے تیار ہو کر چل

دی۔

بابا نے اس سے کچھ سوالات کئے۔ لیکن اماں کی موجودگی میں وہ جواب نہ دے سکی۔

”ٹھیک ہے آپ اس کمرے میں آ جائیں۔“ ایک عورت نے اسے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے

کا راستہ بتایا۔

بابا جی نے اسی عورت کو ایک شفاف پیالے میں تعویذ گھول کر دیا۔ جیسے تعویذ گھر میں پتی رہی

ہو۔ اس کے بعد بابا اس سے سوالات کرتے رہے اور جواب دیتی رہی۔

جانے کب بابا نے اس کے قد کے برابر دھاگہ ٹاپا۔ کب تک وہ ان کے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا اس پر کسی اور ہی دنیا کے دروازے کھل چکے ہیں۔ دماغ میں حیرت انگیزی روشنی کے جھماکے ہو رہے تھے۔ اس کے ارد گرد جیسے حوریں فاخرانہ لباس میں گول مٹول ساہمکتا ہوا بچہ لئے کھڑی ہوں۔ اور وہ بچہ پا کر خوشی اور مسرت کے جذبات سے مغلوب ہو چکی ہو۔

وہ باہر آئی تو اماں نے ہولے سے کہا۔ ”بہت دیر لگا دی۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ دیر تو ہوگی۔“ وہ مخموری آواز میں بولی۔

بابا نے اماں کو بتایا۔ ”آج یہ بہت سوئیں گی گھبرانا نہیں مل کا اثر ہوگا۔“

اماں اسے لے کر سلام کر کے باہر آگئیں۔ ان کی مٹھی میں دبے ہوئے تعویذ اور وہ رنگین دھاگہ انہیں خواہشوں کے بر آنے کی تقویت میں سرشار کئے ہوئے تھے۔

لیکن اس کے بعد نہ تعویذوں کی ضرورت رہی اور نہ دھاگوں کی۔ فوزیہ کے اندر ہونے والی تبدیلیوں نے خود ہی ظاہر کر دیا کہ اماں کی خواہش پوری ہونے میں جتنا عرصہ درکار تھا وہ انتہائی حسین تیاریوں میں گزارا جاسکتا تھا۔

فوزیہ نے یہ سارا وقت، بڑے آرام و سکون سے گزارا۔ اگرچہ اس کی مسلسل طبیعت گری گری سی رہی۔ اپنے اندر ہونے والی نئی اور انوکھی تبدیلیوں نے اسے ہراساں بھی کیا۔ لیکن جوں جوں وہ منزل کی طرف بڑھتی رہی اس کے اندر سکون کا اجالا پھیلتا گیا۔ اماں اور شاہد اس کی ناز برداریاں کرتے تو وہ چڑسی

جاتی۔

”کمال ہے۔ میں کوئی نئی ماں تو نہیں بن رہی۔ دنیا کی ساری مائیں ان ہی مرحلوں سے گزرتی

ہیں۔“

وہ سارا کام کاج خود کرتی۔ بچے کے آنے کی تیاری میں یوں تو اس کی دادی نے زمین آسمان کے

قلا بے ملانے کی تیاریوں کے مترادف سب کچھ کیا۔ لیکن فوزیہ نے بھی بھرپور تیاری کی۔

اللہ نے فوزیہ کو انتہائی خوبصورت چاند سا بیٹا عطا کیا تو اپنے پرائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ فوزیہ کی

آنکھوں میں فخر و انبساط سے ایک الگ طرح کا نثار تھا۔ ماں بن کر وہ کائنات کو جیسے پانچکی تھی۔ اس کے قد

موں تلے جنت سرک آئی تھی۔ ماں جی اور شاہد نے اس کی کامیابی اور خوشی کے جشن کا اہتمام کرنا چاہا تو اس

نے ہنک دیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ جس کے فیض سے یہ بچہ حاصل ہوا اس کا شکر یہ ادا

کئے بغیر تو یہ جشن فضول ہے۔ اس کا جشن میں خود منا دل کی مجھے ٹھیک ہونے دیں۔ کیونکہ اس کا مجھے پورا پورا

حق ہے۔ اس کے پورے سراپے پر لازہ طاری تھا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

”یہ بچہ صرف اور صرف میرا بچہ ہے۔ سن لیا۔ اماں۔ صرف میرا بچہ اس لئے کہ اس بچے کو میں نے

نومادہ کوکھ میں رکھا۔ اس کی پیدائش کے مشکل مراحل سے گزری اور وہ مشکل تو کچھ بھی تھی اصل مشکل تو وہ

اذیت سے بھرا لمحہ تھا جو میں نے دعائیں مانگ مانگ کر گزارا۔ کہ یہ بچہ زندہ رہے۔ کیونکہ یہ میری ساس اور

شوہر کی مرضی سے دنیا میں آیا ہے۔ اس کو میرے اناؤں پر سنے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے۔ میں اسے زندہ

رکھنا چاہتی تھی تاکہ میں بھری عدالت میں اسے ثبوت کے طور پر پیش کر سکوں۔ اگر میری ساس اپنے بیٹے کی

چار شادیاں بھی کر لیتی تو اس کو یہ بچہ نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ ہانجھ میں نہیں اس کا بیٹا تھا۔ یہ بچہ میرے شوہر کا نہیں۔ یہ صرف اور صرف میرا بچہ ہے۔ یہ بچہ اس غنڈے بد معاش کی کرا متوں کا ثمر ہے جس کے ہاتھوں بچے کی خواہشوں کی ماری وہ معصوم عورتیں اپنی عزت و حرمت کو بھینٹ چڑھاتی ہیں۔ جو میری طرح اپنے شوہروں اور ساس نندوں کی مرضی سے گناہ کی مرتکب ہوتی ہیں۔ لیکن میں ان بزدل عورتوں کی طرح ضمیر کی مجرم نہیں بن سکتی۔ میرے اندر اتنی جرات ہے کہ ایسے غنڈوں کو سر بازار کوڑے لگوا سکوں۔ شاہد دم بخود تھا۔ ایک نقطے کے الٹ پھرنے اسے اپنی بیوی اور خدا کے سامنے مجرم سے مجرم بنا ڈالا تھا۔

اماں اور شاہد کا سر جھکا ہوا ضرور تھا لیکن اپنی ندامتوں کے سامنے نہیں فوزیہ کی جراتوں کے سامنے جو صرف اور صرف خدا سے مانگنا چاہتی تھی۔ لیکن انہوں نے اسے انسان سے مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ 0000

ایس۔ اقبال (رحمہم اللہ) (کراچی)

راہِ الفت چھپا کے دیکھ لیا	ملا کر نظریں وہ جھکا بھول گئے
دل جھٹکا کچھ جلا کے دیکھ لیا	لگا کر آگ دل میں بجھانا بھول گئے
اور کیا دیکھنے کو باقی ہے دہر	چلے گئے وہ دوستی کے ہم سے
آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا	بعد میں دوستی بھانا بھول گئے
وہ میرے ہو کے بھی میرے نہ ہوئے	دکھا کر راستہ پیار کا وہ ہم کو
ان کو اپنا بنا کے دیکھ لیا	ساتھ چلنا بڑی سادگی سے بھول گئے
آج ان کی نظریں کچھ ہم نے	ہم انہماں تھے حسن والوں کے وعدوں سے
سب کی نظر میں بچا کے دیکھ لیا	پر وہ وعدہ کر کے نبھانا بھول گئے
جس کی تکمیل غم بی ہو نہ سکی کاوش	ہم کو تو وہ یاد آتے بہت ہیں مگر
عشق کو آزما بکے دیکھ لیا	اک بار یاد کر کے ہم کو دوبارہ یاد کرنا بھول گئے
☆ سعید نواز خان کاوش - جنڈانوالہ	☆ ایم اکرام ساغر - خانیوال

غزل

غزل بے خبر S کے نام

حیرتی یاد بن کے کانٹے جگر میں اتر گئے
جو یادوں کو سمیٹتا تو پھر خود بکھر گئے
دے کر ہمیں یادیں تم خود ہو گئے روپوش
اور دل کو درد دے کے تم جانے کدھر گئے
ہر بل ہے اذیت ہر سو ہے جدائی
کرتے ہیں تجھے یاد یہ نیناں بھر گئے
راتوں کو سناتی ہے حیرتی یاد کی پروا
حیرتی یاد کے سہارے وہ دن بھی گزر گئے
تم کو بھلانے کی کی تمہیں کوششیں ہزار
پر یادوں کے حسیں پھول اور بھی نکھر گئے
کہنے کی کوئی بات دل میں ہی رہ گئی
لو کہتے ہیں یہی بات ہم تم پر ہی مر گئے
بس یادیں ہی کھائی ہیں ان کے پیار میں اے جان
رکھنا انہیں سدا پھر تم تو چہرہ مر گئے
نعمیم جان۔ پشاور بورڈ

وزیر علی

غزل

غزل

نہ جانے کیوں دل توڑ گیا وہ
کھم سے کیوں موڑ گیا وہ
دل کی حسرت دل میں رہ گئی
اتنی جلدی پھیل گیا وہ
میں تو کھویا تھا پہنوں میں
اور مجھے بھینچوڑ گیا وہ
اپنا دل تو آئینہ تھا اک
اور بے دردی توڑ گیا وہ
ان دیواروں اور یادوں سے
میرا ناطہ جوڑ گیا وہ
میں نے تجھے چاہا تجھے چاہتا رہوں گا
تم سے پیار کیا ہے تجھ سے پیار کرتا رہوں گا
تم بھلانا چاہو تو بھلا نہ سکو گے صنم
میں ہر وقت تجھے یاد کرتا رہوں گا
دل تجھے دیا ہے اس دنیا میں
میرے دم تک تجھے پکارتا رہوں گا
زخم جتنے بھی لگے اس دل میں
بچے بھی پرانے ہو جائیں مجھے فکر نہیں
توں شمع ہے میں پروانہ ہوں زینہ

وزیر علی

یہ جھوٹ ہے کہ اس سے کچھ۔ ملا نہیں ہونٹ لرز جاتے ہیں
 یادیں وہ اپنی بے حساب چھوڑ گیا زبان کچھ کہا چاہتی ہے
 عماد شوکت۔ آزاد کشمیر مگر کچھ کہہ نہیں پاتی ہے
 ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

مزاحیہ غزل

غزل

ارے بیگم تو نے کیوں چنا اٹھا رکھا ہے
 پڑوسیوں کیساتھ مرغا بنا رکھا ہے
 پہلے ہی برتن دھوئے ہیں میں نے بہت
 یہ طوطہ تم دیکھی میں کیوں بنا رکھا ہے
 ارے خدا کے لئے چپ ہو جاؤ بیگم
 تمہاری آواز سے میرا سر پھٹا جا رہا ہے
 خدا کی قسم اب تیرا حکم بجا لاؤں گا
 کیوں ہاتھوں میں ڈنڈا اٹھا رکھا ہے
 ارے کپڑے پیچھے کیوں بھلا رہی ہو
 اوپر چھت پر جو تار لگوا رکھا ہے
 ارے بیگم کچھ تو خیال کر کپڑوں کا
 دھنوں سے بھرا ہے خیرا جوڑا
 تنگ رہی ہوں صابن رگڑ رگڑ کر
 سرف اٹھل کہاں چھپا رکھا ہے
 محبت خان آفریدی۔ ہمدوالی

غزل

ان زرات ریت سے تیری تصویر بنا ڈالوں کہو نا
 خود کو خود سے بھلا ڈالوں کہو نا
 ہیں تصویریں بے جان رنگ بولتے ہیں
 تصویروں کے چھپے بھید کھولتے ہیں
 کاش کہ تصویر جاناں میرے پاس بھی ہو
 خود کو تجھ میں چھپا لوں کہو نا
 مصور تو تصویر بنا ہی لیتے ہیں
 نہ بھولے دالے چروں کو چھپا ہی لیتے ہیں
 تصور تصور ہے مصور اس صنم
 تم کو اپنا خدا بنا لوں کہو نا
 ثمران جاوید۔ گوجرانوالہ

ہم کو تم سے پیار ہے

تیری آنکھوں کے سمندر میں ڈوبے رہیں ہم
 ہم کو تم سے پیار ہے کیسے یہ کہیں ہم
 ہونٹوں پہ بات آکر رک جاتی ہے
 دھڑکن دل کی تیز ہو جاتی ہے
 آنکھیں جھلکنے لگتی ہیں
 موسم بدل جاتا ہے
 کلیاں کھل سی جاتی ہیں
 سانسیں مہک اٹھتی ہیں

غزل

غزل

دل دے کر کسی سے تو پیار نہ کرنا
مرث جائے گا زندہ کسی سے اقرار نہ کرنا
دنیا ہے اک جوگ اور تو اس کا اک جوگی
کسی زہریلی نامن کا تو اعتبار نہ کرنا
پھول تو ہوتے ہیں بہار کے اور تو اک مالی
ایسے مہمان پھولوں کا تو پیو پار نہ کرنا
خالم ہے اس بے وفا زمانے کی نظریں
کے کی نظر سے گر کر خود کو شرم سار نہ کرنا
مطلب کے لوگ اور مطلبی ہے زمانہ
ان کے جال میں چنسی کر پیار نہ کرنا
لاکھ آئیں گی بہاریں دن دو یا دن چار
اپنے دل کو اشفاق کسی پھول کا طلب گار نہ کرنا
داناو اشفاق علی غنٹو آدم
ایم وقاص علی۔ احمد پور سیال

میں نے کیا میرا نام
کیوں یہ پلکیں بھیگیں آخر
کیوں چھلکا یہ دل کا جام
چاہے مریں اور چاہے جنیں ہم
ہر دم دونوں ساتھ رہیں
کچھ بھی بیٹے اس جیون میں
ہاتھ میں برے تیرا ہاتھ رہے
کیسے چلے پھر چھوڑ کے آخر
یہ محفل یہ صبح شام
میرے دل کا ایک صنم
دنیا کے لاکھوں انعام

غزل

غزل

خزاں کے موسم میں گلاب چھوڑ گیا
زندگی بھر کا میرے لئے عذاب چھوڑ گیا
وہ میری قربتوں کا ہمسر جب گیا تو
تہائیوں پہ لکھی ہوئی کتاب چھوڑ گیا
ضروری نہیں ہر کسی کو ملیں محبتیں
کیا تھا کیا سوال اور کیا جواب چھوڑ گیا
ساری زندگی وہ پڑھتا رہا دوسروں کے چہرے
جس میں تھا ذکر میرا وہ باب چھوڑ گیا
آس تھی جس شخص سے مجھے زندگی کی
وہی آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خواب چھوڑ گیا

یوں دل نے حوصلہ ہارا کب تھا
اچھی حالتوں میں ہمارا ستارا کب تھا
لازم تھا زندگی سے
بن زہر پئے کرنا کب تھا
کچھ پل سے اور دیکھ سکتے
اشکوں کو مگر مگر کب تھا
ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اس کا ہی قصور سارا کب تھا
اک نام پر رزم کھل اٹھے تھے
تافل کی طرف اشارہ کب تھا
آئے ہو تو روشنی ہوئی ہے

قیدی گل نواز - بلوچستان
میری جدائی کی آگ میں جتا رہوں گا
ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ
میرا جانا ہے تو عزاب ہے

لوگ کہتے ہیں

وقت

گزر رہی جاتا ہے

لوہ پلو

وقت کی باہیں

ان لمحات

کواپنے اندر سمجھ

لگتی ہے

ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ

پیارا سا ہوں گرد و غبار کی چاہت ہے

سفر میں

سائے میں چلوں تو مجھے دریا کیسے ملتا

سب عکس اور صورتے ہیں کہ سب آئیے جھانے

زخمی ہے بدن اور مسیحا نہیں ملتا

ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ

میں اور میری تنہائی

دو دلوں کے دکھ کی

سہلیاں ہیں

جب درد حد سے گزر

کرا آکھوں سے

پہنے لگتا ہے

تو میری سانچھی تنہائی

اپنا ہاتھ نہیں پھیلا کر مجھے

اپنی آغوش میں سیٹھ

لگتی ہے

ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ

ممکن ہو آپ سے تو بھلا دیجئے مجھے

پتھر پہ ہوں لکیر بنا دیجئے مجھے

ہر روز مجھ سے تازہ شکایت آپ کو

نہ

لوگ کہتے ہیں

دیر سے دیر سے وقت

ہر زخم کو بھر دیتا ہے

تم بھی لوگوں کی کئی

باتوں میں آ جاتی ہو

ایک لمحے کیلئے

مستحکم ہو کے سوچتی ہوگی

شاید میرے بچپن کا وہ ساتھ

وہی پاگل لڑکا

وہ بھی اب بھول گیا ہوگا

مجھے لوگ کہتے ہیں کہ

دیر سے دیر سے وقت

ہر زخم کو بھر دیتا ہے

کے سب اپنی جھاڑوں پہ

پیشیاں بن رہے

لوگ کہتے ہیں

مگر ایسا ہوتا تو نہیں

ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ

غزل

یہ سرد ہے تو برف ہے

جو گرم ہے تو آگ ہے

چھڑے تو ایک غزل ہے

بے تو ایک ساز ہے

لے تو بس جنوں جنوں

جو نہ لے تو فقط جنوں

گر سوچئے تو خواب ہے

میں کیا ہوں اک بار بتا دیجئے مجھے
ساجدہ یعقوب گھونکی سندھ

غزل

یہ سوچ کر ہم حسرت بھری راہوں میں رہے
اے کاش کہ تو ہر وقت میری ہانپوں میں رہے
محبت بھی تو کسی جرم سے کم تو نہیں ہے
چمک چمکے تو ہر وقت میری نگاہوں میں رہے
ہر گھڑی گنگنائے ہیں تیرے پیار کے نغمے ایسے
بے درد تو ہر وقت میری آہوں میں رہے
یا کچھ نہیں کیا تیرے پیار کی خاطر S
ہم ہر وقت تیرے پیار کے گناہوں میں رہے
آئینہ ہے تو اے ٹھوکر نہ لگ جائے کہیں
ہر وقت وہ صدمے دل کی پناہوں میں رہے
شکیل احمد۔ کراچی

غزل

ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے دریا بھی بہائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر
ہم نے ایمان لائے ہیں تمہاری خاطر
دوست ہم لوگ کر آئے ہیں تمہاری خاطر
پیار محبت ہوتی ہے کیا پتہ نہ تھا ہمیں
ہاں دل دھڑکا ہے آج صرف تمہاری خاطر
شکیل احمد۔ کراچی

چاہت

مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
مرا کریت سے جتنی

جیسے ساگر کلبروں سے
جیسے پھولوں کو خوشبو سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
پراسی دھرتی کو بارش سے جتنی
جیسے آسمان کو ستاروں سے
انسان کو زندگی سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
نیند والوں کو راتوں سے جتنی
جیسے سورج کو روشنی سے
جیسے دریا کو پانی سے
مجھے تجھ سے فقط چاہت ہے اتنی
دل والوں کو دل لگی سے جتنی
جیسے آنکھوں کو نور سے
میرے دل کو تم سے
بس مجھے تم سے فقط چاہت ہے اتنی
جیسے دنیا والوں کو پیسوں سے جتنی

شکیل احمد۔ کراچی

اچھا لگتا ہے

تمہارے بارے میں ہر وقت سوچتا اچھا لگتا ہے
میرے دل میں صرف تم کو دیکھنا اچھا لگتا ہے
جب بات کی تاریکی پھیل جاتی ہے ہر سو
اکیلے میں تم سے صرف تم سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے
کھوئے رہے ہیں گزرے ہوئے لمحوں میں ہم
تمہاری یادوں میں غم سم رہنا اچھا لگتا ہے
تمہارے آنے کی جب خبر نہیں ملتی مجھ کو
تمہارے بارے میں سب سے پوچھنا اچھا لگتا ہے
تمہیں پانا ناممکن ہے زندگی میں مگر
پھر بھی تمہارے سنے دیکھنا اچھا لگتا ہے
شکیل احمد۔ کراچی

خیال

رات کے اس دوجے پر

سب کیا ہے بے تابی کا

دل کی نظر سے دیکھوں شاید

یا پھر

اس نے نیند میں کروٹ بدل کر

میرا نام لیا ہے تیزی ۱

شاہد محمود دانش۔ جھنگ صدر

نظم

ہم تم بن ایسے جیتے ہیں
جیسے زہر پیالہ پیتے ہیں
جیسے غم بادل سا چھایا ہو
آنسو کی صورت بارش ہو
ہم ہر وقت یہ آہیں بھرتے ہیں
تم بن مرنے رہتے ہیں
تیری یادوں کو جب پھینکا ہو
پھر اس نے ڈالا گھبرا ہو
تیری یاد میں گھوم پھرتے ہیں
ہم تم بن مرنے رہتے ہیں
چاہے دنیا ساری اپنی ہو
ہم تم نہ ہو تو کچھ نہ ہو
ہر وقت صدا یہ کرتے ہیں
ہم تم بن مرنے رہتے ہیں
ہم تم بن ایسے جیتے ہیں
جیسے زہر پیالہ پیتے ہیں

ابن رفیق

غزل

کبھی ہم بھی خوفناک لیا کرتے تھے
ایک دن میں سارا پڑھا کرتے تھے
کبھی چھیڑتے تھے یا کہیں کو تو
کبھی خوشبو سے لڑا کرتے تھے
دیکھ کر اپنے خپل اور کہانیاں
بہت ہی خوش ہوا کرتے تھے
اپنا پسندیدہ رسالہ آنے کا دوستو ۱
پورا مہینہ انتظار کیا کرتے تھے
تحریف کرنے والوں سے ہوتے تھے خوش
تغییر کرنے والوں سے جلا کرتے تھے
کبھی قریشی کو سراہتے تھے
تو کبھی ابر حنین سے گلہ کرتے تھے
خوبصورت حسین مناظر کی بجائے
ہم کو جن بھوت چلا کرتے تھے
شائع کروانے کی خاطر تحریک خاموش
شہزادہ بھائی کی منتیں کیا کرتے تھے

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

راتوں کے پہر مری آنکھوں کے پنے نہیں دیتے
غیر دیتے ہیں پیار مجھ کو اپنے نہیں دیتے
کچھ ایسے حالات سے بچا ہے واسطہ میرا
جو میرے خیالات کو پنے نہیں دیتے
دنیا چاہتی مجھے دیکھنا نکلت خست خوردہ مگر
تھک سے ملنے کے خواب مجھے تھکنے نہیں دیتے
جب بھی انتہائے اذیت پر پہنچتا ہوں کھینچ لیتے ہیں
دوست مجھے مزہ موت کا بھی تھکنے نہیں دیتے
میرا دل کا میری روح تک کو آزما لیتے ہیں مگر
اپنی ذات کے ایک پہلو کو بھی پرکھنے نہیں دیتے
وہ خود تو آرام سے چما لیتے ہیں میرا دل خاموش
مگر اپنی ایک تصویر بھی مجھے نہیں دیتے

اگر کبھی میری یاد آئے

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دلیروں کی روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ تجھ سے اڑ کر
تہارے قدموں میں آ کر رہے تو
یہ جان لینا وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے
کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ نوئے
وہ اپنی جگہ نہ بھول جائے
گر یہ کرنی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں اس قطرہ کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
جیسے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
اگر ستاروں میں اس کے قطرہوں میں
خوشبوؤں میں نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں ملوں گا
کتنی یہ روشن چراغ دیکھو تو سمجھ لینا
کہ ہر پتے کے ساتھ میں کھڑے ہوں
تم اپنے ہاتھوں میں ان پتوں
کی راکھ دریا میں بہا دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی ان دیکھی ہوئے جزیرے پہ
رک کر تم کو صداؤں میں یاد رکھوں گا
سمندر کے سفر پہ نکلے تو
اس جزیرے پہ ضرور آنا

زاہد اقبال سحر - سمندری

وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی روشنی چوم کر کبھی چھو کر چاند کی روشنی
یونہی ساتھ ساتھ چلیں سدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
زاہد اقبال سحر - سمندری

تجھے معلوم کیا ہوگا

تجھے معلوم ہے افرت کی شب کیسے گزرتی ہے
تجھے معلوم ہے انتہائی سی روح میں کیسے اترتی ہے
تجھے معلوم ہے اخیرات آنکھیں آنسوؤں کی
کیسے کرتی ہیں!
تجھے معلوم ہے ان خوابوں کی دنیا ٹوٹ کر کیسے بکھرتی ہے
تجھے معلوم ہے! انسانوں میں گری کیوں اترتی ہے
تجھے معلوم ہے! حروف و نالاب پر یکا یک کیوں ابھرتا
ہے
مگر جان و فنا تجھ کو خبر کیسے دیتی ہے
کہ اول روز سے ویران تیرے دلی دھرتی ہے
تیرے جذبات کی حس دل کے جذبوں سے مٹکراتی
ہے
تیری سوچیں محبت کے تصور سے ہی ڈرتی ہیں
ایسے میں تلا تجھے کیا معلوم ہوگا
تجھے معلوم ہوگا
فقط یادیں میری جان زخم دل کے کیسے بھرتی ہیں
فقط اک نام پر دل کی دھڑکن کیوں ٹھہرتی ہے
فقط اک یاد سے شامیں کسی کی کیوں سنورتی ہیں
فقط اک نام کی رٹ ہونٹوں پر کیسے ابھرتی ہے
تجھے معلوم کیا ہوگا یہ سن پر کیوں گزرتی ہے
تجھے معلوم کیا ہوگا!
تجھے معلوم کیا ہوگا!

زاہد اقبال سحر - سمندری

گلاب

چلو پھر سے

سنو جاناں
محبت کرنے والے
آج کے دن ایک دو بے کو
گلابوں کے حسین حقے تھاتے ہیں
میرے آٹھل میں لگیں
پھول تو کوئی نہیں۔ جو تجھ کو میں بھیجوں
مگر
سب سے حسین سوغات ہے جو پاس میرے
وہ تمہارے نام کرتی ہوں
سنو جاناں
میرے ہونٹوں کے یہ طے گلاب
آج سے
سمجھو
تمہارے ہیں

میرے آٹھل میں لگیں
پھول تو کوئی نہیں۔ جو تجھ کو میں بھیجوں
مگر

سب سے حسین سوغات ہے جو پاس میرے
وہ تمہارے نام کرتی ہوں

سنو جاناں

میرے ہونٹوں کے یہ طے گلاب

آج سے

سمجھو

تمہارے ہیں

زاہد اقبال سحر۔ سمندری

ماں

آج میں روٹی تو بے انتہار روٹی

مگر اچانک

میری سماعت سے ایک آواز نکلائی

کہ میں جتنا بھی روٹوں

جتنی دیر بھی روٹوں

مگر مجھے کوئی نہیں یہ کہے گا

کرچ ہو جاؤں

کیونکہ اب میری

ماں نہیں ہے

میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

ہیں اب بکھر جانا چاہئے
خوابوں کو اب بکھر جانا چاہئے
شب جہراں کا آخری پہر ہے اب تو
وصل حج کو اب گھر جانا چاہئے
آج تو اس نے بھی آنے کا وعدہ کیا ہے
ابھی ہوئی زلفوں کو اب سنو۔ جانا چاہئے
بن دروازہ دیکھ کر کہیں لوٹ نہ جائے وہ
شام ڈھلے اب گھر جانا چاہئے
راستوں کے نشاں تک مٹ گئے ہیں
بتاؤ فضا اب کدھر جانا چاہئے
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

میں کیا تھی اس نے مجھے کیا بنا دیا
دکھ میں بھی مجھے ہنسا سکھا دیا
وہ جو عمر بھر ساتھ چلنے کا وعدہ کرتا تھا
اس نے تو چند لمحوں میں ہی بھلا دیا
لو دے کر اپنا کیا تھا جسے روشن میں نے
اسی چراغ نے میرے گھر کو جلا دیا
کتنی شدت تھی میری محبت میں

غزل

غزل

غبت اس سے انتہا کی رکھتے ہیں
خبر ہر دم اس لربا کی رکھتے ہیں
ٹاڑ لیتے ہیں پیار کو پروں کی آڑ میں
نظر تیرے شہر کے لوگ بلا کی رکھتے ہیں
اگر وہ رکھتا ہے دشت تہائی میں گھر
تو جاگیر ہم بھی صحرا کی رکھتے ہیں
ہوتے نہیں مایوس تیری بے رخی سے
امید ہم دم تیری رضا کی رکھتے ہیں
ہو گئے ہیں عشق میں اگرچہ فرعون
صفات مکرر خدا کی رکھتے ہیں
حضرت خاموش بھی پاگل ہیں پیار کے بغیر
خواہش صرف اور صرف فنا کی رکھتے ہیں
سہیل احمد۔ جھنگ

آس کے سورج کو ڈھلتے دیکھا ہے
ہر موڑ پر اپنوں کو بدلتے دیکھا ہے
تجھے اپنی اذیت کیا بتائیں ہم
کئی بار اپنے دم کو نکلتے دیکھا ہے
تیرے ساتھ تو دیکھی ہیں بہاریں مگر
تیرے ہجر میں زندگی کو بچتے دیکھا ہے
جب سے تم لے ہو تب سے ہم نے
مگرتے ہوئے خاموش کو سنیتے دیکھا ہے
سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

اُتر گیا

شروع شروع میں میں نے سوچا تھا
کہ یہ عشق کا بھوت بس
چند دنوں میں
اُتر جائے گا
اور واقعی ہی یہ اُتر گیا مگر
جانتے ہو کہاں اُترا..... ہاں روح میں

سہیل احمد۔ جھنگ

غزل

تمہیں دل سے بھلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
کوئی پینا سجاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تمہاری یاد اب دل کو بہت بے چین کرتی ہے
مگر تم کو بھلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

حرف بد نکلا منہ سے تو رہا ہوا
تو نے کہا تو جھوٹ بھی مذاق دل تھا ہوا
تیری نظر سے پڑی جان صحراؤں میں
حیرت ایک اداس سے موسم لربا ہوا
نہیں تھا تو کچھ بھی نہیں تھا ہمیں
ہجوم ہوا عشق تو پھر بے انتہا ہوا
سامنے میرے بڑھ گئے اندھیرے اور
روشن میرے پیچھے چل ایک دیا ہوا
پھر ہنس دیے گل و لالہ پیار لے
لگتا ہے پھر کوئی کسی سے جدا ہوا
ڈیرے جما لئے پھر آہوں نے
پھر کسی دل کا حال برا ہوا
پھر کوئی کشتی بھنور میں گھری خاموش
پھر کوئی شخص بے آسرا ہوا
سہیل احمد۔ جھنگ

نندیا روٹھ گئی

آئی جب بھی رات تو نندیا روٹھ گئی
چھائی جب برسات تو نندیا روٹھ گئی
چاند ہوا خاموش ستارے ڈوب گئے
تم نے تھا ہاتھ تو نندیا روٹھ گئی
دور ہوئے تم جب بھی سانس ڈول گئیں
پیار کی جب کی بات تو نندیا روٹھ گئی
کیسا سندس ان کو ہوا میں دے آئیں
بات سے ابھی بات تو نندیا روٹھ گئی
چاہت یاد سے آگئی راتیں بھاری ہیں
ہوئے ہیں یوں حالات تو نندیا روٹھ گئی
زاہد اقبال سحر - سمندری

خوشبو

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھتی ہوں یہی سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خنگ پھولوں کی کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی چاپ کوئی آواز نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی
زاہد اقبال سحر - سمندری

غزل

کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو

ا میں ہو رہی میری ہوا محام نے یہ ہم سے
اب بیگانہ تم کو پاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
دن کیسے گزر رہے ہیں پوچھا تھا یہ خط میں اس نے
اور دن کیسے گزر رہے ہیں یونہی جب سوچے جاتی ہوں آنکھیں بھیگ جاتی
ہیں
میں جلتی آنکھوں سے نرس ہنس کے پاگل ہو بھی جاؤ تو
ستم یہ خود پہ ڈھاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تمہارا غم میں ہنس کے بھیل لوں لیکن میرے ہم
اسے دل میں چھپاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
کبھی تو لوٹ ہی آؤ گے اس مگر میں تم اک دن
دیے ہر شب جلاتی ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
رخسار مدحت - لاہور

محبت مر نہیں سکتی

ہزاروں دکھ پڑیں سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
تیرا ہر بار میرے خط کو پڑھنا اور رو دینا
میرا ہر بار لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
کیا تھا ہم نے شب بھر میں اک حسین وعدہ
بھلے ہم کو پڑے مرنا محبت مر نہیں سکتی
پانے عہد کو جب زندہ کرنے کا خیال آئے
مجھے بس اتنا لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
وہ تیرا بھر کی شب بھول رکھنے سے ذرا پہلے
بہت روتے ہوئے کہنا محبت مر نہیں سکتی
اگر ہم حسرتوں کی قبر میں دن ہو جائیں
تو یہ کتبوں پر لکھ دینا محبت مر نہیں سکتی
پرانے رابطوں کو پھر نئے وعدوں کی خواہش ہے
ذرا اک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی
مگے لمحات فرقت کے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں
وہ پیروں ہاتھ پہ لکھنا محبت مر نہیں سکتی
زاہد اقبال سحر - سمندری

مرنے کے بعد یاد رکھیں ہماری دوستی کو زمانے والے
عصمت اس دوستی کو اپنی زندہ مثال بنانا تم
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

یہ فخر تو حاصل ہے میرے ساتھ چلے ہیں
وہ بھی کسی کی یاد میں اب تک تو چلے ہیں
دل دے کر کسی کو تو جلتا ہے مقدر
سوچا تھا خزاؤں میں کبھی پھول کھلے ہیں
اس نے تو اپنی زیست کی روداد ہے کئی
کتنے خورشید تھے سوتی میں ڈھلے ہیں
لیک کو بجھا کے تم یہ سمجھتے ہو مجھ گئے
ہم گردش زمانے کی سی پال چلے ہیں
ان کا دیدار دل ناداں پہ بوجھ تھی
ان کو خبر نہ تھی وہ مدتوں بعد ملے ہیں
آگ میں رکھ کر کاغذ کا ٹکڑا اس نے پڑھایا
ہم بھی کسی کی یاد میں ایسے ہی چلے ہیں
ممتاز حسین بونٹو۔ سکرو

غزل

کبھی یوں بھی آمیری آنکھ میں کہ میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے رفعت بھی عطا کرے
مجھے بھولنے کی دعا کرو مگر اس دعا میں اثر نہ ہو
کبھی دن کی دھوپ میں جھوم کر کبھی شب کے پھولوں کو چوم کر
جو کبھی ساتھ ساتھ چلیں سوسدا کبھی ختم اپنا سفر نہ ہو
میرے پاس آ میرے پاس آنے والا اور دل کے قریب آ
تجھے دھڑکنوں میں بسالوں میں کہ ٹھنڈے کا ڈر نہ ہو
یاسین خان۔ نور پور

وہ زمین تھی میں نے اسے آسمان بنا دیا
جنوں عشق میں کافر ہو گئی تھی فضا
اک انسان کو خدا سے ملا دیا
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

ساتھ چلے ہوئے بھی جدا رہے
وفا کر کے بھی ہم بے وفا رہے
بھوم کیا ہوتا ہے کبھی دیکھا نہیں
تھا تھے ازل سے تھا رہے
کس کس کو سجدہ کرتے ہم بھی بھلا
ہمارے قریب تو بہت سے خدا رہے
اس نے گھر جلا دیا تھا ہمارا
ہم تھے کہ ڈھونڈتے روشنی کے لئے دیا رہے
خود کو مار دیا اس کی خوشی کے لئے
یہ آرزو ہے کہ سدا اس کی بقا رہے
آج اگر اجنبی ہو گئے ہیں ایک دوسرے کیلئے تو کیا ہوا
فضا برسوں پہلے ہم بھی آخر آشنا رہے
میڈم فضا۔ آلہ آبادی

غزل

اپنی پیاری دوست عصمت طاہرہ کے نام
میں رہوں تو مجھے بنانا تم
دعا کر کے کبھی مجھ سے نہ کر جانا تم
دھوکے کھائے ہیں میں نے بہت
میرے غلوں کو کبھی نہ ٹھکانا تم
اپنا لبو دے کر روشن کیا ہے اسے میں نے
اس دوستی کی شمع کو کبھی نہ بجھانا تم
منسوب کرتی ہوں میں تیرے نام اپنے جذبے
عصمت میرے جذبوں کی توقیر کر دکھانا تم

غزل

نہ بچھا چراغ دیار دل
نہ بچھڑنے کا تو ملال کر
تجھے دے گی جینے کا حوصلہ
میری یاد رکھ لے سنبھال کر
تجھے بھی کیا کہ ایکسبھی کو
تجھے بھی سوچنا ایکسبھی بھلانا
جو نہ تجھے سکے وہ دیا جلا
جو نہ ہو سکے وہ کمال کر
غم آرزو میری جستجو
میں سمٹ کے آگیا روبرو
یہ سکوت مرگ ہے کس لیے
میں جواب ہوں تو سوال کر
تو بچھڑ رہا ہے تو سوچ لے
تیرے ہاتھ ہے میری زندگی
تجھے روکنا میری موت ہے
میری بے بسی کا خیال کر
زاہد چٹوکی

غزل

کہانی دردی میں زندگی سے کیا کہتا
یہ درد جس نے دیا میں اس سے کیا کہتا
تجھ تو مجھ کو بھی کرتا تھا پیاس کا لیکن
جو خود ہی سوکھ رہے اس ندی سے کیا کہتا۔
میرے عزیز ہی مجھ کو سمجھ نہ پائے کبھی
میں اپنا حال کسی اجنبی سے کیا کہتا
زاہد چٹوکی

غزل

بن نہیں رہنا
تم سے محبت ہے
میں سے محبت ہے
تجھے تم سے محبت ہے
تو کہہ نہیں سکتی
احساس تو ہوگا
آنکھوں کو پڑھ لینا
تم سے محبت ہے
نام کردی ہے
پوری زندگی اپنی
بھلے ہی دکھ پڑے سہنا
تجھے تم سے محبت ہے
ہمیں احساس ہے تم کو بھی
ہم سے پیار ہے لیکن
میرے سامنے کہنا
تم سے محبت ہے
زاہد چٹوکی

غزل

فلک تھا لالہ زار ابھی کل کی بات تھی
ہر گل پہ تھا تمہارا ابھی کل کی بات تھی
اب تو غم حیات بھی دیتا نہیں قرار
تھا حاصل قرار ابھی کل کی بات تھی
آنکھوں میں جن کی کھلنے لگا ہوں میں
ان کو تھا مجھ سے پیار ابھی کل کی بات تھی
چاروں طرف اداسیاں بکھری ہوئی ہیں آج
موسم تھا خوشگوار ابھی کل کی بات تھی
کانٹوں کو بھی گریز ہے مجھ سے یہ کیا ہوا
ہمدرد تھی بہار ابھی کل کی بات تھی
زاہد چٹوکی

مجھے سب کچھ قبول ہے فلک غم میں یار مجھ سے طلب
میں اسے کیسے دل سے جدا کروں جو میری عمر بھر کی
حلاش ہے
زاہد چٹوکی

غزل

مجھ سے کترا کے گزر جا اے جاں حیا
گل کی لودیکہ رہا ہوں تیرے رخساروں میں
حسن بیگانہ احساس جمال اچھا ہے
غنچے کھلتے ہیں تو کب جاتے ہیں بازاروں میں
ذکر کرتے ہیں تیرا مجھ سے بعنوان جفا
چارہ گر بھول پرو لائے ہیں گواروں میں
مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے مغلوب کرو
میں تو شال ہوں محبت کے گنہگاروں میں
یسین خان۔ نور پور

غزل

بہت چاہا تھا اے وہ ملا ہی نہیں
لاکھ کوششیں کیں مگر یہ قاصلے ملے ہی نہیں
جھولی پھیلا کر مانگا تھا خدا سے اے
مگر خدا نے میری کسی دعا کو سنا ہی نہیں
ہر اک سے پوچھا سب تیرے نہ ملنے کا
ہر اک نے بتایا وہ تیرے لئے بنا ہی نہیں
بڑی شدت سے چاہا تھا مگر تو کسی اور کا ہو گیا
شاید کہ اس جہاں میں وفا کا صلہ ہی نہیں
بلال ساغر۔ مانسہرہ

غزل

اے دیکھو ذرا آ کے اے جھن سے سونے والے
کیسے روتے ہیں تیری یاد میں رونے والے
نہیں آیا میری میت پہ کوئی اپنا
میرے قاتل تھے میری لاش پہ رونے والے
مجھ کو آئے گی میرے لبو سے وفا کی خوشبو
میرے لبو سے چہرے کے نشان دھونے والے
مجھے غیروں سے نہیں کوئی شکوہ
میرے لپٹے تھے میری کشتی ڈوبنے والے

تو مجھے چاہے ایسی قسمت کہاں تھی
کہاں میں کہاں تو یہ نسبت کہاں تھی
تیری بے رخی سے بہ دل مضرب تھا
میرا حال جانے یہ فرقت کہاں تھی
میری چاہتوں کی تجھے خبر کیا ہو
تو سوچے مجھے تیری فطرت کہاں تھی
تجھے اپنے من سے نکالوں تو کیسے
میں پا لوں تجھے یہ سعادت کہاں تھی
جو مجھ جاتا میرا ہمسر کہیں تو
بھلا ایسی اپنی قسمت کہاں تھی
جو سن کے تو نے نگاہیں جھکا لیں
یہ لوح تھا میری شکایت کہاں تھی
تو جو کچھ بھی تھا اک وہم تھا صبا کا
فریب نظر تھا حقیقت کہاں تھی
یسین خان۔ نور پور

نظم

یہ آنکھیں بھی تو چہرہ ہیں
آئینہ بھی تو دریا بھی
زباں بھی قلم بھی
خوشی اور غم کی بیم ترہاں آنکھیں
بظاہر چپا اصل میں بولی آنکھیں
مگر دنیا بھلا کب جانتی ہے آنکھوں کے دکھ کو
یسین خان۔ نور پور

غزل

گل تیرا رنگ چرا لائے ہیں گزاروں میں
جل رہا ہوں بھری برسات کی بوجھاروں میں

انتقام

اگر مقدر تمہیں شکست کی غمگین لگا دے
اور اگر تم لوٹ آؤ

تو میں تمہارے کمزور جسم سے انتقام کی بجائے
تمہاری شکست پر اپنے نام کی مہر لگا دوں گا

اور

اپنی فتح کی مسکراہٹ تمہارے شکست خوردہ
ہونٹوں پر سجا دوں گا

اور سنو.....!

مایوس مت ہونا

میں تمہارے گرتے آنسوؤں کو

اپنے پوروں کے دامن میں سمیٹ لوں گا

اپنے برہنہ زخموں سے مت گھبرانا

میں تمہارے زخموں کو.....

اپنی چاتوں کی قبایم لپیٹ لوں گا

بیکامیرے ظرف کا استعارہ لگا

اور سنو.....!

بیکامیرا انتقام ہوگا

فداء اللہ فریسی۔ کندیل

S کے نام

بڑی چاہت سے تجھے رب نے بنایا ہوگا
وہ مٹی زمین سے نہیں آسمان سے لایا ہوگا
جب بنائے ہوں گے یہ خوبصورت ہونٹ اس نے
وہ رنگ توں قزح سے لایا ہوگا
جب بنائی ہوں گیں یہ خوبصورت آنکھیں اس نے
تو کئی بار حوص کوثر سے نہلایا ہوگا
جب بٹائی ہوں گیں یہ گھٹی زلفیں اس نے
وہ جنت کی جودوں سے لایا ہوگا

خونناک ڈائجسٹ 190

پھولوں اور کلیوں سے زیادہ نازک بنایا اس نے
چاند اور تاروں سے زیادہ حسیں بنایا اس نے
جب بنا دیا تجھے اس نے حسن کا اک مجسمہ
تو تجھے دکھانے کے لئے فرشتوں کو بلایا ہوگا
جب اتار دیا تجھے اس نے عرش سے زمین پر
تب تو نے اپنے دیوانے کو بہت رلایا ہوگا

عمران اکرم۔ فیصل آباد

غزل پیار A کے نام

قسم کی قسم ، قسم سے منم
تجھ کو ہی چاہیں اور چاہیں گے ہم
کر کے یہ زمانہ چاہے کتنے بھی مست
باز آئے والے نہیں ہیں ہم
اس زمانے کی ہمیں کچھ نہیں پرواہ
بس ہم کو تو ہے A تیرا ہی غم
تیرے لئے ہی جیسے چاہ رہے ہیں
قسم کی قسم قسم کے منم
تم کو الفت نہ سکی منم
چلو نفرت سے ہی کہہ دو آئی لو یو منم
قسم کی قسم قسم سے منم
تجھ کو ہی چاہیں اور چاہیں گے ہم
علی اکبر۔ عارفوالا

غزل

تلاش ہے مجھے ایسے دوست کی
کرے جو مجھ سے اپنے دل کی باتیں
جو رکھے مجھے اپنے حسین ارمانوں کی طرح
جو میرے خیال میں گزار دیں راتیں ساری
مجھے جو میری بے چینی کو میرے دکھ درد کو
جو کر دے مجھ پر پنچا اور اپنی چاتیں ساری

اجڑی اجڑی کیوں رہتی ہو
وہ کتنا معصوم ہے ناں؟

ستارا تبسم شیراز - ہنڈی گجراں

وہ انجان سی لڑکی کچھ بھی نہیں لگتی شیراز
پھر نہ جانے کیوں اسی کی یاد میں آنسو بہاتا ہے دل
تم بھول بھی جاؤ یہ تم کو حق ہے ستارا

میری بات اور ہے میں نے تو محبت کی ہے
میں جس کے لئے پہروں اداس رہتا ہوں

شیراز وہ بھی بچھڑی بے وفا سمجھتا ہے

کوئی پیار سے نہ دیکھے مجھ کو اب

سارے آنسو تو میں تب کا ہا چکا ہوں

ریاست علی شیراز - ہنڈی گجراں

فرمائش

آخر ایک دن

اس نے مجھ سے کہہ دی ڈالا

مجھ پر بھی ایک نظم کہو تم

ایسی نظم

کہ

جس میں

میرا نام نہ آئے

میں خود آؤں

اجمل فریاد - میرپور

آزاد نظم

مجھے محشر کے روز سر پر کوئی بادل نہیں لینا

مجھے اس دن اپنی کسی نیکی کا کوئی پھل نہیں لینا

تو سن مولا

منا ہے تو اک محبت ہے

میرے نام ہے والستہ دل سے ساری
روشنی نہ کبھی، مجھ سے میری خطا پر
لا دے جو مجھ پر اپنی اگلیں ساری
رکھوں گا اسے اپنی آنکھوں میں سپنوں کی طرح
اس کے نام لکھ دوں گا میں اپنی زندگی ساری
محمد آصف - کنگن پور

تیرے نام

آج وہ مدت بعد آئی بھی

بس یہ کہنے

جاناں!

میرے سارے خطوط لکھنا

سب تصویریں، قلم، کتابیں

واپس کر دو سارے حقے

مجھ سے سب کچھ مانگنے والی

جاتے جاتے

میرے کمرے کی چوکت پر

پھونکنی ہے

شاہد محمود دانش - بائیانوالہ

اپنا آپ

کانٹے بہت تھے دامنِ فطرت میں تیری

کچھ پھول اور کچھ میرے ارمان بن گئے

محمد آصف - کنگن پور

معصوم

وہ مجھ سے اکثر پوچھتا ہے

اچھی لڑکی

اتنا زیادہ کیوں روتی ہو

جو تجھے چھو کر گزرتی ہے

وہ ہوا میں ہوتا

کاش!

میں تیرے دل کی دھڑکن ہوتا

این ایے جے۔ بھاؤ سنگر

اپنا سلام دوں گا

اے رات کے چاند میں تجھے اک پیغام دوں گا

تجھے کرنا بس صرف اتنا کام ہوگا

اک حسین سندرپی پری کوڑھوٹنا ہوگا

اس کی آنکھوں میں ایک خواب کہانی ہو

اس کی ناگن رنوں میں ایک رات سہانی ہو

اس کے ہر عمل سے ظاہر ایک قربانی ہو

میں اسے تلاش نہیں کر پایا آج تک

لاکھ چہرے گزرا آنکھوں کے راستے دل تک

پروہ کون ہے جو آنکھوں کے راستے پہنچ پائے گی دل تک

مجھے وہ حسین پسنا لا دو

مجھے کوئی سندر اپنا لا دو

جسے میں پیار کر سکوں مجھے وہ سندر گزرا لا دو

جس کے ہونٹوں پر لالی ہو

جس کا دل ہر کسی سے خالی ہو

اس میں صرف میرا ہی نام ہو وہ میری ہی ہم خیالی ہو

اب تو کچھ بول رہے تو کب تک چپ رہے گا

اور آنکھوں میں میری دیکھتا رہے گا

میں تو کچھ عجیب نہیں مانتا تجھ سے جو نہیں دے گا

بس ایک پیغام دوں گا

میرا ستم یہاں ہے اس کا اپنا سلام دوں گا

عابد علی جعفری۔ کنڈیاں

تو بھی اک محبوب رکھتا ہے

چلو ہم دونوں میں کوئی اک قدر تو مشترک ٹھہری

اک پیار کرنے والا ہے

اک پیار کرنے والے کے دکھوں کو جان سکتا ہے

فراق و ہجر میں جلتے ہوئے بدنوں کو پہچان سکتا ہے

تو پھر ایسا کریں دونوں اک سودا کریں دونوں

زمین پہ تیرا اک بندہ ہے تو وہ مجھے دے دے

تو میری زندگی لے لے تو میری زندگی لے لے

مجھے اس آج کے بدلے تیرا کل نہیں لینا

مجھے اپنی کسی نیکی کا اس دن کوئی پھل نہیں لینا

شاہد کامران۔ سلا نوالی

غزل

کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا

بنا چاہت کے رب بھی اسے نہ بدلا

مجھے تھے ہم میکدے میں کہ خوب اپنی لیں گے

مگر اس کے ہاتھ سے ہمیں جام سپو نہ ملا

کسی آنکھوں سے تو ہر لمحہ پکا ہے خون

وہ کہتے ہیں سرے گلابوں کو تو لبو نہ ملا

اس جہاں میں تو مستقل بلبل کو بھی میسر نہیں گل

پھر گلہ کیسا کہ لیجے کو مجھوں نہ ملا

سنا ہے ہر چیز کی جاتی ہے دانش دعا سے

ہم نے تمہیں بارہا مانگا تو پھر تو کیوں نہ ملا

شاہد محمود دانش۔ جانیانوالہ

کاش

تیرے خوابوں کی تعبیر میں ہوتا

تیرے ہاتھوں کی لکیروں کا

مقدار میں ہوتا

جسے خیالوں میں تو قید رہتا

وہ خوش نصیب تصور میں ہوتا

خونفک ڈائجسٹ 192

مجھے یہ شعر پسند ہے

پتہ نہیں کیوں تیری وفا پہ اتنا یقین ہے اے ایم
ورنہ حس والے تو خود سے بھی وفا نہیں کرتے
وسیم اکرم۔ پانڈو وال
ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
نگاہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہوں گے
اقصد فراز۔ منڈی بہاؤ الدین۔
جس کو دیکھا پیار میں روتے ہوئے دیکھا ساقی
یہ محبت تو مجھے کسی فقیر کی مدد دعا لگتی ہے
سرفراز۔ کٹھ سنگھ مال خوشاب
پرکاش کر اظہار محبت نہیں کرتا
اڑتے ہیں تو اڑ جائیں کبوتر میری چھت ہے۔
سرفراز۔ خوشاب
کیسے کرو گے تم میری چاہت کا اندازہ
میرے پیار کا سمندر تیری سوچ سے گہرا ہے
قمر اعجاز گوندل۔ گوہرہ
ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دل کو روک لگایا جن کیلئے
ساحق انجم۔ گلشن پور
تو نے یونہی محسوس کیا ہے ورنہ دل میں کچھ بھی نہ تھا
بس ایک تیری چاہت تھی اور وہ بھی غیر شعوری تھی
عثمان دھمی گلشن پور
تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
محمد کنول لاہور
آج بازار میں پھول بکتے دیکھے تو قدم رک سے گئے
کرنے لے آئے بار کہا تھا محبت پھول جیسی ہوتی ہے

مجھے یہ شعر پسند ہے

مگر تیری دید میں آنکھیں جھکا نہیں سکتا
ایک طرف میری محبت ہے سجاد
خود کو سزا سے بچا نہیں سکتا
سجاد علی وہم تھل
اگر ہوتی خون کے رشتوں میں وفا اے دوست
تویوں نہ بکتا یوسف مصر کے بازاروں میں
تو یہ حسین کھوٹ
رکھا جب جدے میں سر تو احساس ہوا
کہ دلوں میں خدا کو بسا یا نہیں جدے میں کس کی تلاش ہے
تزیلہ حنیف۔ تلہ جوگیاں
محبوب میرے محبوب میرے تو ہے تو دنیا حسین ہے
جو تو نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے
محمد طفیل طونی۔ الکویت
مت بہاؤ آنسو ہے۔ قدروں کیلئے
جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ رونے نہیں دیتے
مرزا عامر نوید۔ منڈی بہاؤ الدین
اسی کا شہر وہی مدی وہ نصف
نہیں یقین تھا قصور ہمارا ہی نکلے گا
تزیلہ حنیف۔ تلہ جوگیاں
یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
جیسے عید ہو میرے بچپن کی
صدا حسین صدا کیلا سکے
دل کی دھڑکن کو فقط موش کا تقاضا ہے
یہ دنیا تو سانس لینے کی اجازت نہیں دیتی
رانا باجر علی ناز لاہور
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
پرنس عبدالرحمن گجر۔ نین رائی
ساری زندگی تنہائیوں کی نظر ہو گئی
تمام عمر غموں میں بسر ہو گئی
کیا دیا ہمیں اس زندگی نے
دشوار، تو دکھوں کو خبر ہو گئی

عابدہ رانی۔ گوجرانوالہ
لذت گناہ کی خاطر ہار دی تھی جس نے جنت ہادی
میری رگوں میں بھی اس آدم کا خون ہے
مریز بشیر گوندل گوجرہ
اس نے سمجھا ہی نہیں نہ سمجھنا چاہا
میں چاہتا بھی کیا تھا اس سے اسکے سوا
تزیلہ حنیف۔ تلہ جوگیاں
کسی کے چلے جانے سے کوئی مر نہیں جاتا
بس زندگی کے انداز بدل جاتے ہیں
قمر اعجاز گوندل گوجرہ
میں جدوں میں تیری عافیت کی دعا مانگوں گا
سنا ہے خدا یوفاؤں کو معاف نہیں کرتا
غلام فرید جاوید۔ حجرہ شاہ مقیم۔
ہوتی ہوگی میرے بوسے کی طلب میں پاگل آکاش
جب بھی زلفوں میں کوئی پھول سجاتی ہو گی
رائے اطہر مسعود آکاش
اس پھول نے ہی ہمیں زنی کر دیا
جسے ہم پانی کی جگہ خون دل پلاتے رہے
رانا نذر عباس۔ منڈی بہاؤ الدین
زندگی ایک قصہ ہے مگر عاشقی در بدر نہیں ہوتی
ہم سے مراد دوستی سکھادیں گے تم کو بادشاہی
محسن علی۔ ساہیوال
ہمیں ان سے اپنی امید ہے غالب
جو یہ بھی نہیں جانتے وفا کیا ہے
حماد ظفر بادی۔ منڈی بہاؤ الدین
نہ دیکھو ظالم نگاہ سے ہم کو
ہم پہلے بھی شکار ہو چکے ہیں کسی ظالم شکاری سے
نبی شیر رحمان۔ سردار گڑھ
میں سوچنا کہ تم چھوڑ دو گی تو ہم مر جائیں گے ندیم
وہ جس کی رہے ہیں جن کو ہم نے تیری خاطر چھوڑا تھا
شاہد ندیم۔ ڈاہرانوالہ
دل میں کتنے زخم ہیں کسی کو کیا

یہ اور بات ہے کہ ہم مکر کے جیتے ہیں رولانے والوں کے

محمد عرفان۔ پانڈووال
مانا کہ محبت کا روگ برا ہے ندیم اس کے سوا بھی ہزاروں غم ہیں اس جہاں میں
ندیم عباس ڈھکو۔ ساہیوال
تجھ کو مانے کی تمنا تو مٹادی ہم نے دل سے لیکن تیرے دیدار کی حسرت نہ گئی۔

فنکار شیر زمان پشاور
بہت سوچا بہت سمجھا بہت دیر تک پرکھا تنہا ہو کہ جی لینا محبت کرنے سے بہتر ہے
تزیلہ حنیف۔ ٹلہ بوگیاں
دل میں ہوتے ہم تو بھلا نہ پاتے وہ ذہن سے اکثر باتیں نکل ہی جاتی ہیں
تزیلہ حنیف۔ ٹلہ بوگیاں
یہ کس وقت تجھے پیار کی سوچھی لپٹ گئے ہو جنازہ بھی نہیں اٹھانے دیتی
لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

بہت رویا وہ جب احساس ہوا سے اپنی غلطی کا
چپکے کہہ دیتے ہم اگر چہرے پر ہمارے گفن نہ ہوتا
لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان
دل بہ بہ بہ بھر جائے کوئی اپنا بچھڑ جائے
تو دل بیسے لوتارے ہی لیے مجھے روٹھنے نہ دینا
راجہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
تیری آنکھ سے دل تھک کا سفر کرنا ہو گا
مجھ کو پرکشی خوبصورت منزلوں کا سفر کرنا ہو گا
اگر تم روٹھ جاؤ تو ہماری جان نکل جائے
مگر یہ خود ہی سوچو تم میں اتنا حوصلہ ہو گا
عائشہ رحمن۔ کبیر والا

میں شجر تھا شجر ہی رہا
وہ بدلتے رہے موسموں کی طرح
محمد اسحاق انجم۔ ننگن پور

محبت سوز ہوتی ہے محبت ساز ہوتی ہے
محبت دودلوں کا حقیقی راز ہوتی ہے
محسن عزیز حلیم۔ کوٹھ کاراں

اپنی رحمت کے خزانوں سے عطا کر مالک خواب اوقات میں رہ کر نہیں دیکھے جاتے
راجہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
روٹھ جانے کی ادا ہم کو بھی آتی ہے کاش کوئی ہوتا ہم کو بھی منانے والا
عبادت علی۔ ڈی آئی خان

لکھا تو تھا کہ خوش ہوں دوستوں کے بغیر
تسو مرقلم سے پہلے ہی گر گیا
عبادت علی۔ ڈی آئی خان
محبت کے اندھیروں میں پتھر بھی پھسل جاتے ہیں
غیروں سے کیا کہنے اپنے بھی بدل جاتے ہیں
افغان محمود۔ رکن سنی

تیرے بغیر نہ گزرے گی عمر اے دوست میں کیا کروں گا زمانے کی دوستی لے کر
افغان محمود۔ رکن سنی
تو نے دیکھا ہے کبھی صحرا میں جھلسا ہوا چیر
اپنے جیتے ہیں وفاؤں کو نبھانے والے
تو کبھی دیکھنا ان کی صبحوں کو عاشی کتنا روتے ہیں
اوروں کو ہنسانے والے

عائشہ رحمن۔ کبیر والا
گرم گرم روٹی توڑی نہیں جاتی
دوستی پھول ہوتی ہے چھوڑی نہیں جانی
افغان محمود۔ رکن سنی
لا سے ابتداء کی خداپے انتہا
اے محمد ﷺ آپ کا وسیلہ میرے کام آگیا
عطا اللہ شاد۔ جڑانوالہ

ان کی یادوں نے شام تنہائی میں اس طرح گھیرا مجھ کو
راستے تو پہلے بھی ویران تھے اب اندھیرے بھی ہیں
رکنس ارشد۔ ڈی آئی خان

چاہے کی کرنوں سے میرے دل میں اجالا کر دو
 کڑی دھوپ میں مجھ پر اپنی زلفوں کا سایہ کر دو
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 یا بات ہے جو کھوئے کھوئے سے رہتے ہو اسد
 جس لفظ محبت سے محبت تو نہیں کر بیٹھے
 اسد اشرف۔ گوجرہ چینی
 کہتا ہے میں تیرے جسم کا سایہ ہوں ایس
 لیے شاید اندھیروں میں ساتھ چھوڑ گیا
 رئیس ساجد۔ خان بیلہ
 د چادر میں چھپا کر شب بھر جاگتی رہتی ہے
 گس کو یاد کرتی ہے سخت نیند کا بہانہ کر کے
 رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
 د کی چاہتوں نے دیئے اس قدر فریب
 ت کر دتے رہے ہر اجنبی کے ساتھ
 رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
 دئی گھ نہیں تیرے بدل جانے کا
 تے میں کو تو پرندے بھی چھوڑ دیتے ہیں
 رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
 ری پلکوں کا اب خند سے کوئی تعلق نہیں رہا
 کسی اور کا ہے اسی سوچ میں رات گزر جاتی ہے
 رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن
 کو خبر ہوئی نہ زمانہ سمجھ سکا
 ا چکے چکے تجھ پر گئی یاد مر گئے
 محمد اسحاق انجم۔ ننگن پور
 می نہ ٹوٹنے والا ہمار بن جاؤں گا
 میری ذات میں رہنے کا فیصلہ فرم کرے
 محمد اسحاق انجم۔ ننگن پور
 ارے ساتھ رہنا بھی مشکل ہے بہت
 بن تمہارے بھی ہم رہ نہیں پاتے
 محمد اسحاق انجم۔ ننگن پور
 ے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
 تو ج ہے مگر بات ہے رسوائی کی

محمد اسحاق انجم۔ ننگن پور
 یاد آتے ہو تو کچھ بھی کرنے نہیں دیتے
 اچھے لوگوں کی یہ ہی بات بری لگتی ہے
 عدنان عاشق پریم۔ گوجر خان
 رات پوری جاگ کر گزار دوں تیری خاطر دوست
 اک بار تو کہہ کر دیکھ مجھے تیرے بنا نیند نہیں آتی
 عدنان عاشق پریم۔ گوجر خان
 مت ہونا مخلص کسی کے لیے اس دنیا میں اے پریم
 کسی کیلئے جان بھی گنوا دو تو کہتے ہیں زندگی ہی اتنی تھی
 عدنان عاشق پریم۔ گوجر خان
 زندگی کا یہ رنگ بھی کتنا عجیب ہے
 برباد جتنا کیا ہمیں عزیز بھی اتنا ہے
 بابر علی سحر۔ سمندری
 نجانے کس رہزن صنم کی تلاش میں تھا وہ
 کل شب لوٹ لیا جو قافلہ رہبروں نے
 بابر علی سحر۔ سمندری
 مجھ سے شکوہ تو کوئی نہ ہوا لیکن ابھی ابھی
 عمر بھر تپاؤں میں گی اسے کچھ یادیں ایسی چھوڑ آیا ہوں
 بابر علی سحر۔ سمندری
 اس کو یوفا کہہ کر اپنی ہی نظروں سے گر جاتے ہیں ہم
 وہ پیار بھی اپنا تھا وہ پسند بھی ہماری اپنی تھی
 پروفسر شاہ علی شام۔ چیچہ وطنی
 ہمیں حسرت تو بہت تھی تجھے ہانے کی سحر
 بس ایک محبت ہی تھی ظالم جو برباد کر گئی
 بابر علی سحر۔ سمندری
 پھولوں پہ سونے والے کانٹوں پر سو رہے ہیں
 خاموش رہنے والے بدنام ہو رہے ہیں
 محمد رضوان۔ گانوالہ
 تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے یوں چھوٹ جائے گا
 اگر مجھ کو خبر ہوتی اسے زنجیر کڑیے
 عدیل ارشد عادی۔ بھلولال
 وہ بھی ایک دن بنا دیکھے گزر جائیگا

کچھ سوچ کر ہم بھی اسے آواز نہ دیں گے
 ----- عبدالمنان۔ انگ
 کبھی نہ کبھی وہ میرے بارے میں سوچے گا تو روئے گا
 کہ کوئی خون کا رشتہ بھی نہ تھا پھر بھی وفا کرتا رہا
 ----- رئیس ساجد کاوش۔ خان بیلہ
 کسی کو ہے جنت کی چاہ تو کوئی ہے دل کے غموں سے
 پریشان
 ضرورت سجدہ کرداتی ہے عبادت کون کرتا ہے
 ----- محمد سجاد زین۔ کوٹ ادو
 لٹکائے ہوئے رکھا ہے سولی پر
 اس عشق سے بڑا کوئی جلاہ نہیں دکھا
 ----- افضل عباسی۔ راولپنڈی
 وفا وہ کھیل نہیں جو چھوٹے دل والے کھیلیں
 روح تک کانپ جاتی ہے خفا جب یار ہوتا ہے
 ----- افضل عباسی۔ راولپنڈی
 جگلے سے لپٹے ہیں بجلی کے ڈرے
 میرے مولا یہ گھٹا دہلن تو برسے
 ----- غلام نبی نورانی۔ کھڑیاں خاص
 آؤ اک سجدہ کریں عالم مدحوش میں
 لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں
 ----- عامر امتیاز نازی۔ سموٹ
 دل گمراہ کو اسے کاش یہ پتا چل گیا ہوتا
 محبت وہی نہیں تب تک جب تک ہو نہیں جاتی
 ----- اسد شہزاد۔ گوجرہ
 لفظوں کو زنجیر میں پروانا بہت مشکل ہے اگر
 ہم نے زمانے سے یہ سنا بھی سیکھ لیا ہے
 ----- محمد زبیر واصف۔ واہ کینٹ
 چہرے اجنبی ہو بھی جائیں تو کوئی بات نہیں ہم
 رویے اجنبی ہو جائیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے
 ----- عمر دراز آکاش۔ جڑوالہ
 معصوم نظر بھولا مکھڑا چہرے تبسم شوخ ادا
 تو یہ عام ہے وہ حسین تجسم کیا ہو گا

مسز زبیر صائم۔ چوک۔ سرور شہید
 رات بھر کمرے کا دروازہ اور کھڑکی کٹی رہی
 ہوا ان کے آنے کا سند یہ دیتی رہی
 ----- بشیر احمد بھٹی۔ بہاولپور
 صرف چہرے کی اداسی سے بھرتے آنکھوں میں آنسو
 دل کا عالم تو ابھی اس نے دیکھا ہی نہیں
 ----- اشتیاق احمد۔ ارزانی پور
 چلو ڈھونڈتا ہوں کوئی ایسی وجہ کہ دل بہل جائے
 تم بن اگر پھر بھی نہ سنبھل پائے تو کیا لوٹ آؤ گے تم
 ----- اسد شہزاد۔ گوجرہ
 بے نشان منزلوں کے سفر پر نکلے گئے تو جانو گے
 دوں کے مسافر رات کو سونا کیوں بھول جاتے ہیں
 ----- ابرار احمد۔ مگھو منڈی
 جب جب اسے سوچا ہے دل تھام لیا میں نے
 انسان کے ہاتھوں سے انسان پہ کیا گزری
 ----- آرنیازی۔ گوجرہ
 جب لیتی ہوں تیرا نام تو اٹھ جاتی ہوں سانسوں سے
 سمجھ نہیں آتی زندگی سانسوں سے ہے یا تیرے نام
 سے
 مسز زبیر صائم۔ چوک۔ سرور شہید
 بہت عزیز ہیں آنکھیں میری اسے لیکن
 وہ جاتے جاتے انہیں کر گیا ہے پریم
 ----- محمد اسحاق انجم۔ کلنگن پور
 شام ہوتی ہے چراغ بجھا دیتا ہوں
 دل ہی کالی ہے تیری یاد میں جلنے کے لیے
 ----- محمد اسحاق انجم۔ کلنگن پور
 کاش کے اب کے برس میں کامیاب ہو جاؤں
 تجھ کو پانے میں یا تجھ کو کھونے میں
 ----- محمد اسحاق انجم۔ کلنگن پور
 کہو ان کالی گھٹاؤں سے جھوم کر
 کسی کے شانوں پر زلف حسین بکھرتی ہے
 ----- محمد اسحاق انجم۔ کلنگن پور

روز دیتے ہوئے وہ کہتی ہے زندگی مجھ سے
 صرب اک شخص کی خاطر مجھے برباد نہ کر
 لقمان حسن۔ ذریہ اسماعیل خان
 الجھاری ہے مجھ کو یہی کشمکش مسلسل
 وہ آہا ہے مجھ میں یا میں اس میں کھو گیا
 لقمان حسن۔ ذریہ اسماعیل خان
 کفن کی گرہ کھول کے میرا دیدار تو کرلو
 بند ہو گئیں وہ آنکھیں جن کو تم رولایا کرتی تھی
 لقمان حسن۔ ذریہ اسماعیل خان
 مثل شیشہ ہیں ہمیں تھام کے رکھنا ایس
 ہم تیرے ہاتھ سے چھوٹے تو بکھر جائیں گے
 ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں
 ہم تو پھول کی ان پتیوں کی طرح ہیں ایس
 جنہیں خوشی کی خاطر لوگ قدموں میں بچھا لیتے ہیں
 ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں
 سوکھے پتوں کی طرح بکھرے ہیں ہم تو ایس
 کی نے سمیٹا بھی تو جلانے کیلئے
 ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں
 عارف رفیق تیری آنکھ جس سے لڑی ہے
 جس سے لڑی ہے وہ دور رہتی ہے
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 نوئی قبر پر بال بکھیرے جب وہی مہ جین روتی ہے
 اکثر مجھے خیال آتا ہے موت کتنی حسین ہوتی ہے
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 فکر معاش۔ ماتم جاناں اور عم دل
 آج سب سے معذرت کہ موسم حسین ہے
 محمد وقاص احمد حیدری۔ سہگل آباد
 دل کا روگ تھا نہ یادیں تھیں نہ ہی یہ سحر تھا
 تیرے پیار سے پہلے نیندیں بڑی کمال کی تھیں
 محمد وقاص احمد حیدری۔ سہگل آباد
 عطر کی شیشی گلاب کا پھول
 شہزادہ کا خدا کا رسول ﷺ

افغان محمود۔ رکر۔
 تاروں میں چمک پھلوں میں رنگت نہ رہے گی
 ارے کچھ بھی نہ رہے اگر محمد ﷺ کا میلاد نہ رہے گا
 افغان محمود۔ رکن
 ادھر آستم گر ہنر آزمائیں
 تو تیرا تما ہم جگر آزمائیں
 محمد علی چھتر۔ آزاد کشمیر
 آج کیوں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں مجھ سے
 تیرے پاس تو لفظوں کی جاگیر ہوا کرتی تھی
 محمد علی چھتر۔ آزاد کشمیر
 کن لفظوں میں بیان کروں اپنے دل درد کو علی
 سننے والے تو بہت ہیں سمجھنے والا کوئی نہیں
 محمد علی چھتر۔ آزاد کشمیر
 ہم جیسے برباد دلوں کا جینا کیا مرنا کیا
 آج تیرے دل سے نکلے ہیں کل دنیا کے نکل جائیں
 محمد علی چھتر۔ آزاد کشمیر
 یہ شرط محبت بھی عجیب ہے وہی
 میں پورا اتروں تو وہ معیار بدل دیتے ہیں
 وقاص اینڈ شہزاد۔ گوجرہ
 آنکھوں میں جیا ہوتا پردہ دل کا ہی کافی ہے راجہ
 نہیں تو نقابوں سے بھی ہوتے ہیں اشارے محبت کے
 راجہ کامران راجہ۔ کسووال
 اجالے اپنی یادوں کے ہمارے پاس رہنے دو
 نبھانے کس کلی میں زندگی کی شام ہو جائے
 رخسار احمد۔ کوٹھا صوابی
 کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
 تو میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کر
 شکیل خان۔ کوٹھا صوابی
 خوش رہنا بھی چاہوں تو رہ نہیں سکتا
 کیونکہ غموں نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے
 محمد عدنان۔ بہاؤ
 میں کیا خود سے اسے پکاروں کہ لوٹ آ

کیا ہے خبر نہیں کہ میرا دل نہیں لگتا اس کے بغیر
 ہر روز ہم اداس ہوتے ہیں اور شام گزر جاتی ہے
 اک روز شام اداس ہوگی اور ہم گزر جائیں گے
 میں نے پوچھا ہے تجھے تیری عبادت کی ہے
 تجھ کو چاہا ہے صنم تم سے محبت کی ہے
 عبادت علی۔ ذی آلی خان
 تو اشک بن کر میری آنکھوں میں سدا جا
 میں آئینہ دیکھوں تو تیرا عکس بھی دیکھوں
 جو نیازی رہے خواب میں آنے سے بھی خائف
 آئینہ دل میں اسے موجود ہی دیکھوں
 آکھوں کی طرح راز ہے کھلتا بھی نہیں
 وہ سلاب بھی بن جاتا ہے دریا بھی نہیں
 اس شخص کے پہلو میں سوا کتنا ہے
 جب کہ گرجائیں مندر نہیں کعبہ بھی نہیں وہ
 عاتشہ رحمن۔ کبیر والا
 تیرے حسن کا روپ چھایا پھولوں کی خوشبو میں
 مت چھپا اپنا چاند سا چہرہ اپنی کالی زلفوں میں
 سید عارف شاہ۔ جہلم
 زندگی کے حسین سفر میں انسان بدل جاتے ہیں
 سانسی دامن چھڑا کے کہیں دور نکل جاتے ہیں
 کون کہتا ہے تیری چاہت ہے یہ خبر ہوں
 بستر کی ہر شکن سے پوچھو کیسے گزرتی ہے رات
 حسن عزیز حلیم۔ کوئٹہ کلاں
 مت بہاؤ آنسو بے قدروں کیلئے
 جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ رونے نہیں دیتے
 مرزا عامر نوید۔ منڈی بہاؤ الدین
 اسی کا شہر وہی مدنی وہ منصف
 ہمیں یقین تھا قصور ہمارا ہی نکلے گا

تنزیلہ حنیف۔ ملہ جوگیاں
 یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
 جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی
 دل کی دھڑکن توفیق ہوش کا تقاضا ہے
 یہ دنیا تو سانس لینے کی اجازت نہیں دیتی
 رانا بابر علی ناز۔ لاہور
 دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
 پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
 پرنس عبدالرحمن گجر۔ منیر رانجھا۔
 ہادی زندگی تنہائیوں کی نظر ہوگئی
 تمام عمر غموں میں بسر ہوگئی
 کیا دلیا ہمیں اس زندگی نے
 خوشیاں ملی تو دکھوں کو خبر ہوگئی
 عابدہ رانی۔ گوجرانوالہ
 لذت گناہ کی خاطر باردی کسی جس نے جنت ہادی
 میری رگوں میں بھی اس آہ کا خون ہے
 مرزا مجید گوندل۔ گوجرہ
 اس نے سمجھائی نہیں نہ سمجھا چاہا
 میں چاہتا بھی کیا تھا اس سے اسے سوا
 تنزیلہ حنیف۔ ملہ جوگیاں
 کسی کے ملے جانے سے کوئی مر نہیں جاتا
 بس زندگی کے انداز بدل جاتے ہیں
 قمر اعجاز گوندل۔ گوجرہ
 میں سجدوں میں تیری عافیت کی دعا مانگوں گا
 سنا ہے خدا بیوفاؤں کو معاف نہیں کرتا
 غلام فرید جاوید۔ حجرہ شاہ مقیم
 ہوتی ہوگی میرے بوسے کی طلب میں پاگل آکاش
 جب بھی زلفوں میں پھول سجائی ہوگی
 رائے اطہر مسعود آکاش
 میرے وعدوں کو اس نے مذاق سمجھا
 میرے پیار کو اس نے جذبات سمجھا

خطوط کو فناک

السلام علیکم امید ہے کہ خوفناک ڈائجسٹ کا پورا اسٹاف ہی خیریت سے ہوگا اور فروری خوفناک میں میرا پہلا لیٹر ہے یہ بھی ایک دوست کی حوصلہ افزائی سے لکھ رہا ہوں اور امید ہے کہ بندہ ناچیز کو شمارے میں جگہ ضرور ملے گی فروری کے شمارے میں سب سے پہلے۔۔۔ خونی صحرا محمد ندیم عباس میواتی چٹوکی ویری گڈ اچھی سنوری تھی پڑھ کر بہت مزہ آیا مجھے تو خوابوں میں بھی شکر ام دیو دکھائی دے رہا ہے۔ بابا بابا۔ کہاں چلے گئے ہوندا میواتی جی جلدی واپس آ جاؤ ورنہ اب انعم شہزادی کو کون بجائے گا انعم تلاش کر رہی ہے آپ پھولوں کے شہر سے ہو مگر پھر بھی یہ پھولوں کا گلہ سہ قبول کر لیجئے۔۔۔ اسنی جی امتیاز کراچی۔ بس الفاظ کا کمال تھا۔۔۔ کوئی چاند رکھ میری شام پر بھی خوبصورت الفاظ کا کمال تھا۔۔۔ شیطان کی بیٹی عثمان غنی پشاور گڈ جا رہی ہے اس طرح ہی لکھتے جا میں بانی سنوریاں بھی پسند آئیں مگر اس بار خطوط غائب تھے پلیز پلیز خطوط ضرور شائع کیا کریں سارا مزہ ابی تو خطوط کی محفل میں ہوتا ہے جیسا کہ اسٹاف شمارے میں میرا خط بھی مزہ دے رہا ہوگا انشاء اللہ قارئین مجھے دیکھ کر نامت بھولیں گے کیونکہ میں اب خوفناک میں اپنے قدم جمارہا ہوں اور بہت جلد ایک سنوری لے کر حاضر خدمت ہوں گا میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ خوفناک کو دن و گنی رات چوٹی ترقی دے آمین۔

محمد انس بن فخر ہاؤ لینڈی

السلام علیکم۔ اس بار خوفناک آپ کے وعدے کے باوجود تیرہ فروری کو ملا بہت انتظار کرتا ہے یہ ڈائجسٹ یہ واحد ہے جس میں میں لکھ رہا ہوں جبکہ یہ رسالہ لیٹ ہو جاتا ہے تو مجھے عجیب سی بے چینی ہونے لگتی ہے آپ کی بہت مہربانی ہوگی اس کو جلدی شائع کیا کریں تاکہ اس کو پڑھ کر ہم اپنی رائے آپ تک پہنچا سکیں مجھے اس مابینامہ سے اتنا پیار ہے کہ دل کرتا ہے ہر روز اس رسالے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھ کر آپ تک پہنچاؤں اس کے علاوہ میں نے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں ان میں کچھ مختصر بھی ہیں اور طویل بھی پلیز بھیا ان کو جلد از جلد شائع کریں بہت مہربانی ہوگی اس کے بعد میں نے ایک کہانی تیار کر رکھی ہے یہ اتنی بڑی تو نہیں مگر کچھ پر اہم ہوگئی ہے جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً اس کہانی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا ایک حصہ میں بھیج رہا ہوں اور دوسرا بھی آپ کو مل جائے گا اب بات ہو جائے کچھ رسالہ کے بارے میں سرورق اس مرتبہ جاذب تھا فہرست میں دیکھا تو دل بارغ باغ ہو گیا کیونکہ خوفناک واقعات میرا پسندیدہ سلسلہ ہے جب میں چھوٹا سا تھا تو یہ سلسلہ میں بہت شوق سے پڑھتا تھا پھر نا جانے کیوں بند ہو گیا اب جب اس سلسلے کو اتنے مہینوں بعد دیکھا تو بہت خوشی ہوئی مگر غم ایک بات کا ہوا کہ خطوط غائب تھے سر سے ہی پتہ نہیں کیوں مگر تھے میں خطوط کی محفل میں بغیر رسالہ پھیکا پھیکا سا لگتا ہے اگر آپ کے پاس صفحہ کم ہیں تو دس پندرہ اور بڑھالیں آپ بھیا کی بہت مہربانی ہوگی اس کو شائع کر دینا اس دفعہ صرف اتنا ہی کافی ہے اجازت دیں اللہ حافظ۔

تنظیم عباس ڈوگر کسودال

اسلام علیکم بھائی جان صدا خوش رہو آباد رہو آمین ابھی ابھی ماہ جنوری کا خوفناک ملا ہے پڑھا تو چند دنوں میں ہی رسالہ پورے کا پورا پڑھ لیا اس کی ایک وجہ ہے کہ جب میں یہ رسالہ پڑھنا شروع کرتا ہوں تو دل کرتا ہے کہ اس کو پڑھتا ہی چلا جاؤں ایک کہانی کے بعد دوسری کہانی اس میں اس قدر رکھو جاتا ہوں کہ پھر وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا اتنا پیارا رسالہ ہے کہ اس کی کیا تعریف کروں اس رسالے کو پڑھتے پڑھتے ہی مجھے لکھنے کا جنون پیدا ہوا تھا اور میں نے لکھنا شروع کر دیا تھا اور میں نے کچھ کہانیاں بھی لکھ کر بھیجی ہیں ان کی باری لے آئیں آپ کی مہربانی ہوگی مجھے پوری امید ہے کہ آپ ضرور ان کو شائع کریں گے۔

محمد حامد سرور۔ خانوالہ

اسلام علیکم ریاض بھائی کیا حال ہے امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی ٹھیک ہی ہوں گے فروری کے شمارے کے لیے کافی انتظار کیا ایک دفعہ تو بالکل ہی مایوس ہو گئے تھے لیکن پھر کرشمہ قدرت اور دھڑکتے دل کے ساتھ فہرست دیکھی تو اس دفعہ بھی کہانی نہ پا کر سخت مایوسی ہوئی انکل جی پلیز اب تو ہمارا نمبر لگا دیں کہیں اس کے انتظار میں ہم غلط نہ کر بیٹھیں اب نیورائٹرز کو بھی آگے بڑھنے کا موقع دیں تو جی اب بات ہو جائے اس مادہ خوفناک میں شامل کہانیوں کی تو جناب سب سے پہلے افراناز کی سنوری بڑھی اس کے بعد اپنے پیارے بھائی ندیم عباس میواتی کی کاوش خونی صحرا پر بھی زبردست تھی اس کہانی میں محبت اور در پیلو بینک وقت میں پڑھنے کو ملے ہیں وہ پلٹن بھائی چھانگے ہیں آپ اس طرح مزید کہانیاں لکھتے رہیں اس سے علاوہ طفیل احمد کی تیرے سب نے بھی کافی متاثر کیا آبی بی بی کے رائٹرز کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ان کی کہانی کی تعریف سورج کو چراغ دیکھانا ہوگا ان کا اس ڈائجسٹ میں آنا خوش آئین بات ہے باقی مختصر کہانیوں میں کنویں کے کونے و فوار کیا اچھی کہانی تھی اس دفعہ کہانیوں کا شامل چار پانچ سال پرانا تھا اور عجیب بھی ایک بات اور میں نہ نیم جلا سہ میواتی۔ غادر شاہ۔ مصباح کریم میواتی وغیرہ کے گروپ میں جو کہ شاہین گروپ کے نام سے مشہور ہے شامل ہونا چاہتا ہوں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے گروپ کے تمام اصول و ضوابط پر عمل کروں گا امید ہے کہ مایوس نہیں ہوں گا کہیں آپ سے ملے گی اور بے عیب دوستی کرنا چاہتا ہوں انکل پلیز ہماری کہانی کو بھی جگہ دیں امید کرتا ہوں آپ اسے ضرور جگہ دیں گے آخر میں ابو ذر غفاری ابو طلحہ عبد اللہ۔ اور پروفیسر محمد اختر علی بلوچ برادر زکو سلام دعا ہے کہ رسالہ مزید ترقی کرے آمین اور سب خوش رہنے اپنے زندگی میں اللہ حافظ۔

ابو ہریرہ بلوچ بہاولنگر

اسلام علیکم۔ فروری کا شمارہ دس ضروری کو ملا اور ملا بھی مغرب کے بعد اس کے آنے سے خوشی میں نے جلدی جلدی کام سمیٹنے کی کوشش کی جس پر ماما سے ڈانٹ بھی پڑی مگر پروا نہیں کی کیونکہ میری سن پسند کی سنوری جو آچکی تھی خیر رات دس بجے جا کر فارغ ہوئی جلدی سے اپنے کمرے میں جا بھی شمارہ نکالا جلدی سے سرفہرست دیکھی تو میری مطلوبہ سنوری صفحہ چودہ پر خونی صحرہ کے نام سے چمک رہی تھی جو کہ میرے پیارے بھیا ندیم عباس میواتی کی تھی خوفناک سگرام نے تو میری جان ہی نکال دی اتنا بیت ناک چہرہ اف اللہ میں تو کبھی میں ٹھس مٹی کچھ دیر بعد حوصلہ ہوا پھر سنوری پڑھنا شروع کی تو گلی کے ٹکڑے پر تھپی بالوں والی گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں والی ایک حسینہ نظر آئی میں تو حسینہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی کیونکہ وہ تو میری آپنی انعم شہزادی نکلی واوا آپنی واہ بڑی ترقی کر لی ہے واقعی آپ پرستان کی شہزادی لگ رہی تھی مغرور مت ہونا میرے بھیا بھی کسی شہزادے سے کم نہیں ہیں میرے بھیا سے سگرام جیسے دیوبھی مات کھا جاتے ہیں او شہزادی ذرومت تمہیں نہیں شیطان کے قدموں میں ذبح

ہونے دیتا آرہا ہے میرا بھائی۔ لو آگیا۔ ارے بھیا بھاگو بھاگو ورنہ مندر میں دب جاؤ گے شکر ہے نکل آئے تو اب صاف پانی سے نہالو ورنہ فلک کو بھی رنگین پانی کی حسرت ہوگی چلو گھر چلو آئی بہت پریشان ہے لونجی ابھی تک لوگوں کا جھوم لگا ہوا ہے چلو اپنے اپنے گھر آگئی انعم جی ہو خود غرض انعم میرے بھیا کو چھوڑ کر بھاگ کر ماما کے پاس چلی آئی لو اب سزا کرتی پھر میرے بھیا کو تلاش وہ جی واہ مزا آگیا میں سونے لگی ہوں ساڑھے گیارہ ہو چکے ہیں اگر بھیا ملے تو مجھے رابطہ کر لینا قارئین میرا پہلا خط ہے ویکم کرنا مت بھولیں گے بالخصوص بھائی ندیم میوانی۔ انعم شہزادی مصباح کریم۔ بھائی نادر شاہ اینڈ راشدہ فلک صاحبہ اگلے ماہ تک رب رکھا۔

ایمان فاطمہ منڈی بہاؤ الدین

اسلام ویکم میں خیریت سے ہوں امید ہے کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے میں خوفناک کا کافی عرصے سے خاموش قاری ہوں لیکن اب خاموشی تو زربا ہوں میرا آپ کسی بھی شمارے میں پہلا خط ہے ماہ فروری کا خوفناک پڑھا لیکن اس شمارے میں خطوط کو نہ پا کر دکھ ہوا پلیز خط ضرور شائع کیا کریں سنوریز میں سب سے پہلے بھائی ندیم عباس کی خونی حیرت انگیز کہانی تھی یہ لگتا ہے کہ نگرام دیو بھاگا آرہا ہے اور کہہ رہا ہو کہیاں۔۔۔ یہ خط اس بھائی میں اس کو چھوڑ دوں گا نہیں پایا۔۔۔ اس کے علاوہ شیطان کی بیٹی بہت اچھی جارہی ہے لیکن مونی۔۔۔ یہ کہانی شائع ہوئی ہے اس کا باقی حصہ بھی پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے اس کا بقیہ حصہ ہے تو ضرور شائع کریں۔۔۔ یہ خط اب قرض طاہر خالق آج بھی بی امتیاز احمد کراچی ابھی تحریریں تھیں آپ نے خطوں کے جواب دینا شروع کیا ہے میں ضرور بہ ضرور جاری رکھیے گا اس کے علاوہ شعر بھیج رہا ہوں پلیز ضرور شائع کرنا۔

محمد بلال کمر ساہیوال

اسلام ویکم۔ فروری کا شمارہ اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں بالکل بھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیے کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔۔۔ آپ کی تم نم نشاد۔ اور آپ کی سہاگل دعا بخا دی۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ سے ان اشعار میں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپ کی تم نم نشاد اور آپ کی سہاگل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کو شائع کیا کریں باقی ریاضی انکل تھا میرے ہمسائے ہیں ایک محلے میں ہی وہ رہتے ہیں تو دوسرے محلے میں ہیں لیکن وہ خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارکبادیں۔۔۔ یہ دونوں تمام کہانیاں اچھی تھیں ارتج تمنا آپ کو ایک دوست کی اشد ضرورت ہے تو دوسری طرف سخت محنت کی بھی اشد ضرورت ہے خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہو گا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔

اے ایم وقاص احمد گجر پورہ لاہور

اسلام ویکم۔ مارچ کا شمارہ ملا خوبصورت ناسخ کے ساتھ ہاتھوں کی زینت بڑھا رہا ہے فروری کے شمارے میں میری سنوری خونی جھجھکا جن دوستوں نے پسند کی اور میری حوصلہ افزائی کی میں ان کا انتہائی مشکور ہوں بالخصوص۔۔۔ بھائی خالد شیبان بہت بہت شکر یہ مگر آپ کی سنوری مجھ کیوں شائع نہیں ہو رہی ہے آخر کیا وجہ ہے میں بہت شوق۔۔۔ تمنا ہوں پلیز جو بھی وجہ ضرور بتائیے۔۔۔ آر کے ریحان شکر یہ جی آپ کی سنوری بہت ہی خوبصورت انداز میں منزل کی طرف بڑھ رہی ہے لکھتے رہنا یاد۔۔۔ وارث آصف شکر یہ بزم موت گند

سنوری تھی۔۔۔ مصباح کریم میواتی جی شکر یہ آپ ہماری خطوط کی محفل کی جان ہو پلیز لوٹ آؤ۔۔۔۔۔ انعم شہزادی اینڈ آپلی ماہ نور اب تو خوش ہوا اچھا جی کو انکل جانج کے پاس بھیجتے رہتا اور آپ بھی اپنے وعدے پورے کریں۔۔۔۔۔ ابو ہریرہ بلوچ شکر یہ میں آپ کی سنوری کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ لعل آپلی اقرار اینڈ راشدہ پورے والا آپ کی بے چینی دیکھ کر مڑہ آ گیا۔۔۔۔۔ میرے جانی نادر شاہ۔۔۔۔۔ طاہر عباس۔۔۔۔۔ ایم ظفر بہت شکر یہ۔۔۔۔۔ میری سوسین سی آپلی ایم فاطمہ منڈی بہاؤ الدین دل کی اتھا گہرائیوں سے سلام سنوری پسند کرنے پر شکر یہ آپ اپنے وعدہ پورا کریں آپ لکھو یہ رسالہ آپ کا اپنا ہے ضرور حوصلہ افزائی ہوگی۔۔۔۔۔ محمد عثمان معنی اینڈ سید ہماز احمد کراچی اچھا تبصرہ تھا۔۔۔۔۔ نظمیں ڈوگر مختصر کہانیاں اچھی تھیں گند لکھتے رہیں۔۔۔۔۔ سونیا اینڈ ابرار مگھو منڈی ونگم ان خطوط کی محفل۔ اب ہر ماہ حاضر رہنا سارے لہو معاد یہ خبر و نواب ہوگی حوصلہ افزائی گند سنوری تھی اب لکھتے رہنا میری سب سے پیاری آپلی سلمیٰ کریم میواتی جی بہت بہت شکر یہ میری حوصلہ افزائی کرینے کا اور سنوری کو پند کیا آپلی جان میں آپ کے بھتیجے نعمان حنیف کی برکھ ڈے پر ضرور آؤں گا بشرطیکہ اس ان میرا پیپر نہ ہو ورنہ معذرت چاہوں گا جی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوگا جس دن میں نے آپ کو اور آپ کی فیملی کی باتیں نہ ہوئی ہوں بہت مس کرتے ہیں یقیناً آپ بھی مس کرتی ہوں گی فاروق کمانڈو پتوکی بہت شکر یہ جی میری تمام پرانے لکھاریوں سے گزارش ہے کہ پلیز لوٹ آئیں خوفناک کی محفل ان کی راہیں تک رہی ہے۔

محمد ندیم میواتی پتوکی

میری طرف سے خوفناک کی تمام ٹیم کو سلام میں نئی رائٹر ہوں کالے جادو کا جنون میری دوسری کہانی ہے ضرور بتائیے گا کیسی لگی۔ ہے آپ کو خوفناک سایہ افرا نازی کہانی اچھی تھی اور خونی صحرا ندیم عباس میواتی پتوکی کی پڑھ کر اچھا لگا مصور عابد سعید آپ کی کہانی ایک دم الگ تھی بے اچھی تھی خوفناک حقیقت سید رضا آپ کی کہانی بہت مزے کی تھی پڑھ کر بہت اچھا لگا سونے کی مورلی۔ علی نصیب آپ کی بھی کہانی اچھی ہے خوب۔۔۔۔۔ ظہیر عباس آپ کی کہانی بھی اچھی تھی آسپی بی امتیاز احمد یہ جو آپ نے کہانی لکھی ہے یہ تقریباً سب جی ہی ہے ایسا ہوتا ہے میں یقین کرتی تو نہیں لیکن جو کچھ سننے کو ملتا ہے ماننا پڑتا ہے بے گناہ غلام بنی ساغر اولے ہوئے کیا سنوری ہے میں یہ سنوری پڑھ رہی تھی اور اس میں ایسا کھو گئی کہ پاس کھڑی بہن آوازیں دے رہی تھی اور میں سن ہی نہیں رہی بہت اچھی کہانی ہے شیطان کی بنی نعمان معنی ہائے کیا سنوری ہے الفاظ بھی تم ہیں آپ کی سنوری پڑھنے سے مجھے بے چینی سے انتظار رہتا ہے ریض انکل آپ بھی تم نہ ہوا کریں پلیز پلیز اس ماہ اپنے سنوری ضرور لکھئے گا سوری زیادہ لکھ دیا لیکن آئندہ لکھوں گی پلیز نظمیں عباس ڈوگر آپ مجھے ضرور بتائے گا میری سنوری کیسی ہے آپ سچ بولتے ہیں۔

کائنات عامر ڈسکہ

اسلام علیکم انکل جی آپ کیسے ہیں امید ہے کہ خیریت ہے ہوں گے مارچ کا شمارہ بہت ہی لیٹ ملا لیکن شمارہ بہت زبردست تھا۔ اچھا لگا جتنی کہانیاں تھیں سب بہت خوفناک اور زبردست تھیں دل ہلا دینے والی تھیں کہانی پڑھنے کے دوران بھی ڈر لگتا ہے سب غزلیں اور نظمیں بہت زبردست تھیں اور سب غزلوں اور نظموں نے شمارے کا مزہ ہی دو بالا کر دیا ہے شاعری بھی اچھی تھی سب اشعار بھی اچھے تھے اپنا شعر دیکھ کر خوشی ہوئی اور بس شمارے میں پھول اور کلیاں کی کمی تھی باقی تمام شمارہ سپر ہٹ تھا اپنے دو خط دیکھ کر خوشی انتہا دے بڑھ گئی انکل جی میں خوفناک ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتا ہوں یہ میرا پناہ سالہ ہے اور اسے بہت زیادہ محبت ہے مجھے۔

 خضر حیات۔ رانا شاہد محمود۔ رانا سلیم۔ حسن رضا۔ روزہ تھل
 اسلام علیکم امید کریں: اہوں کہ خوفناک کی پوری ٹیم بالکل خیریت سے ہوگی خوفناک ڈائجسٹ میں میرا پہلا بیج
 ہے اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو ضرور بھرور لکھوں گا مجھے خوفناک میں متعارف کروانے والے میرے بھائی
 راشد لطیف صبرے والے، جو ملتان میں رہتے ہیں ان کا بہت شکر گزار ہوں اپنوں نے مجھے اتنے اچھے رسالے
 سے متعارف کروایا ہے اب انشاء اللہ ہر ماہ پڑھا کروں گا انشاء اللہ خوفناک ڈائجسٹ اس میں موجود بہترین عمدہ
 کہانیاں غزلیں نظمیں حائشیں بہتر ہی اچھی ہیں دل کو بہت ہی اچھی لگتی ہیں اور میری دعا ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی
 ترقی کرتا رہے اور خدا سے نظر بد سے بچائے آمین۔ ڈائجسٹ میں تمام رائٹرز اچھا لکھ رہے ہیں خاص کر کے انکل
 ریاض احمد ان کی تو کیا ہی بات ہے پڑھ کر مزہ آ جاتا ہے خدا انکل ریاض صاحب کی لمبی عمر کرے آمین آخر میں
 تمام رائٹرز اور سٹاف کو میری طرف سے سلام ملے انکل جان میرا خط ضرور شائع کریں میں نے دل سے لکھا ہے
 میری طرف سے سب سلام۔

 کنول جی تنہا غفاری: مگلو منڈی
 میری طرف سے خوفناک کے سبھی قارئین اور رائٹرز کو سلام میں کافی عرصے سے خوفناک میں خط لکھ
 رہا ہوں اس کی دو وجہ ہیں پہلی وجہ یہ کہ ہر علاقہ میں خط بھیجنے کا ذریعہ نہیں ہوتا صرف میں ہی نہیں بہت سے ایسے
 لوگ ہو گئے جو خوفناک کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں مگر خط بھیجنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا اس مشکل کو حل کرنے کا میں نے
 سبھی قارئین کے لیے آسان ذریعہ نکالا ہے میں نے اس بارے میں ریاض انکل سے بات کی ہے جو بھی ایسے
 قارئین ہوں جو اپنا خط خوفناک میں شائع کروانا چاہتے ہوں تو وہ اپنا خط ریاض انکل کے نمبر پر بھیج کر دیا کریں
 جس سے آپ کا خط جلد از جلد شائع ہو جائے گا اور میری بات یہ کہ خوفناک اکیلا پڑھ گیا ہے سبھی رائٹرز اس سے چلے
 گئے ہیں اور دوسرے ڈائجسٹوں میں لکھ رہے ہیں بری افسوس کی بات ہے کہ جو رائٹرز گئے مگر اب ایسے رائٹرز بنے جو
 کسی تنقید کی وجہ سے لکھنا چھوڑ چکے ہیں وہ جلدی سے خوفناک میں واپس آ جائیں اور کچھ قارئین کا کہنا ہے کہ
 دولت آصف کی تنقید کی وجہ سے وہ لکھنا چھوڑ گئے ہیں مگر اس بار ہم نے آصف کو سمجھا دیا ہے وہ کسی پر تنقید نہیں
 کریں گے اس لیے جو قارئین میرا خط پڑھ رہے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ سب واپس آ جائیں اور خوفناک
 میں لگتا رہے ہیں اگر منصوبے میں میرے ساتھ خوفناک کے کچھ رائٹرز کام کر رہے ہیں جن میں فلک زاہد
 عثمان غنی۔ کاشف عبید۔ ندیم میواہی۔ وارث آصف۔ فکیل۔ نادر شاہ۔ اور بارون میرے یہ سبھی دوست انشاء
 اللہ خوفناک میں آپ لوگوں کے لیے بہتر سے بہتر کہانیاں لکھنے کی کوشش کریں گے اور باقی رائٹرز جو خوفناک میں
 لکھ رہے ہیں مگر ان کا نمبر نہیں تھا میرے پاس اس لیے ان سے رابطہ نہیں ہو سکا مگر اب سے اپیل ہے کہ وہ بھی
 خوفناک میں لکھتے رہیں اور سب رائٹرز جو خوفناک میں آنا چاہتے ہیں پلیز وہ بھی آئیں میں وعدہ کرتا ہوں
 خوفناک میں آپ سب کی حوصلہ افزائی ہوگی ریاض انکل میرا یہ خط ضرور پورا شائع کرنا تاکہ سب قارئین کو میری
 آواز پہنچ جائے اب اجازت چاہتا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ سبھی رائٹرز اور قارئین میری باتوں پر ضرور غور کریں
 گے جو قارئین میری سلسلے دہا کہانی ذر کے آگے جیت سے پسند کر رہے ہیں ان سب کا بہت بہت شکریہ اللہ حافظ

 آر کے: ریحان۔ خان پشاور
 اسلام علیکم مجھے امید ہے کہ آپ سٹاف ریڈر اینڈ رائٹرز سب خیریت سے ہوں گے اور انہی کہتے ہوئے
 موتیوں کی مالا پرور خوفناک کی دنیا کو چار چاند لگا رہے ہیں سسٹمز اینڈ براڈرز میں خوفناک میں کم ہی ہوتی ہوں اگر

لکھنا شروع کر دیا تو کوئی جیت نہیں پائے گا یہ بات یاد رکھنا میں بہت ضدی ہوں اگر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے کسی کو آگے نہیں جانے دوں گی مجھے غصہ بھی بہت جلدی آ جاتا ہے۔ اور پھر ایک چڑیل ہے جس کو میں ماسی کہتی ہوں اس کی کہانی لے کر آؤنگی جو کہ بچپن میں میرے ساتھ ٹھیلنا کرتی تھی اب تو وہ بیچاری بوڑھی ہو گئی ہوگی یہ ایک حقیقت ہے اور اگر وہ آگئی تو میں سب سے آگے ہی جاؤں گی میں اس کو چڑیل نہیں کہتی ماسی کہتی ہوں کیونکہ وہ ہمارے گھروں میں ہی رہتی ہے اور سب کی حفاظت کرتی ہے خیر یہ تو اپنی باتیں ہیں خط لبا ہوتا جا رہا ہے باقی سب تحریریں اچھی ہیں میرے شہر کے بھائی ندیم کی کہانی پڑھی بہت اچھی لگی ویلڈن بھائی جی اور مصباح آج کل لگتا ہے کسی اچھی چڑیل کے چکروں میں سے کہیں کسی کے تھے تو نہیں چڑھ گئی ڈھونڈو اس کو کہیں کسی چڑیل کی کہانی بناتے بناتے وہ خود ہی بھیس بدل لے پلیز مصباح جی ایسا مت کرنا آ جاؤ اب کچھ باقی کہانیاں بھی پڑھی ہیں اور ان کی تعریف ہی مناسب سمجھتی ہوں کیونکہ آج کل لوگوں کے دماغ موسم بہاراں میں بھی فریش کم اور خراب زیادہ ہیں جن کی کہانی کی تنقید کرو اس کو تزکا لگتا ہے اور دو رسالہ ہی چھوڑ دیتا ہے حالانکہ اس کو خوش ہونا چاہئے کہ شکر یہ میری کہانی پر کسی نے تنقید بھی کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کوشش کرے کہ اچھا لکھ سکے مگر نہیں الٹا ہی ہو جاتا ہے خیر اسٹریٹ حضرات کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اگر اس نے کہانی لکھ کر ہے تو اگر اس کی تعریف دس لوگوں نے کی ہے تو میں لوگ اس کی تنقید بھی کریں گے وہ تعریف سن کو خوش ہوتا ہے مگر تنقید سن کو بھی برداشت کیوں نہیں کرتے خیر اگر کچھ بنا چاہتے ہو تو سب کچھ برداشت کرو۔ پہلے پہل میری کہانیوں پر بہت تنقید ہوتی تھی مجھے بھی غصہ آتا تھا مگر میں نے سب تو رسالہ چھوڑا ہے اور نہ ہی لکھنا چھوڑا بھائی مظفر شاہ نے میری کہانیاں پر بہت تنقید تھی مگر میں ہمت نہیں ہاری لکھتی ہی گئی اب وہ ہی بھائی مظفر شاہ ہیں کہ میری کہانیوں کی تعریف کرتے ہیں تو قارئین کوئی اگر کسی کہ تحریروں میں سے کوئی کی پیشکش کرے تو غصہ مت کرو اپنے دلبر رسالے کو مت چھوڑو بعد میں پھر اسی رسالے نے ہی تمہیں پناہ دینی ہے۔۔۔ خیر دعا بخاری کہاں چلی گئی ہے وہ نظر نہیں آتی اور ریاض امین سے ریویو سٹ ہے کہ اپنی کہانی تلاش عشق کی قسط ہمیں پڑھنے کو دیں ہم وعدہ کرتے ہیں پڑھ کر واپس کر دیں گے نہیں رکھتے اگر آپ کو ڈر ہے تو اور ہمارے تمام لیٹرز کے جواب ضرور دیا کریں مہربانی ورنہ میں بھی مصباح کریم کے دھڑنے میں شامل ہو جاؤں گی افراتفراد کشمیر سے ایک راسخا بھری ہیں لیکن ان کو ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے امید ہے کہ وہ اپنی کہانیوں میں ڈر خوف ڈالیں گی اور ایسا کچھ لکھیں گی جو قارئین چاہتے ہیں ان کے لکھنے کا انداز عام سا تھا میں یہ ہی محسوس کر سکی ہوں کہ ان کو ابھی بہت ہی زیادہ محنت کرنا ہوگی تب جا کر ان کو خوفناک اور جواب عرض میں ایک مقام ملے گا۔ میں حیران ہوں کہ جواب مرض اور خوفناک ڈائجسٹ میں اس کی کہانیوں کے نمبر شائع ہو گئے ہیں حیرت کی بات ہے حالانکہ کہانیاں اس قابل نہیں تھیں کہ ان کے نام کے نمبر شائع کئے جاتے بحر حال یہ تو ادارہ کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ کیا کرتے لیکن پھر بھی کہانی اچھی ہو تو اس کے نام کا نمبر شائع ہونا چاہیے یہ میری اپنی سوچ تھی جو میں نے لکھ دی ہے۔ باقی آخر میں سب قارئین خوفناک کو سلام اور ہزاروں دعاؤں کے ساتھ اگلے منٹ تک اجازت دیں اللہ حافظ۔

کشمور کرن چوکی

اسلام علیکم۔ کہا گیا ہے چچا خوفناک ڈائجسٹ نہیں ہے چنانچہ تین دن بعد آئے گا یہ الفاظ جو میں یکم مارچ سے سنتا آرہا تھا آخر کار رسول مارچ کو ڈائجسٹ مل ہی گیا اتنا انتظار کرنا پڑتا ہے اسی وجہ سے مجھے ایک کہانی یاد آگئی جس کا نام تھا تیرے انتظار میں۔ ایسا ہی حال میرا بھی تھا نام ایک منٹ کا بھی نہیں مصروف ہی اتنا ہوں اور اوپر

سے ایذا کا سہی بوجھ بہت مشکل ہو جاتا ہے لکھنا مگر پھر بھی میں کچھ نہ کچھ لکھ رہا ہوں اب اگر آپ شائع نہ کریں تو یہ زیادتی ہے ہمارے ساتھ رسالہ نظروں کے سامنے خوفناک سرورق لڑکی کے سر پر کیپ بھی آکھ بھی منہ سر نکالے ہوئے سبز موتی نمبر اندر گئے تو سب سے پہلے اسلامی صبح پڑھا غلیل احمد ملک اور عافیہ گوندل نے خوب لکھا کہانیوں میں سب سے پہلے سنسنی خیز سنسنی سے بھرپور آخری حصہ جناب عثمان غنی کی تحریر شیطان کی بیٹی پڑھی کافی مزہ دیا سردلو ایک اچھی کہانی تھی سبز موتی یہ بھی مزے کی تھی مہارانی کا انتظار رہے گا ذر کے آگے جیت قسط پانچ آراے ریحان خان ہر قسط خوفناک اور سنسنی سے بھرپور یہ کہانی روں دواں ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھ سکا ایک اور کہانی بھیج رہا ہوں اسے جلد شائع کر دینا مہربانی ہوگی ایک اور بات آپ خط کو پورا شائع کیا کریں میری کہانیاں شائع کرنے کا شکریہ سائل دعا سینڈ قادری سسرز اور ریاض احمد کی سنو یوں کا انتظار رہے گا سید ہمر از کی نصیحت مجھے یاد رہے گی اور کوشش کروں گا کہ کہانی کا اینڈ اچھا کروں اور مزید ارکروں عظیم لوگوں کی روشن باتیں بھی شائع کیا کریں آخر میں میری دعا ہے کہ یہ حالہ اتنی ترقی کرتے کہ آسمان پر ستارہ بن کر چمکے آمین۔

تنظیم عباس۔ کسوال

اسلام علیکم۔ فروری کا شمار اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں نیا لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیٹر کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔۔۔ آپ کی تم نشاد۔ اور آپ کی سائل دعا بخاری۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان اشعار ہیں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپ کی تم نشاد اور آپ کی سائل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کی اصلاح کیا کریں بانی میں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو کیونکہ تمام کہانیاں اچھی تھیں خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہوگا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔

طالب حسین شوکی

اسلام علیکم۔ اس بار خوفناک آپ کے وعدے کے باوجود میری فروری کو ملا بہت انتظار کرتا ہے یہ ڈائجسٹ بہت واحد ہے جس میں میں لکھ رہا ہوں جبکہ یہ رسالہ لیٹ ہو جاتا ہے تو مجھے عجیب سی بے چینی ہونے لگتی ہے آپ کی بہت مہربانی ہوگی اس کو جلدی شائع کیا کریں تاکہ اس کو پڑھ کر ہم اپنی رائے آپ تک پہنچا سکیں مجھے اس ماہنامہ سے اتنا پیار ہے کہ دل کرتا ہے ہر روز اس رسالے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھ کر آپ تک پہنچاؤں اس کے علاوہ میں نے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں ان میں کچھ مختصر بھی ہیں اور طویل بھی پلیز بھیا ان کو جلد از جلد شائع کریں بہت مہربانی ہوگی اس کے بعد میں نے ایک کہانی تیار کر رکھی ہے اب بات ہو جائے کچھ رسالہ کے بارے میں سرورق اس مرتبہ جاذب تھا فہرست میں دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ خوفناک واقعات میرا پسندیدہ سلسلہ ہے جب میں چھوٹا سا تھا تو یہ سلسلہ میں بہت شوق سے پڑھتا تھا پھر نا جانے کیوں بند ہو گیا اب جب اس سلسلے کو اتنے مہینوں بعد دیکھا تو بہت خوشی ہوئی مگر غم ایک بات کا ہوا کہ خطوط غائب تھے سر سے ہی پتہ نہیں کیوں مگر تھے نہیں خطوط کی محفل میں بغیر رسالہ پھیکا پھیکا سا لگتا ہے اگر آپ کے پاس صفحے کم ہیں تو دس پندرہ اور بڑھالیں آپ بھیا کی بہت مہربانی ہوگی اس کو شائع کر دینا اس دفعہ صرف اتنا ہی کافی ہے اجازت دیں اللہ حافظ۔

عبدالشکور۔ لاہور

اسلام علیکم۔ فروری کا شمار اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں نیا لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیٹر کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔ آپلی قم نم نشاد۔ اور آپلی ساحل دعا بخاری۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان اشعار ہیں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپلی قم نم نشاد اور آپلی ساحل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کی اصلاح کیا کریں باقی میں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو کیونکہ تمام کہانیاں اچھی تھیں خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہوگا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔

دقار وکیل لاہور

اسلام علیکم امید کرتا ہوں کہ خوفناک کی پوری ٹیم بالکل خیریت سے ہوگی خوفناک ڈائجسٹ میں میرا پہلا جج ہے اگر میری حوصلہ افزائی ہوئی تو ضرور بھروسہ رکھوں گا اب انشاء اللہ ہر ماہ پڑھا کروں گا ماشاء اللہ خوفناک ڈائجسٹ اس میں موجود بہترین عمدہ کہانیاں غریب نظمیں حدیثیں بہترین اچھی ہیں دل کو بہت ہی اچھی لگتی ہیں اور میری دعا ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی ترقی کرتا رہے اور خدا اسے نظر بد سے بچائے آمین۔ ڈائجسٹ میں تمام رائٹرز اچھا لکھ رہے ہیں ان کی تو کیا ہی بات ہے پڑھ کر مزہ آ جاتا ہے خدا ان سب کی لمبی عمر کرے آمین آخر میں تمام رائٹرز اور شائف کو میری طرف سے سلام پلیر انکل جان میرا خط ضرور شائع کریں میں نے دل سے لکھا ہے میری طرف سے سب سلام۔

زین ظفر پتوکی

اسلام علیکم۔ فروری کا شمار اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ میرے سامنے ہے میں اسے پڑھنے میں مصروف ہوں خط زیادہ لمبا لکھنے سے گریز کروں گا کیونکہ میں نیا لکھاری ہوں خط میں غلطیاں ہو سکتی ہیں اور اگر ہوں گی تو میرے لیٹر کو بزم خطوط میں جگہ ہی نہیں ملے گی خیر وہ تو بعد کی بات ہے پہلے میں اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام تو لے لوں ان کے نام ہیں۔ آپلی کشور کرن۔ اور آپلی ساحل دعا بخاری۔ یہ دونوں رائٹرز میری پسند کی ہیں اور ان کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ان اشعار ہیں جو یہ کہانی میں لکھتی ہیں آپلی قم نم نشاد اور آپلی ساحل دعا آپ سے گزارش ہے کہ میری کہانیوں کی اصلاح کیا کریں باقی ریاض انکل تو میرے بھائی ہیں ایک محلے میں ہی رہتے ہیں تو دوسرے محلے میں میں میں میں خوفناک کے تمام رائٹرز جو اس مرتبہ اپنی کہانیوں کے ساتھ موجود ہیں ان کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو کیونکہ تمام کہانیاں اچھی تھیں ارتج تمنا آپ کو ایک دوست کی اشد ضرورت ہے تو دوسری طرف سخت محنت کی بھی اشد ضرورت ہے خط زیادہ لمبا ہوتا جا رہا ہے امید ہے کہ شائع ضرور ہوگا اب تمام دوستوں اور بزم خط سے ایک مہینے کے لیے رخصت چاہوں گا۔ سفیان علی شان۔ لاہور۔

مارچ کا شمار سرگودھا سے خیرید بہت اچھا ناسل تھا سب سے پہلے اسلامی صفحہ پڑھا ایمان تازہ ہو گیا کہانیوں میں شیطان کی بیٹی عثمان غنی پشاور سرائے لہو معاویہ خبر و نو بہر موت وارث آصف کوئی چاند رکھ میری شام پر خواجہ عاصم سرگودھا راستہ فلک زائد لاہور دوستی کائنات عامر ڈسکہ آیت الکرسی مجید احمد جانی سب رائٹرز نے خوب محنت کی ہے میری دعا ہے کہ خوفناک دن گنی رات ترقی کرے۔ مہر اللہ رکھا جوئیہ۔ کبیر والا۔



یہ شعر مجھے کیوں پسند ہے



یہ کوئی کات کر سیں ارسال کریں ہم آپ کا شعر "خونناک ڈائجسٹ" میں شائع کریں گے۔
اس کو تن میں اپنا پسند وہ شعر لکھ کر ہمیں ارسال کریں۔ شعر معیاری ہو غیر معیاری شعر شائع نہیں کیا جائے گا۔

نام _____ شہر _____ فون بر _____

پتہ _____

_____ عمل پتہ _____



سند کیلئے



اپنے سند یہ شائع کروانے کیلئے کوئی شعر ارسال کریں

نام _____ شہر _____

_____ سند یہ _____
